العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

فتاوی رضویہ

۱۷

امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خان قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا فاؤنڈیشن

لاہور، پاکستان

Contents

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہفدہم (١٧)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

١٢٧٢ھ ________ ١٣٤٠ھ

١٨٥٦ء ________ ١٩٢١ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ٨، پاکستان (٥٤٠٠٠)
فون: ٧٦٥٧٣١٤

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۱۷
تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ____________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام وسرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشاتابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ____________ ۷۱۵
اشاعت ____________ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ/فروری ۲۰۰۰ء
مطبع ____________
ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ____________

ملنے کے پتے

* جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ **العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ** کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً دس سال کے مختصر عرصہ میں سترہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکت اور کتاب الوقف پر مشتمل سولہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲

سترہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے شروع سے صفحہ ۲۹۰ تک ۲۹۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیاہے اس سے قبل گیارہویں، بارھویں، تیرہویں اور سولھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں جبکہ "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کانہایت شاندار اور زوردار ترجمہ مصنف علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضاخان بریلوی نوراللہ مرقدہ، کا ہے۔

یاد رہے کہ رسالہ مبارکہ "**کفل الفقیہ الفاہم**" جو نوٹ سے متعلقہ تمام مسائل پر محیط ہے مصنف علیہ الرحمہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دن اور چند گھنٹوں میں علماء مکہ کی طرف سے پیش کردہ بارہ سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔ رسالہ میں مذکور تحقیقات وتدقیقات کو دیکھ کر علماء مکہ بہت مسرور ومحظوظ ہوئے اور مصنف علیہ الرحمہ کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا، رسالہ مذکورہ کی تصنیف کے بعد جب آپ حرمین شریفین سے وطن واپس تشریف لائے تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالحٔی لکھنوی صاحب کے نوٹ سے متعلق فتوے نظر سے گزرے جن کے رَد میں مصنف علیہ الرحمہ نے رسالہ "**کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم**" ملقب بلقب تاریخی "**الذیل المنوط لرسالۃ النوط**" تحریر فرمایا پیش نظر جلد بنیادی طور پر **کتاب البیوع**، **کتاب الکفالہ** اور **کتاب الحوالہ** کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد **ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ** کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) **کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ کے بارے علماء مکرمہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب

(۲) **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم ملقب بلقب تاریخی الذیل المنوط لرسالۃ النوط** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد۔

O

شوال المکرم ۱۴۲۰ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

جنوری ۲۰۰۰ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین مفصّل

کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو تو اصل مالک جس عقد کی اجازت دے گا صرف وہی جائز ہوگا۔	۱۰۵	ہاں اس معصیت میں اعانت کی نیت سے خریدا تو اس بُری نیت کا وبال ضرور مشتری پر ہوگا۔	۱۰۸
بیع فضولی میں مبیع کے اندر جو اضافہ ہوگا اگرچہ قبل اجازت کا ہو، بعد اجازت سب کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۰۶	ڈگری میں بے رضائے مالک جائداد کا نیلام بیع فضولی ہے۔	۱۰۹
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیر کا مغصوب منہ مالک ہوگا۔	۱۰۶	مجیز نہ ہو تو باطل وقت عقد مجیز ہو تو جائز۔	۱۰۹
مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔	۱۰۶	اجازت کی ایک صورت۔	۱۰۹
ہبہ میں رجوع کے حق سے دست برداری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔	۱۰۶	شوہر نے قرض خواہوں کو تحریر دی کہ میں ادا نہ کرسکوں تو میری جائداد سے وصول کیا جائے اور اپنی جائداد اپنی زندگی میں زوجہ کی مہر کے عوض لکھ دیا تو قرضخواہ اس جائداد سے اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا۔	۱۰۹
عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷	حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں۔	۱۰۹
اجازت لاحق کی ایک صورت۔	۱۰۷	عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا۔	۱۰۹
نیلاب بے اجازت عقد فضولی اور عقد موقوف ہے۔	۱۰۷	شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جائداد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہوسکتا ہے: (۱)صلح عن المہر (۲)زوج یا زوجہ کی طرف سے ہبہ بالعوض (۳) ہبہ بشرط العوض۔	۱۱۰
عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷	عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنیً بیع ہوگا اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت وقبول ہے۔	۱۱۰
نابالغ کی ملک فضولی نے بیچ دی بیع باطل ہوگی۔	۱۰۷	حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں، صحت وفساد، اور دونوں باقوت ہیں۔	۱۱۱
کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے حق موصی لہ بالخدمۃ حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) ان کا عوض لینا جائز ہے۔	۱۱۱

خون، مردار اور مٹی اشیاء تو ہین مگر مال نہیں ہے۔	۱۲۱	بائع ارض مبیعہ کے جز حصہ کو بیع سے خارج ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن سالہاسال سے ارض مبیعہ پر مشتری کا تصرف دیکھ کر خاموش رہاتو بائع کا دعوی باطل قرار دیا جائے گا۔	۱۲۶
حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔	۱۲۲	آڑھت میں مال جمع کرکے اس کی قیمت پیشگی آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا حرام ہے، البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔	۱۲۶
دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔	۱۲۲	بیع آج کی اور بیعنامہ میں لکھا کہ اس کا نفاذ فلاں تاریخ سے ہوگا بیع فاسد ہوگی۔	۱۲۷
قبل از نکاح مہر کی ادائیگی سے شبہہ اور اس کا جواب۔	۱۲۲	متعاقدین پر بیع فاسد کا توڑ دینا واجب ہے۔	۱۲۷
آئندہ ملنے والی تنخواہ یا عطیہ منصب کو مہر کے عوض کیا تو یہ خود معدوم اور باطل ہے لہٰذا اس کا ہبہ اور بیع دونوں باطل ہے۔	۱۲۳	بیع فاسد میں مشتری رضا سے بائع سے کوئی تصرف از قسم بیع، ہبہ، دین، وقف، وصیت کرے تو بیع نافذ ہوجائے گی مگر مشتری گنہگار ہوگا۔	۱۲۷
اراضی کے بیعنامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری کی ہوئی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوئی کے بعد وہ حصہ واگزار کردیا جائے گا۔	۱۲۳	جس چیز کو بیع فاسد سے خریدا اور اسی کو دوسرے کے ہاتھ پانچ سو میں بیچا اور اس کا بازار میں چار سو ہی بھاؤ ہے تو اس کو چار سو ہی دئے جائیں۔	۱۲۷
چوحدی میں اگر زمین کی مکسر پیمائش میں اختلاف تحریر ہوا تو بھی چوحدی کا اعتبار نہ ہوگا۔	۱۲۴	بیع مطلق ہوئی اور شرط فاسد بعد میں لگائی تو شرط کالعدم ہوگی اور بیع بلاشرط صحیح ہوگی۔	۱۲۷
مکسر پیمائش کے ساتھ ساتھ اگر یہ بھی تحریر ہو کہ فی گز اتنا تو اب چوحدی کا نہیں پیمائش کا اعتبار ہوگا۔	۱۲۴	بیع وشراء کے وقت بھاؤتاؤ کرنا سنت ہے، سفر حج کے لئے خریدی جانے والی چیز کا استثناء ہے۔	۱۲۸
زبانی بیع اور طرح ہوئی اور تحریر اس کے خلاف ہو تو اعتبار زبانی ایجاب وقبول کا ہوگا۔	۱۲۵	شرع میں خرید وفروخت کی گفتگو کا اعتبار ہے۔	۱۲۸
زمین کا جز مبیعہ متعین نہ ہوا تو بسبب جہالت بیع فاسد ہوگی۔	۱۲۵	زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کا نام لکھایا، لڑکیوں کی نہ ہوئی، البتہ بیع نامہ ہبہ قرار دیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔	۱۲۸
زمین کا جز حصہ فی گز کے حساب سے فروخت کیا تو اس کی جہت اور سمت کا تعین بھی وقت عقد یا مجلس عقد میں ضروری ہے، اور مجلس عقد کے بعد متعین کرکے قبضہ دیا تو یہ نئی بیع تعاطی قرار دی جائے گی۔	۱۲۶		

بیع معدوم کی ایک اور شکل اور اس کا حکم۔	۱۶۱	المبنٰی علی الباطل باطل۔	۱۶۳
جتنے کا مال کی بیع ہوئی بائع نے اس سے کم دیا تو اب پورا کرے۔	۱۶۱	الباطل لاحکم لہ۔	۱۶۳
بائع نے اگر مال مبیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہگار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے کا تاوان اس وقت کے بازار کے بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔	۱۶۱	ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کرلیا شوہر نے نالش کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو مہر بعوض المہر والا عقد باطل ہوگیا اور شوہر اس کا مالک ہوگیا۔	۱۶۳
مردار کی کھال پکاکر یا سکھاکر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔	۱۶۱	شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہوجائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔	۱۶۴
ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۱	مسجد کے درخت سے جو سوکھی لکڑی گرے اس کے بدلے کمہار لوٹا دیتا رہے یہ عقد جہالت مقدار بدلین کی وجہ سے ناجائز ہے، دونوں کی تعیین ہونی چاہئے۔	۱۶۵
سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔	۱۶۲	مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔	۱۶۵
زندہ جانور کا گوشت خریدا اور کھال کا استثناء ہو یہ ناجائز ہے۔	۱۶۲	لاعلمی میں خریدنا تو ناجائز ہے۔	۱۶۵
دین مہر کا عوض دینا ہبہ بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔	۱۶۳	خریدنے کے بعد مسروقہ ہونے کا علم ہو تو اس کا استعمال حرام مالک کو دیا جائے اس کا پتہ نہ چلے تو فقراء پر صرف کیا جائے۔	۱۶۵
آئندہ بھی جو جائداد پیدا ہو اسی دین مہر کے بدلہ میں دینے کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہے، اور اس کی وجہ سے پہلا عقد بیع بھی فاسد ہوگیا۔	۱۶۳	اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھواکر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔	۱۶۵
آئندہ پیدا ہونے والی جائداد پر اسی شرط فاسد کی بنیاد پر بیوی کا قبضہ کرادیا تب بھی وہ اس کی مالک نہ ہوگی۔	۱۶۳	پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں کرتی یہ قرض مردہ ہے۔	۱۶۶
بیع فاسد کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کو مشتری نے بیچ دیا، تو یہ بیع ثانی صحیح ہے لیکن باہم طے شدہ دام نہیں دلایا جائے گا بلکہ بازار کا بھاؤ۔	۱۶۳	قرض کی بیع خریدار کو قبضہ کے لئے مدیون پر مسلط کئے بغیر حرام وفاسد ہے۔	۱۶۶

مرض الموت میں کم قیمت پر سامان بیچا تو بیع جائز نہیں اور وارث کے ہاتھ توبرابر پر جائز نہیں۔	۱۹۴	اس مکان کی قیمت بطور خود بے اذن خالد ادا کردی تو زید متبرع ہوااور خالد سے کچھ نہیں لے سکتا۔	۲۰۶
ایک غلط فتوے کے وجوہ خلل کا بیان اور مسئلہ کا صحیح حکم۔	۱۹۴	عمرو نے بھی قیمت میں بطور خود شرکت کی تو وہ بھی متبرع ہے اور زید نے مانگا ہو تو عمرو کا مطالبہ زید سے ہوگا نہ کہ خالد سے۔	۲۰۷
غیر کے جس دین کو ادا کرنے پر آدمی مجبور ہو بے اس کی اجازت کے بھی ادا کردیا تو ادا کنندہ اپنے اس فعل پر متبرع نہیں قرار دیا جائے گا۔	۱۹۷	اگر عقد کے وقت زید نے اپنا نام لیا ہو (اگرچہ مبیع نامہ میں خالد کا نام درج کرایا ہو) تو مکان زید کا ہوا۔	۲۰۷
زید نے ایک مکان خریدنے کے وقت یوں عقد کیا کہ اس کو میں دوسروں کے لئے خریدتا ہوں یہ بیع فضولی ہوئی اور اجازت سے قبل مرگیا تو بیع باطل ہوگئی۔	۲۰۰	عمرو کا پیسہ قیمت میں لگا ہو تب بھی عمرو کی ملک نہ ہوگا۔ حسب سابق یا تو تبرع یا زید پر قرض ہوگا۔	۲۰۷
قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو رد کرسکتا ہے۔	۲۰۱	عقد کے وقت عمرو زید دونوں کا نام لیا ہو تو برابر کے دونوں حصہ دار ہوئے اگرچہ عمرو نے کچھ پیسہ نہ دیا ہو۔	۲۰۸
فضولی نے بیع کو بطور تعاطی کسی دوسرے کے ہاتھ بیچا یہ دوسری بیع بھی فضولی ہوئی۔	۲۰۱	اس صورت میں زید نے خالد کو جو ہبہ کیا وہ باطل ہے۔	۲۰۸
فضولی نے خریدتے وقت یہ تشریح نہیں کی کہ کس کے لئے خرید رہا ہوں یا یہ کہا کہ اپنے لئے خرید رہا ہوں، تو مبیع کا فضولی مالک ہوگا۔	۲۰۱	مرض الموت میں وارث کے ہاتھ جائداد کی بیع بے اجازت دیگر وارثان باطل ہے ثلث یا کسی حصہ میں نافذ نہ ہوگی۔	۲۰۹
زید نے کوئی چیز خریدی اور اس کے بارے میں یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں کی ہے تو وہ فلاں کی ہوگی، اور اس چیز کی قیمت فلاں پر واجب ہوگی۔	۲۰۱	عقد بیع نہ حصہ قرار دیا جاسکتا ہے نہ وقف۔	۲۰۹
زید نے اپنے روپے سے ایک مکان اپنے بھائی خالد کے لئے خریدا اور خالد کا قبضہ کرادیا، دس سال کے بعد زید کا دوسرا بھائی عمرو مدعی ہوا کہ اس میں میرا پیسہ لگا تھا۔	۲۰۵	مویشی خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔	۲۱۰
عقد بیع خالد کے نام ہوا تو عقد فضولی ہے اور قبضہ کے بعد وہ تمام وکمال خالد کی ملک ہے۔	۲۰۵	جو بیع مرض الموت میں کسی وارث کے نام کی گئی وصیت کے حکم میں ہے اور بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے۔	۲۱۱

ادائے ثمن کے لئے اجل معین کی شرط اصل عقد میں ہو تب بھی مفسد عقد نہیں۔	۲۶۵	قرض ابتداءً تبرع ہے اور اس میں نیابت جائز نہیں۔	۲۷۱
سال کے اندر ادا کرنے کی شرط اجل معین کی شرط ہے، سال اور مہینہ اجل معین ہیں۔	۲۶۵	مذکورہ بالا صورت میں جب قرض نوکو پر ہوا اگر نوکر یہ روپیہ مالک کو دے دیتا تو یہ عقد جدید ہوا، اور مالک نوکر کا قرضدار ہوگا۔	۲۷۱
فتاوٰی خیریہ کی مسئلہ سے غیر متعلق تحریر کی توضیح اردو میں سال کے اندر اور سال تک دونوں کا حاصل ایک ہے۔	۲۶۶	نوکر یہ کہہ کر مہاجن سے روپیہ لایا کہ میرے مالک کو پچاس روپیہ قرض دے دو، مالک نے نوکر کو پچاس روپے مہاجن کو دینے کے لئے دئے، اس نے وہ روپیہ خود خرچ کر دیا مالک نوکر سے پچاس روپے وصول کرکے مہاجن کو پچاس ادا کرے۔	۲۷۲
بائع اپنا سودا ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولٰی ہے۔	۲۶۷	نوکر مالک کے واسطے خود قرض کرکے لایا اور صورت مذکورہ بالا ہوئی تو مہاجن نوکر سے وصول کرے، مالک نے اپنا ادا کردیا۔	۲۷۳
باب القرض		بازار بھاؤ اناج ادھار دیا فصل کے وقت پچاس روپیہ کا اناج واپس کیا اگر عقد کے وقت اس کی شرط لگاتا ناجائز ہوتا ورنہ جائز۔	۲۷۳
پانچسو روپے پچیس روپے سالانہ زائد شرط لگانا حقیقی سود ہے۔	۲۶۹	ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے اور سود ہے۔	۲۷۳
سود خور شخص کا امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دہرائیں۔	۲۶۹	اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زر ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپے نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ زر ثمن کے بدلے لے لو بائع نے قبول کیا تو یہ جائز ہے۔	۲۷۳
مالک نے نوکر سے کسی سے قرض لانے کے لئے کہا اس نے کسی مہاجن سے قرض لے کر رسید خود لکھ دی، اگر قرض مانگتے وقت یہ کہا تھا میرے مالک کو قرض دے تو قرض مالک پر ہوا اور اپنے لئے مانگا تو نوکر پر ہوا۔	۲۷۰	مسئلہ شراء القرض من المستقرض۔	۲۷۴
استقراض کا وکیل بنانا جائز نہیں۔	۲۷۱	غلہ قرض لینے کے ایک تعامل کا حکم۔	۲۷۴
اقراض کا وکیل بنانا جائز ہے۔	۲۷۱	قرض کے ساتھ کوئی چیز کم قیمت کی بطور شرط قرض دار کے ہاتھ بیچی گئی تو حرام۔	۲۷۴

ظاہر الروایۃ کے مطابق کفالت میں جو ابتدائے غایت مذکور نہ ہو تو کفالت تاریخ مذکور کے بعد شروع ہوتی ہے۔	۲۶۱	عقد کرنے والے، منت ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے سب کا کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔	۲۶۹
تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوتا۔ اور متبوع معدوم ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔	۲۶۳	ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر وسائر سے اصلا تعلق نہیں۔	۲۶۹
کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع ہو، ثانی سے برائت ہو تو اول بھی مرتفع ہو جاتی ہے۔	۲۶۳	صورت مسئولہ میں ایک حکم دیانت کا بھی ہے۔	۲۷۰
مجلس کفالت میں ایجاب وقبول دونوں ہونا رکن کفالت ہے، تو مکفول لہ کی غیر حاضری بھی کفالت کو باطل کردے گی۔	۲۶۴	کفالت بالمال کفالت بالنفس کے تابع ہو تو اصل کے ختم ہوتے ہی تابع بھی ختم ہوجائی گی۔	۲۷۰
مکفول لہ مجلس ایجاب میں نہ ہو مگر اطلاع کے بعد کفالت قبول کرے پھر بھی کفالت باطل ہے۔	۲۶۴	کفالت بالمال کے ایک فیصلہ کے بارے میں ایک سوال۔	۲۷۰
مکفول لہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتوی طرفین کے قول پر ہے۔	۲۶۵	سات گواہوں میں ۲۰ وجوہ نقائص کا تفصیلی بیان۔	۲۷۳
محبوبی اور نسفی اصحاب ترجیح سے نہیں۔	۲۶۵	اس حکم کی گواہی نامقبول اور کفالت بالمال ساقط۔	۲۷۶
فتوی مختلف ہو تو عدم اختلاف زمانہ کی صورت میں فتوی امام کے قول پر ہوتا ہے۔	۲۶۵	شہادت اور دعوی میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔	۲۷۶
راجح سے عدول جائز نہیں۔	۲۶۶	ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔	۲۷۶
مکفول لہ مجلس ایجاب سے غائب ہو اور کوئی اس کی جانب سے قبول کرے تو یہ قبول مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۲۶۶	کفالت کی ایک غیر شرعی صورت سے سوال۔	۲۷۷
صورت مسئولہ میں کفالت بالمال عدم قبول فی المجلس ایجاب کی وجہ سے باطل ہے۔	۲۶۷	کفالت بالمال شرعا جائز ہے۔	۲۷۷
کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہاء کے بعد کفالت ختم ہے۔	۲۶۷	کفالت بالمال کی تعریف۔	۲۷۷
مسئلہ مذکورہ پر نصوص کتب فقہیہ۔	۲۶۷	کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔	۲۷۷
ایک مہینہ، ایک مہینہ تک آج سے ایک مہینہ تک، یہ تینوں الفاظ ہم معنٰی ہیں۔	۲۶۸		

فہرست ضمنی مسائل

مغصوب کو غاصب کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا حکم۔	۸۲	اگر عاقدین بیع فاسد کو فسخ نہ کریں تو قاضی جبراً فسخ کردے۔	۱۶۰
آج کل کچہریوں میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے بیع غاصب کے حکم میں ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۱۰۴	قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو رد کرسکتا ہے۔	۲۰۱
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیر کا مغصوب منہ مالک ہوگا۔	۱۰۶	احکام قضاء دارالحرب اور دارالبغاۃ میں نافذ نہیں جہاں حکم قضاء نہیں۔	۳۱۸
مبیع کو بائع نے غصب کرلیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔	۱۱۷	دعوی	
غصب کی ایک صورت۔	۱۱۷	اجنبی محض کو دعوی کا اختیار نہیں ہوتا۔	۸۳
عقار کا غصب متحقق نہیں۔	۱۱۷	حالت صحت میں کسی وارث کے ہاتھ جائداد بیع کردی بیع صحیح ہوگئی دوسرے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زر ثمن پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثاء زر ثمن کا دعوی کرسکتے ہیں زر ثمن کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرائن سے نہ ہوگا۔	۱۱۷
شہادت		اراضی کے بیعنامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری کی ہوئی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوئی کے بعد وہ حصہ واگزار کردیا جائے گا۔	۱۲۳
کسی شیئ کی ملکیت کے شرعی گواہ گزریں تو قبضہ حکماً قرار دیا جائے گا۔	۸۲	بائع ارض مبیعہ کے جز حصہ کو بیع سے خارج ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن سالہاسال سے ارض مبیعہ پر مشتری کا تصرف دیکھ کر خاموش رہا تو بائع کا دعوی باطل قرار دیا جائے گا۔	۱۲۶
شہادت اور دعوی میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔	٦٧٦	بیع کے انعقاد وبطلان میں اختلاف ہو تو مدعی انعقاد گواہ پیش کرے۔ گواہ نہ ہو تو مدعی بطلان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب صحت ومرض میں اختلاف ہو تو مدعی مرض کا قول مذکورہ تفصیل کے ساتھ بقسم معتبر ہوگا جس پر قسم ہے وہ حلف سے انکار کرے تو خصم کا حق ثابت ہوگا۔	۲۱۵
قضاء			

نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا۔	۴۱۰	مشتری نے کل یا جز قیمت ادا کئے بغیر مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔	۳۹
کسی نے یہ کہا "۱۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن ہوں" تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۱۸ تاریخ کے بعد بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے فلان تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت منتہی ہوگی۔	۶۵۶	سود کی ملک خبیث ہے۔	۹۰
"۱۸ تاریخ سے ضامن ہوں بھاگ گیا تو مطالبہ میں دوں گا" اگر ۱۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا مطالبہ دینا ہوگا۔	۶۵۶	بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعانہ روک لینا ظلم ہے چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔	۹۴
"۱۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں" اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل نے قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حق نہ ۱۸ کے بعد نفس کی ضمانت باقی۔	۶۵۸	وفائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۹۵
عقائد وکلام		نقد اور ادھار کے بھاؤ میں تفاوت حرام اور ناجائز نہیں۔	۹۷
جنین ضرور مومن ہے۔	۲۱۳	عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷
شرع مطہر عندیہ کا مذہب جنوں روا نہیں رکھتی۔	۵۲۲	عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷
توبہ واستغفار		کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸
سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور آئندہ نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ جو لیا ہے وہ واپس کرے۔	۳۰۴	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے موصی لہ بالخد، حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) انکا عوض لینا جائز ہے۔ ۱۱۱	
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔	۳۰۴	آڑھت میں مال جمع کرکے اس کی قیمت پیشگی آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا حرام ہے۔ البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔	۱۲۶
حظر واباحت			

جھوٹ نہ بولے تو زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یا دُگنی قیمت لینا جائز ہے۔	۱۳۹	معین چیز کے کسب حرام ہونے کا علم نہ ہو تو اسے کھاسکتے ہیں۔	۱۷۲
مردار کی کھال پکاکر یا سکھاکر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔	۱۶۱	بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم۔	۱۹۱
ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۱	فصل پر غلہ خرید کر بیچنا جائز ہے، ایسی بیع کو حرام کہنے والا شرع پر جرات کررہاہے۔	۱۹۱
سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔	۱۶۲	مویشی خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔	۲۰۲
مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔	۱۶۵	پنچوں کے فیصلہ کے لئے طرفین سے رقم جمع کرانا باطل اور دونوں کی رقم کسی ایک کو دے دینا مزید ظلم اور ایک فریق کو دوسرے کا یہ پیسہ لینا حرام۔	۲۱۸
اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھواکر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔	۱۶۵	بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہ گار ہوتے ہیں۔	۲۴۵
نزول کی زمین کو سرکار سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔	۱۶۸	بائع اپنی مرضی سے مبیع پر کچھ اضافہ کردے تو لینا جائز ہے۔	۲۶۱
مردہ پھونکنے والوں کے ہاتھ لکڑی بیچنا جائز ہے اس کام میں اس کی اعانت کی نیت نہ کرے۔	۱۶۸	بائع کافر ہو تو مسلمان کو زائد کا سوال نہ چاہئے کہ وہ احسان تصور کرے گا۔	۲۶۲
بھنگ پینے والوں کے ہاتھ اس کی بیع ناجائز ہے البتہ دوا کے طور پر اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۸	کٹوتی ناراضگی کی حالت میں حرام ہے۔	۲۶۳
افیون کی بیع دواءً خارجی استعمال کے لئے جائز ہے اور کھانے کے لئے حرام ہے۔	۱۷۰	بائع اپنا سوداا اور ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولیٰ ہے۔	۲۶۷
مردار کی بیع حرام ہے۔	۱۷۱	قرض کی وجہ سے کسی چیز کو زائد قیمت پر خریدنا مکروہ۔	۲۷۵
قبرستان کی بیع حرام بائع کو قیمت لینا حرام	۱۷۱	اپنی آبرو بچانے کے لئے ہجو گوشاعروں کو رشوت دینا جائز ہے۔	۳۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

(خرید وفروخت کا بیان)

مسئلہ ۱:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کہا میں اپنا مکان بھیجتا ہوں، عمرو نے کہا میں خریدوں گا، دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پاگئی، زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے خرید کرلایا، اس صورت میں شرعاً بیع تمام ہوگئی یا ناتمام رہی؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

ہر چند صورت مستفسرہ میں الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغہ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار یوں یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت وقرار داد قیمت بیعانہ اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً، اس لیے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو انھیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا۔

فی الھدایۃ والمعنی ھو المعتبر فی ھٰذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی	ہدایہ میں ہے کہ ان عقود میں معنی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد

فی النفیس والخسیس هوالصحیح لتحقق المراضاة [1] واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه اتم۔	ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہے، واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه اتم (ت)

مسئلہ ۲: از ریاست رامپور محلّہ سبزی منڈی مرسلہ سید مقبول حسین صاحب وکیل ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ایک مکان متروکہ چھوڑا، مسمّٰی عمرو اس کا پسر وارث مع الحصر مگروہ نابالغ تھا دیگر شخص غیر وارث نے بہ زمانہ نابالغی مسمّٰی عمرو مکان مذکور کو اپنی ملکیت قرار دے کر بدست بکر بیع کردیا بکر نے قبضہ کرلیا، بعد بلوغ مسمّٰی عمرو نے بحالت غیر قابض مکان مذکور بدست خالد بیع کردیا خالد بذریعہ دستاویز بیعنامہ اقراری عمرو بنام بکر ونیز عمرو دعویدار تخلیہ و دخلیابی مکان مذکور ہے عمرو کو بیع کردینا تسلیم ہے اور دعوی سے اقبال ہے بکر قابض مکان بیع موسومہ خود کو حجت گردان کر منکر دعوی ہے اور مسئلہ شرعی مقدور التسلیم کا عذر کرتا ہے، کیا صورت مذکورہ بالا میں مسئلہ مقدور التسلیم شرعا متعلق ہوسکے گا اور مسئلہ مذکور کے حقیقی معنی اور اس کی مثال بھی تحریر فرمائے تاکہ عام فہم ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے بکر وبائع بکر غاصب ہے جبکہ تو بیع عمرو بدست خالد صحیح وتام ونافذ واقع ہوئی مکان ملک خالد ہوگیا، خالد کا دعوی صحیح ہے بوجہ وجود بینہ عادلہ، عمرو کو حکما قدرۃً علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت ونفاذ بیع کے لئے کافی ہے حقیقۃً مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں، غلام کو کسی کام کے لئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اسے بیع کردیا، بیع صحیح ہوگئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے، کبوتر ملے ہوئے کہ صبح اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں، ان کی غیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجوع ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکما حاصل ہے یوں ہی جب بیّنہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرۃ حکمیہ حاصل، اور یہی بس ہے، اسی طرح اگر غاصب مقر غصب وملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح ونافذ ہوتی کہ اقرار بھی حق مقر میں مثل بیّنہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقوی، ولہذا اگر منکر بعد اقامت بیّنہ اقرار کردے حکم بربنائے اقرار ہوگا نہ کہ بربنائے بیّنہ، ہاں اگر وقت بیع عمرو نہ بکر مقر ملک عمرو تھا، نہ عمرو کے پاس بیّنہ شرعیہ، تواب

---

[1] الهدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴، ۲۵

ضرور مسئلہ اشتراط قدرۃ علی التسلیم عائدہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمرو کو نہ حقیقۃ قدرۃ التسلیم ہے نہ حکماً کہ بے اقرار وبیّنہ ڈگری ملنا ہر گز مظنون نہیں، تو یہ غلام آبق کی مانند ہوا جو سرکشی کرکے بھاگ گیا اور غائب ہے، مالک اگر اسے بیع کرے گا ہر گز صحیح نہ ہوگی، یونہی نیا کبوتر کہ اڑ گیا وہ ہلا ہوا نہیں کہ واپس مظنون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرۃ التسلیم مفقود ہے، اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعوی کا کوئی حق نہیں، قدرۃ التسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو[۲] قول ہیں، دونوں باقوت، **اول** یہ کہ وہ شرط انعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے، **دوم** شرط صحت بیع ہے، کہ بے اس کے بیع فاسد ہے، **پہلے قول پر** تو ظاہر ہے کہ نہ خالد مشتری ہے نہ عمرو بائع، اجنبی محض کو دعوی کا کیا اختیار، اور قول ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہ عدم قدرۃ التسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کردیتا ہے تو صحت بیع اس پر موقوف ہوئی کہ بکر مقر ہوجائے یا کوئی بیّنہ عادلہ ہاتھ آئے لہذا یہ بیع موقوف بھی ہوئی جیسے بیع مکروہ کہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفید ملک مشتری نہیں ہوتی تو بہر طور اس صورت میں خالد کے لئے مکان میں ملک نہیں، نہ اسے مکان پر دعوی پہنچے، عالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المغصوب من غیر المغاصب فھو موقوف ھو الصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمه، وان جحد وللمغصوب منه بینه فکذلك کذا فی الغیاثیة وان لم یکن له بیّنة ولم یسلمه حتی ھلك انتقض البیع کذا فی الذخیرة[1]۔	مالک نے مغصوب کو غاصب کے غیر کے ہاتھ بیچا تو صحیح یہ ہے کہ وہ بیع موقوف ہوگئی، اگر غاصب نے اقرار کیا تو بیع تام ولازم ہوگئی، اگر اس نے انکار کیا اور مغصوب منہ کے پاس گواہ موجود ہیں تب بھی یہی حکم ہے یونہی غیاثیہ میں ہے اگر اس کے پاس گواہ موجود نہیں اور وہ مبیع کو مشتری کے حوالے نہ کر سکا حتی کہ مبیع ہلاک ہوگیا تو بیع ٹوٹ گئی یونہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وقف بیع المالك المغصوب علی البیّنة اواقرار الغاصب[2]۔	مالک کا مغصوب کو فروخت کرنا غاصب کے اقرار یا گواہوں کے موجود ہونے پر موقوف ہوگا(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفصولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

خانیہ میں قبیل فصل شروط مفسدہ ہے:

باع المغصوب من غیر الغاصب ان کان الغاصب جاحدا یدعی انہ لہ ولم یکن للمغصوب منہ بینۃ لایجوز بیعہ وان کان لہ بینۃ جاز بیعہ [1]۔	مالک نے مغصوب کی بیع غیر غاصب کے ہاتھ کردی درانحالیکہ غاصب منکر غصب ہے اور اپنی ملکیت کا دعویدار ہے اور مغصوب منہ کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں تو بیع جائز نہیں اور اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو بیع جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع طیر فی الھواء لایرجع وان یطیر ویرجع صح [2]۔	ہواء میں اس پرندے کی بیع فاسد ہے جو واپس نہ آئے اور اگر وہ اڑتا ہے اور پھر واپس آجاتا ہے تو ہواء میں اس کی بیع جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح لان المعلوم عادۃ کالواقع وتجویز کونہا لاتعود او عروض عدم عودھا لایمنع جواز البیع کتجویز ھلاك المبیع قبل القبض ثم اذاعرض الھلاك انفسخ کذا ھنا اھ وفی النھر فیہ نظر لان من شروط صحۃ البیع القدرۃ علی التسلیم عقبہ ولذا لم یجز بیع الاٰبق اھ قال ح فرق مابین الحمام و الاٰبق فان العادۃ لم تقض بعودہ	فتح میں فرمایا اس لئے کہ معلوم عادی واقع کی مثل ہے محض اس بات کا امکان کہ وہ (پرندے) واپس نہ آئیں گے یا عدم رجوع کا انھیں عارض ہوجانا جواز بیع سے مانع نہیں جیسا کہ قبضہ سے قبل ہلاک بیع کا امکان مانع بیع نہیں، پھر اگر مبیع کو ہلاکت عارض ہوگئی تو بیع فسخ ہوجائیگی، ایسا ہی یہاں بھی ہوگا، اھ اور نہر میں ہے کہ اس میں نظر ہے کیونکہ صحت بیع کی شرطوں میں سے ہے کہ بیع کے بعد تسلیم مبیع پر قدرت ہو، اسی لئے بھاگے ہوئے غلام کی بیع ناجائز ہے اھ، ح نے فرمایا کہ صاحب نہر نے کبوتر اور غلام میں فرق کیا ہے کہ عادت بھاگے ہوئے غلام کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الباطل مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۲

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

غالبًا بخلاف الحمام، وما ادعاہ من اشتراط القدرۃ علی التسلیم عقبہ ان ارادبہ القدرۃ حقیقۃ فھو ممنوع والا لاشترط حضور المبیع مجلس العقد واحد لایقول بہ، وان ارادبہ القدرۃ حکما کما ذکرہ بعد ھذا فما نحن فیہ کذالك لحکم العادۃ بعودہ اھ قلت وھو وجیہ فھو نظیر العبد المرسل فی حاجۃ المولی فانہ یجوز بیعہ وعللوہ بانہ مقدرو التسلیم وقت العقد حکما اذالظاہر عودہ[1]۔	واپس آنے کا حکم غالبا نہیں کرتی بخلا کبوتر کے، اور بیع کے بعد بیع کے مقدور التسلیم ہونے کے اشتراط کا جو دعوی صاحب نہر نے کیا ہے اس سے مراد اگر وقت تسلیم حقیقتاً ہے تو یہ ممنوع ہے ورنہ مبیع کا مجلس عقد میں حاضر کرنا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اگر حکما ہے جیساکہ بعد خود انھوں نے ذکر کیا تو ہمارا زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ عادت کبوتر کے لوٹ آنے کا حکم کرتی ہے اھ میں کہتاہوں یہ قوی ہے پس یہ اس غلام کی نظیر ہے جسے مالک کے کام کے لئے کہیں بھیجا گیا ہو کیونکہ اس کی بیع جائز ہے، اور فقہاء نے اس جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ غلام بوقت بیع حکما مقدو التسلیم ہے کیونکہ ظاہر اس کالوٹ آنا ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لو باعہ (ای الاٰبق) ثم عاد وسلمۃ یتم البیع علی القول بفسادہ ورجحہ الکمال وقیل لایتم علی القول ببطلانہ من الروایۃ واختارہ فی الھدایۃ وغیرہا وبہ کان یفتی البلخی وغیرہ، بحر وابن کمال[2]۔	اگر بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کیا پھر وہ لوٹ آیا اور اس کو مشتری کے حوالے کر دیا تو اس قول کے مطابق بیع تام ہو جائے گی جس قول میں اس بیع کو فاسد قرار دیا گیا اور کمال نے اس کو ترجیح دی اور جس قول میں اس بیع کو باطل قرار دیا گیا اس کے مطابق بیع تمام نہ ہو گی اور یہی زیادہ ظاہر روایت ہے ہدایہ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا اور بلخی وغیرہ اس پر ہی فتوی دیتے تھے، بحر، ابن کمال (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبہ اخذ جماعۃ من مشایخنا وبہ کان یفتی ابوعبداللہ البلخی وھکذا ذکر شیخ	اس کو اخذ کیا ہے ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور اس پر ابوعبداللہ بلخی فتوی دیتے تھے

[1] ردالمحتار، کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

الاسلام [1]۔	شیخ الاسلام نے یونہی ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز غیاثیہ میں ہے: قالوا والمختار هذا[2] (مشائخ نے فرمایا یہی مختار ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح والحق ان الاختلاف فیه بناء علی الاختلاف فی انه باطل اوفاسد وانك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا لان البیع قائم مع الفساد ومع البطلان لم یکن قائما بصفة البطلان بل معدوما، فوجه البطلان عدم قدرة التسلیم، فوجه البطلان عدم قدرة التسلیم، ووجه الفساد قیام المالیة والملك، والوجه عندی ان عدم القدرة علی التسلیم مفسد لامبطل [3]۔	فتح میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس میں اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد، اور بیشک تو جانتا ہے کہ ازالہ مفسد سے بیع فاسد صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ فساد کے باوجود بیع قائم رہتی ہے جبکہ بطلان کے ساتھ بسبب صفتِ بطلان کے بیع قائم نہیں رہتی بلکہ معدوم ہو جاتی ہے، پس بطلان کی وجہ قدرتِ تسلیم کا نہ ہونا ہے جبکہ فساد کی وجہ سے مالیت وملک کا قیام ہے اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تسلیم مبیع پر قادر نہ ہونا بیع کو فاسد کرنے والا ہے نہ کہ باطل کرنے ولا۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبه اخذ الکرخی وجماعة من مشایخنا وهکذا ذکر القاضی الاسبیجابی فی شرحه [4]۔	اور اسی کو اخذ کیا ہے کرخی اور ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور قاضی اسبیجابی نے اپنی شرح میں یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز اسی سے بحوالہ غیاثیہ گزرا:

هو موقوف هو الصحیح [5] اھ وهو تصحیح	وہ موقوف ہے یہی صحیح ہے اھ اور وہ قول فساد

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١١٢

[2] الفتاوٰی الغیاثیه کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ١٤٣

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب بیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیعروت ٤/ ١١٣

[4] فتاوٰی ہندیة الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣ /١١٢

[5] فتاوٰی ہندیة الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣ /١١١

للقول بالفساد کما بیناعلی ھامشھا ولاغرو جمع الفساد والتوقف ففی ردالمحتار عن البحر ان بیع المکرہ فاسد موقوف [1] الخ وتمامہ فیہ وبہ یحصل الجمع بین قول الخانیۃ فی مسالتنا لایجوز بیعہ وقول غیرہ موقوف، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔	کی تصحیح ہے جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کیا اور فساد وتوقف کے جمع ہونے میں کوئی تعجب نہیں، پس ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد موقوف ہے الخ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے اور اسی سے ہمارے مسئلہ میں خانیہ کے قول کہ بیع ناجائز ہے اور اس کے غیر کے قول کہ بیع موقوف ہے کے درمیان تطبیق حاصل ہوگئی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم (ت)

مسئلہ ۳: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شے کو فروخت کیا اس شرط پر کہ نصف روپیہ خریداری مال لیا اور نصف روپیہ وقت جانے مال کے کہ جو پہلی مرتبہ جائے گا ہم اپنا آدمی بھیج کر منگالیں گے، زید نے آدمی نہ بھیجا، خریدار نے وہ نصف روپیہ اپنے طور پر اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا، اب چونکہ نرخ اس مال کا بموجب فروخت حال کے دوچند ہوگیا للذا زید کی اب یہ نیت ہے کہ یہ روپیہ جو نصف مال کی قیمت کا آیا ہے واپس کردے اور مال نہ دے، اور یہ بھی واضح ہو کہ جو مال زید سے لینا قرار پایا تھا وہ مال بھی نہ دیا اس سے کم قیمت کا دیا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، اور جب بیع صحیح شرع واقع ہولے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے رضامندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روا نہیں، نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہوچکا ٹوٹ سکتا ہے، زید پر لازم ہے کہ مال فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے، ہدایہ میں ہے:

اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع والاخیار لو احد منھما الامن عیب وعدم رویۃ [2]۔	جب ایجاب وقبول حاصل ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور بائع ومشتری میں سے کسی کو فسخ کا خیار حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ مبیع میں کوئی عیب ظاہر ہوجائے یا مشتری نے بوقت بیع اس کو دیکھا نہ ہو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵

مال ناقص جو خلاف قرار داد زید نے بھیجا مشتری اسے واپس پہنچا کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے جب کہ مشتری سے کوئی امر مانع واپسی نہ ہوا ہو مثلاً اسے دیکھنے کے بعد وہ قول یا فعل جو اسی مال پر راضی ہو جانے کی دلیل ہو، درمختار میں ہے:

(لہ)ای للمشتری(ان یردہ اذا راٰہ)الا اذا حملہ البائع لبیت المشتری فلا یردہ اذا راٰہ الا اذا اعادہ الی البائع اشباہ(ویثبت الخیار)للرؤیۃ(مطلقًا غیر موقت)بمدۃ ھو الاصح،عنایۃ،لاطلاق النص مالم یوجد مبطلہ و ھو مبطل خیار الشرط مطلقًا ومفید الرضا بعد الرؤیۃ لاقبلھا،درر[1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کو یعنی مشتری کو اختیار ہے کہ بیع کو رد کردے جب مبیع کو دیکھے مگر جب بائع مبیع کو مشتری کے گھر اٹھالایا ہو تو اب مشتری نے اسے دیکھنے پر رد نہ کیا ہو،ہاں اگر مشتری نے مبیع کو بائع کی طرف لوٹا دیا تو رد ہوجائے گا__(اشباہ)اور خیار رؤیت مطلقًا ثابت ہوتا ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا یہی زیادہ صحیح ہے(عنایہ)کیونکہ نص میں اطلاق ہے جب تک مبطل خیار رؤیت نہ پایا جائے اور اس کا مبطل وہی ہے جو خیار شرط کا مبطل ہے مطلقًا یعنی قولی ہو یا فعلی،اور وہ فعل یا قول بھی مبطل ہے جو مفید رضا ہو جبکہ وہ رؤیت کے بعد پایا جائے نہ کہ رؤیت سے پہلے،درر اھ(مختصرًا)واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴: مسئولہ عظیم الدین افسر مدرس مدرسہ مسعودیہ درگاہ شریف حضرت سید مسعود غازی صاحب سالار،بروز شنبہ،۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی اراضی کا بیع کامل کب ہوسکتا ہے جبکہ مشتری پورا زر ثمن ادا کردے اگر مشتری پورا نہ ادا کرے تو تا ادائے زر ثمن کے اس اراضی کا حاصلات مشتری کو حلال اور مباح ہے یا نہیں۔اس صورت میں کہ اس نے زر ثمن پورا ادا نہیں کیا بائع سے کچھ روپیہ زر سود کا مشتری نے زر ثمن مجرا لیا ہے کچھ روپیہ مشتری بائع کو زائد زر ثمن دینا ظاہر کرتا ہے حالانکہ بائع کہتا ہے کہ یہ روپیہ بوجہ اقراری مجھے دیا گیا ہے یا بطور خیرات،پس یہ روپیہ زر سود میں جو مشتری نے بائع سے لیا ہے وضع ہوسکتا ہے یا نہیں؟فقط۔

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے ہاں پہلے مشتری کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے، بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے لیکن اگر اس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے مبیع اس کے قبضہ میں دے دی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں ملک مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں مشتری نے بائع سے جو سود لیا وہ حرام قطعی ہے، اور بداقراری کے معاوضہ میں کچھ روپیہ جرمانہ لینا بائع کو حرام ہے لیکن بائع یہ روپیہ اس سود میں مجرا لے سکتا ہے جو مشتری نے اس سے لیا تھا جبکہ اس کی مقدار سے زائد نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵: از شہر گونڈہ انجمن اسلامیہ مرسلہ جناب مرزا محمود بیگ صاحب وکیل وسکریٹری انجمن اسلامیہ گونڈہ ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ

خدمت مبارک میں نقل دستاویزات مؤرخہ ۶ فروری **۱۹۰۸ء** و ۱۲ جنوری **۱۹۰۹ء** بھیج کر مستدعی ہوں کہ براہ مہربانی مطلع فرمائیے کہ آیا دستاویزات جائز ہے بموجب دستاویزات مذکور الصدر کے انجمن اسلامیہ گونڈہ نے مکانات سید مقبول احمد وسید منظور احمد بیع بالخیار لئے ہیں اور قبضہ انجمن کا اس طور پر ہے کہ علیحدہ سرخط کرایہ نامہ لکھا لیا ہے اور کرایہ مبلغ (عہ/عہ ماہ بماہ) انجمن وصول کرتی آئی ہے جو کرایہ وصول ہوتا ہے ہو مصارف انجمن پر خرچ ہوتا ہے، آیا یہ رقم کرایہ شرعاً جائز ہے اور انجمن اس کو جائز طور پر صرف کرسکتی ہے؟

الجواب:

دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطم محض ہیں، دو برس کے لئے بیع بالخیار شریعت مطہر میں کہیں نہیں، کرایہ کہ الٹا مالکان مکان سے غیر مالکوں نے لیا سب حیلہ باطلہ اور نرا سود ہے انجمن پر فرض ہے کہ جتنا کرایہ اس وقت تک وصول کیا ہو مالکوں کو واپس دے یا اپنے دئے ہوئے قرض میں مجرا کرکے اتنی رسید مالکوں کو دے دے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔	ہر قرض جو منفعت کو کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

یہ صورت حقیقۃً رہن کی ہے خود بائعوں نے دوسری دستاویز میں اُسے جائداد مستغرقہ کہا اور میعاد دوسال اسے مکفول لکھا بس حقیقت اس قدر ہے باقی بیع کا بے معنی نام محض حیلہ خام ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے، **قال اللّٰه تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ت)

نیز مالکوں کا اپنی ملک غیر مالکوں سے کرایہ پر لینا شدید باطل ہے تو اس ماہوار ا کی اصل حقیقت سود ہے اور بنام اجارہ باطلہ لینا اتنا بھی اثر نہ دے گا جو سود مردود کی ملک خبیث سے ہوتا بلکہ مالکوں کو تمام و کمال واپس دینا فرض ہے **لعدم الملك فکان غصبا فوجب الرد والضمان ھالکا** (ملک نہ ہونے کی وجہ سے لہٰذا وہ غصب ہوگا تو اس کا لوٹانا اور ہلاکت کی صورت میں ضمان واجب ہوگا۔ت) **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۲۶ تا ۱۶۳۳: از قصبہ رسیون محلّہ میرزادگان بمقام مسجد میرزادگان ضلع اناؤ مرسلہ قادر علی صاحب ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں:

(۱) بیع خیار کی تعریف کیا ہے؟

(۲) کیا شرائط اس میں ضروری ہیں اور انتہائے مدت اس کی کیا ہے؟

(۳) کیا بیع خیار میں شیئ مبیعہ پر فوراً قبضہ ہونا چاہئے؟

(۴) اگر شیئ مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۵) اگر شے پر قبضہ تو نہیں ہوا بلکہ روپیہ کا منافع جس حساب سے باہمی ٹھہرا تھا وہ ملا کیا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۶) اگر بعد میعاد گزر جانے کے یہی مشتری بیع خیار طے شدہ منافع اپنا لیتا رہا جائداد پر قبضہ نہیں کیا تو یہ منافع سود ہوا یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) کیا بائع اندر میعاد بیع خیار جائداد کو اسی شخص یا کسی غیر شخص سے بیع کرکے روپیہ واپس کرکے جائداد واپس لے سکتا ہے؟

(۸) کیا بعوض روپیہ واپس کرنے کے ایک جُزو اسی جائداد کا مشتری بیع خیار کو بیع قطع کرکے بقیہ اپنی جائداد واپس کرسکتا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳

(۹) کیا مشتری بیع خیار بخوشی خاطر ایک جزو جائداد کا بائع کو واپس کرکے بقیہ جائداد کو بیع قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں کوئی ملزم شرعی ہوگا؟

(۱۰) اگر بعد انقضائے میعاد متعینہ بیع خیار کوئی کاروائی فیما بین بائع و مشتری نہیں ہوئی بلکہ تین سال اور زائد تک وہی عملدرآمد یعنی وہی طے شدہ منافع اسی روپیہ کا لیتا رہا تو اس صورت میں یہ رقم وصول شدہ مشتری سود ہے اور مشتری سود خور ہوا یا نہیں اس کا استقرار تاریخ تحریر دستاویز سے ہوگا یا انقضائے میعاد کے بعد سے؟

(۱۱) اس قسم کی دستاویز مع خیار جس کا شیئ مبیعہ پر قبضہ نہیں ہوا صرف روپیہ کا منافع طے شدہ ملتا رہا، بعد ختم میعاد بھی کوئی کاروائی نہیں ہوئی تو اس شکل میں دستاویز بیع قطع لکھانا بہتر ہے یا بدستور وہی دستاویز بیع خیار قائم رکھنا؟

الجواب:

بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں، یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دین یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں، اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور کردے وہ فسخ ہوجائے گی اور اگر مدت مقرر کردہ گزر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی مگر سائل نے بیع بالوفاء کو بیع بالخیار کہا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دوسال یا کم بیش باہم ایک مدت طے کرلی کہ اس مدت میں زید زرثمن نہ دے گا تو بیع قطعی ہوجائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ چیز قبضہ مشتری میں دے دیتے ہیں مشتری اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے بذریعہ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح ومعتمد مذہب میں بیع وفاء بیع نہیں رہن ہے مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ ھو ربٰو[1]۔	جو بھی قرض نفع دے وہ سود ہے (ت)

اور پورے بیباک یہ کرتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتت ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا کہ رہن بے قبضہ باطل ہے۔

[1] کنز العمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ت) یہ نفع جو اس پر ٹھہرا کھلا سود اور نرا حرام و مردود ہے۔

بالجملہ یہ بیع کسی صورت میں نہیں ہے، مشتری کا قبضہ نہ ہوا، جب تو اسے جائداد سے کوئی تعلق ہی نہیں، جتنا روپیہ دے اسے جب چاہے واپس لے سکتا ہے میعاد گزری ہو یا نہیں کہ بوجہ عدم رہن سادہ قرض رہ گیا اور قرض کے لئے شرعا کوئی میعاد نہیں، اگر مقرر بھی کی ہے اس کی پابندی نہیں اس دئے ہوئے روپیہ سے ایک حبہ زائد اس کو حرام ہے، نہ میعاد گزرنے پر اس جائداد میں اس کا کوئی حق ہے، اور اگر مشتری کا قبضہ ہوگیا ہے تو وہ رہن ہے مشتری کو اس سے نفع لینا حرام ہے، اور بائع ہر وقت روپیہ دے کر جائداد واپس لے سکتا ہے اگرچہ میعاد گزر گئی ہو، اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ اسی جائداد کا کوئی حصہ باہمی رضامندی سے مشتری کے ہاتھ بیع قطعی بعوض دین کردے اور باقی جائداد واپس لے لے، رہا بائع یا مشتری کا دوسرا کے ہاتھ جائداد کا کل یا بعض بیچنا، اگر قبضہ مشتری نہیں ہوا ہے جب تو بائع کو اس کا اختیار کامل ہے کہ وہ اس کی ملک خالص ہے، اور مشتری کو اصلا اختیار نہیں کہ اسے جائداد سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر قبضہ مشتری ہوگیا ہے تو اگر بائع بیچے تو یہ بیع مشتری کی اجازت پر موقوف رہے گی **کما ھو حکم بیع المرھون** (جیسا کہ مرہون کی بیع کا حکم ہے۔ت)

سوال اخیر کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نہ بیع ہے نہ رہن ہے قائم کس چیز کو رکھا جائے اور بیع قطعی کرنا نہ کرنا بائع کو اختیار ہے مشتری کو اپنے روپیہ کے سوا کوئی دعوی اس پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ سبزی منڈی بازار مرسلہ ولایت حسین صاحب مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

زید بکر کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ایک صاحب کو کپڑا کی ضرورت ہے اور اس کو کچھ کپڑا سلوانا بھی ہے، بکر سلائی کا کام بھی کرتا ہے، بکر نے تین دکانات پر سے مختلف قسم کے پارچہ مالکان مال سے ان کی قیمت طے کرکے زید کے ساتھ صاحب کے یہاں چلا گیا، زید نے یہ کہا کہ میں ان صاحب کو کپڑا دکھانے جاتا ہوں اور وہ کپڑے کو لے کر چلا گیا، بکر نہ وہ شخص ملا نہ کپڑا ملا، اب مالکان مال کو شرعا بکر سے اس پارچہ کی قیمت لینے کا حق ہے یا نہیں؟ **فقط**

---

[1] القرآن الکریم ۲ / ۲۸۳

الجواب:

بیچنے والے اپنے کپڑوں کا تاوان بکر سے لے سکتے ہیں،

لان المقبوض علی سوم الشراء مضمون، واللہ تعالٰی اعلم	جس چیز پر بھاؤ طے کرنے کے لئے قبضہ کیا جائے وہ قابل ضمان ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں کسی وارث کو بیعنامہ اپنی جائداد کا مثل باغ یا اراضی وتالاب وغیرہا کے لکھ دیا اس کی موت کے بعد دوسرا وارث اگر فسخ بیع چاہے تو اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور بائع کو بوجہ خیار عیب یا رؤیت اختیار فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع اگر مرض موت میں نہیں تو بعد لزوم وتکمیل بائع اور اس کے ورثاء کو کسی طرح اختیار فسخ نہیں اور خیار رؤیت خاص مشتری کے لئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے فسخ بیع کرسکے، پس خیار رؤیت مطلقاً اور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کے لئے خاص ہیں بائع کو ہرگز حاصل نہیں،

فی الدر المختار واذا وجدا لزم البیع بلا خیار الا لعیب اورؤیة [1]، فی الھدایة ومن باع مالم یرہ فلا خیار لہ و کان ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اولا لہ الخیار اعتبارا بخیار العیب وخیار الشرط [2]، فی العنایة اعتبارا بخیار العیب فانہ لایختص بجانب المشتری بل اذا وجد البائع الثمن زیفا	درمختار ہے جب ایجاب وقبول دونوں پائے گئے تو بیع بلاخیار لازم ہوگئی سوائے خیار عیب اور رؤیت کے، ہدایہ میں ہے جس نے ایسی چیز کو بیچا جسے اس نے دیکھا نہیں تو اسے خیار رؤیت نہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اسے خیار رؤیت ہے اور وہ اس کو خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس کرتے تھے، عنایہ میں ہے کہ خیار عیب پر قیاس کرنا

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] الہدایہ کتاب البیوع باب خیار الرؤیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۱۔۴۰

فھو بالخیار ان شاء جوز وان شاء ردہ کالمشتری اذا وجد المبیع معیبا لکن العقد لاینفسخ برد الثمن وینفسخ برد المبیع لانہ اصل دون الثمن[1] والعلم عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم۔	اس لئے درست ہے کہ وہ فقط مشتری کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اگر بائع ثمنوں کو کھوٹا پایا تو اسے اختیار ہے چاہے تو جائز قرار دے دے اور چاہے تو رد کردے جیسا کہ مبیع کو معیوب پاکر مشتری کو اختیار ہوتا ہے لیکن ثمن کر رد کرنے سے عقد فسخ نہیں ہوتا اور مبیع کو رد کرنے سے عقد فسخ ہوجاتا ہے کیونکہ مبیع اصل ہے نہ کہ ثمن، اور علم درحقیقت علم عطا فرمانے والے کے پاس ہے جو ہر چھپے راز کو جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاہدہ مابین زید وعمر کے قرار پایا اور زید نے عمرو کو عہ/ بیس روپے بطور بیعانہ کے دئے اب زید اپنی بدنیتی سے بلاقصور عمر کے معاہدہ مذکورہ سے منحرف ہوگیا تو اس صورت میں زید واپسی زر مذکور کا مستحق ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک واپس پائے گا، بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ (ت)

ہاں اگر عقد بیع باہم تمام ہولیا تھا یعنی طرفین سے ایجاب وقبول واقع ہولیا اور کوئی موجب تنہا مشتری کے فسخ بیع کردینے کا نہ رہا، اب بلاوجہ شرعی زید مشتری عقد سے پھرتا ہے تو بیشک عمرو کو روا ہے کہ اس کا پھرنا نہ مانے اور بیع تمام شدہ کو تمام ولازم جانے، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مبیع ملک زید اور ثمن حق عمرو، درمختار کے باب الاقالہ میں ہے:

من شرائطھا رضا المتعاقدین[3]۔	اقالہ کی شرطوں میں سے بائع ومشتری کا باہم رضامند ہونا ہے۔ (ت)

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[3] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳

یہ کبھی نہ ہوگا کہ بیع کو فسخ ہو جامان کر مبیع زید کو نہ دے اور اس کے روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرے، **ھل ھذا الا ظلم صریح** (کیا یہ ظلم صریح نہیں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت زینب کو بمواجہ چند عورات مستورات اور چند مردمان کرکے کچھ روپیہ اس وعدہ پر دیا کہ ہم فلاں مکان یا زمین اسی عورت زینب کا اس قدر تعداد روپیہ لیں گے اور بقدر عہ / بیس روپیہ مثل بیعانہ دئے ہیں اور اس عورت زینب نے اس روپیہ کو لے کر صرف مایحتاج کرلیا اور سب گواہان کے سامنے اقرار کردیا بعد اقرار کے کچھ دنوں بعد زینب فوت ہوگئی لہٰذا شرعاً بیع ہوئی یا نہیں؟ اور از روئے شرع شریف کے زید اپنا قبضہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

"لیں گے" صرف وعدہ ہے اور وعدہ کوئی عقد نہیں، نہ وفائے وعدہ پر خود وعدہ کرنے والے کو جبر کیا جاسکتا ہے **کما نص علیه فی الھندیة**[1] **والخیریة وغیرہما من الکتب الفقھیة** (جیسا کہ ہندیہ اور خیریہ وغیرہ کتب فقہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) تو اس کی موت کے بعد وارثوں پر کیا جبر ممکن ہے پس زید کو قبضہ کرنے کا اصلا اختیار نہیں وہ صرف ان روپوں کا مستحق رہا جو اس نے پیشگی دئے تھے ترکہ زینب سے قبل تقسیم ورثہ وصول کئے جائیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق حقوق ۲ بسوانسی کچھ کچوانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ (ماسہ مہ ۱۵۸) روپیہ کو اور بیع نامہ لکھ کر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچازاد بھائی کو (سامہ لعہ ۳۹۵) روپیہ کا بیعنامہ لکھ کر رجسٹری کرادی، اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیعنامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کے ڈر سے اور یہ حقیقت اصل میں وہی (ماصہ مہ ۱۵۸) کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ بستے ہیں، تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پاسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

بیع عقد لازم ہے بعد تمامی ہرگز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کردے جب

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع فی اجارۃ المستاجر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

وہ بدست بکر بیچ چکا بیعنامہ لکھ دیا اس پر اپنے دستخط کردئے، تو تمامی عقد میں اصلا کوئی شبہ نہ رہا۔ رجسٹری نہ شرعاضرور یہ نہ اسے تکمیل عقد میں اصلاکچھ دخل، بلکہ شرعاتو صرف ایجاب وقبول کانام بیع ہے اگرچہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے تونہی تنہا بیعنامہ بطریق معروف ومعہود لکھ کر دستخط کرنا مشتری کا اسے قبول کرلینا بھی عقد تام وکافی ہے، اگرچہ زبانی الفاظ مقررہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا، میں نے بیچا۔ت) کاذکر نہ آیا ہو۔ اشباہ میں ہے:

الکتابۃ یصح البیع بہا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریر سے بیع صحیح ہوجاتی ہے، ہدایہ میں ہے فرمایا تحریر کلام کی مثل ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

المعنی ھوالمعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہوتی ہے۔(ت)

غرض حقیقت مذکورہ ملک زید سے خارج ہوکر ملک بکر میں داخل ہوگئی، زید بکر سے صرف (ماسہ مہ ۱۵۸) کا مطالبہ کرسکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی، بے اجازت بکر مردود ہے، بکر کو اپنی ملک میں دعوی شفعہ کی کوئی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں، اب زید اپنا حق حقوق ایک زوجہ کے نام بیع کرتا ہے، توزید کو اپنی حیات میں بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ بیع زید سے قبل مرض موت کے بحالت صحت نفس وثبات عقل واقع ہوئی تو قطعاً نافذ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ اور ایک بھتیجا وارث اور تین بسوہ جائداد متروکہ چھوڑ کر انتقال کیا زوجہ نے وہ کل حقیت اپنی طرف سے بدست خالد فروخت کی مگر وہ بیعنامہ سب ورثاء کی اطلاع سے لکھا گیا اور وہ سب بالغ ہیں اور سب نے اپنی گواہیاں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۹۶

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۵۔۲۴

اس بیعنامہ پر لکھیں اور یہ کہہ دا کہ یہ بیع صحیح ہے اس میں کچھ دعوی مبیع نہیں ہے کل زر ثمن مشتری نے ادا کر دیا اور سب ورثاء نے باہم تقسیم کرلیا، اب بعد نو دس برس کے ہمشیرہ زید مدعیہ ہے کہ یہ بیع میں نے نہیں کی فقط زوجہ زید نے بطور مالکانہ کل حقیت بیع کی حالانکہ وہ کل کی مستحق نہیں، اس صورت میں وہ بیع شرعاً صحیح و نافذ، اور دعوی مدعیہ ناحق و باطل قرار پائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع صحیح و نافذ ہے اور دعوی مدعیہ محض ناحق و باطل کہ اگرچہ زوجہ زید کل حقیت کی مالک نہ تھی اور اس نے ساری جائداد اپنی طرف سے بیع کی مگر یہ جبکہ یہ امر باطلاع ورثاء دیگر واقع ہوا اور انھوں نے پسند رکھا اور انکار نہ کیا یہاں تک کہ زر ثمن سے حصہ لیا اور وہ سب بالغ تھے تو اب وہ بیع ایسے ہی قرار پائے گی کہ گویا ان سب نے خود اپنا اپنا حصہ بیع کیا اور ثمن لیا اب کسی طرح سے انھیں محل دعوی واعتراض باقی نہیں

فی تنویر الابصار والدرالمختار اخذ المالک الثمن اوطلبه من المشتری اجازة [1] اھ ملخصا واما ماوقع فی البحر ثم الدرر من البطلان ان باع الفضولی لنفسه موہم مخالف للفروع المذہبیة ومضاد للظاہر الروایة کما حققه المولی خیر الملة والدین الرملی ثم العلامة الشامی اٰفندی فلیتنبه، واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ مالک کا مشتری سے ثمن وصول کرلینا یا اس سے ثمن مانگنا اجازت بیع ہے اھ ملخصا، اور وہ جو بحر پھر درر میں آیا ہے کہ بیع باطل ہے اگر فضولی نے اپنے لئے بیع کی وہ وہم ہے اور فروع مذہبیہ کے مخالف اور ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت مولانا خیر الدین رملی پھر علامہ شامی آفندی نے تحقیق فرمائی، پس اس سے باخبر ہونا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب غلہ بازار میں نقدوں ۱۶ سیر کا ہو تو قرضوں ۱۵ یا ۱۲ سیر کا بیچنا جائز ہے یا حرام یا مکروہ؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ فعل اگرچہ نرخ بازار سے کیسا ہی تفاوت ہو حرام یا ناجائز نہیں کہ وہ مشتری پر جبر نہیں کرتا

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے، مشتری کو غرض ہو لے، نہ ہو نہ لے۔

فی ردالمحتار لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ خضروی وکریم اللہ ومحمد بشارت وشاہ محمد چار بھائیوں نے ایک جائداد بشمول ہمد گر پیدا کی اور تادم مرگ خورد نوش ان کا یکجا رہا، بعدہ خضری نے دو دختر فجو اور اجو اور ایک پسر محمد بخش جس کی وارث اس کی زوجہ امرین ہے، اور دوسری فجو جس کے ورثاء اس کے زوج کلو اور علی بخش وحسین بخش وسلیمن اولاد ہیں، اور شاہ محمد نے زوجہ نورن وابن محمد علی وبنت بلاقن اور کریم اللہ نے زوجہ منگو اور ابن یاد علی اور امیرن منیرن، بگا، بنات اور محمد بشارت نے زوجہ چھوڑی، اور محب اللہ وکلن پسران اور عمدہ دختر اپنے اپنے ورثاء چھوڑ کر وفات پائی، بعد ان کے انتقال کے ان سب وارثوں نے وہ جائداد مشترکی غیر منقسمہ ایک عقد میں ایک شخص کے ہاتھ بعوض آٹھ سو روپیہ کے بیع کی اور اسے قابض ومتصرف کرادیا مگر کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمان وقت بیع نابالغ تھے کہ ان کی ماں کلو نے ولایۃ ان کی جانب سے بھی بیع کی اور یاد علی کی بی بی نے بے اجازت واطلاع یاد علی باختیار خود حصہ اس کا مالکانہ بیچ ڈالا، اب یہ پانچوں وارث دعوی کرتے ہیں اور نقض بیع چاہتے ہیں پس اس صورت میں بیع مذکور صحیح ونافذ اور حصہ ان ورثاء کا انھیں واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر یاد علی سے بعد از علم بالبیع کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا کہ دال اجازت وتسلیم بیع پر تھا تو وہ بیع صحیح ونافذ ہوگئی، اور دعوی اس کا ہرگز نہ سنا جائے گا، اور جو قولا وفعلا کوئی امر ایسا نہ ہوا کہ اجازت پر دلالت کرے اگرچہ بعد خبر پہنچنے بیع کے چپ رہا، اور کچھ نہ کہا تو اس صورت میں دعوی اس کا مسموع اور بیع بقدر اس کے حصہ کے ناجائز مشتری حصہ اس کا واپس کرے اور مابقے بقدر اس ثمن کے کہ مقابل اس کے ہے مقبول رکھے خواہ اسے بھی بالعین رد کردے اور اپنا کل ثمن پھیر لے اور اگر جائداد اولاد صغار بیع کردی گئی تو یہ بیع ہرگز صحیح نہ ہوگی اور مشتری اس کا

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی بیع العینۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا مشتری اس جائداد میں سے کلن وعلی حسین وحسین بخش وسلیمن کو بقدر ان کے حصص کے واپس کردے اور مابقے کی نسبت مختار ہے چاہے سب بیع ترک کردے اور کل ثمن واپس لے لے یا بیع نسبت مابقے کے قائم رکھے اور اس قدر حصہ ثمن کا کہ مقابل جائداد ردشدہ کے تھا پھیر لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

الجواب الثانی بالتفصیل: مال اولاد نابالغ میں ماں کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں سوااس کے کہ حفظ ونگہبانی کرے یا ضروری چیزیں انھیں خرید دے۔

فی الاشباہ والنظائر لاولایۃ للام فی مال الصغیر الا الحفظ وشراء مالا بدمنہ للصغیر [1] اھ وفی فتاوی قاضیخاں من کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس للرجل ان یختن ولدہ الصغیر ویقبض لہ الھبہ ویشتری ویبیع ولایجوز ذٰلک لوصی العم الا انہ یقبض لہ الھبۃ وکذا الام [2] اھ ملخصاً۔	الاشباہ والنظائر میں ہے کہ نابالغ اولاد کے مال میں ماں کو سوائے حفاظت واشیاء ضروریہ کی خریداری کے کوئی ولایت حاصل نہیں اھ، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس، میں مذکور ہے کہ مرد کو اپنے نابالغ بیٹے کے ختنے کرنے، اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنے اور اس کے لئے خرید وفروخت کا اختیار ہے اور چچا کے وصی کے لئے یہ جائز نہیں سوائے اس کہ اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرسکتا ہے اور یہی حکم ماں کا بھی ہے اھ (ت)

پس کلو نے کہ جائداد اور کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمن نابالغوں کی ان کی جانب سے بیچ ڈالی، بیع فضولی قرار پائے گی، اور اس سبب سے کہ حالت عقد کوئی مجیز یعنی قابل اجازت نہ تھا محض ناجائز وباطل ہوگی کہ اگر نابالغان مذکورین بعد ازبلوغ اجازت دیتے تاہم صحیح نہ ہوتی کہ باطل کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی تصحیح غیر متصور۔

فی الدر المختار من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ ولہ مجیز ای لھذا التصرف من یقدر علی	درمختار میں فضولی میں ہے کہ جو تصرف فضولی سے صادر ہوا اور درانحالیکہ اس تصرف کے وقوع کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس تصرف

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام المحارم ادارۃ القرآن والعوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۸۸

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیمایکرہ من النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۳

اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجیز له حالة العقد لاینعقد اصلا[1] اھ ملخصا، وفیه وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فلو صغیرا او مجنونا لم ینعقد اصلا کما فی الزواھر معزیا للحاوی[2] اھ۔	کی اجازت دے سکتا ہو تو اکا انعقاد اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور اگر بوقت تصرف فضولی کوئی ایسا اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا اھ ملخصا۔ اسی میں ہے کہ مال غیر کی بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے زواہر میں ہے اھ (ت)

پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد مبیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جائداد کہ متروکہ کہ شیخ خضری تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستتر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں کو واپس کردے اور (سہ ۴/۳ پے) زرثمن ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کرلے اسی طرح حرمت زوجہ یاد علی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے بطریق مالکانہ بیچ ڈالا حسب حکم بدائع وبحر الرائق واشباہ وظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل وغیر صالح اجازت ہے۔

فی الدر المختار بیعه لنفسه باطل کما فی البحر والاشباہ عن البدائع وعبارة الاشباہ بیع الفضولی موقوف الا اذا باع لنفسه فباطل بدائع[3] اھ مع التلخیص بالتغیر وفیه ایضا وقف بیع مال الغیر ان باعه علی انه لما بلکه اما لوباعه علی انه لنفسه فالبیع باطل اھ[4] ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ فضولی کی اپنی ذات کے لئے بیع باطل ہے جیسا کہ بحوالہ بدائع، بحر اور اشباہ میں ہے اشباہ کی عبارت یوں ہے کہ فضولی کی بیع موقوف ہوتی ہے مگر جب وہ اپنی ذات کے لئے بیع کرے تو باطل ہوگی (بدائع اھ مع تلخیص و تغییر) اسی میں ہے کہ غیر کے مال کی بیع موقوف ہوتی ہے جبکہ یہ سمجھ کر بیچے کہ وہ مالک کے لئے ہے اور اگر اپنے لئے تو بیع باطل ہے اھ تلخیص۔ (ت)

مگر مولٰنا محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت فروع مذہب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

مستحق کو اختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی۔

فی الدر المختار لکن ضعف المصنف الاولٰی (ای بطلان بیعه اذا باعه لنفسه) لمخالفتها لفروع المذہب لتصریحهم بان بیع الغاصب موقوف، وبان المبیع اذا استحق فللمستحق اجازته علی الظاهر مع ان البائع باع لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق مع انه توقف علی الاجازة [1] اھ، فی غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر للعلامة الحموی تحت قوله بیع الفضولی موقوف الا فی ثلث فباطل اذا شرط الخیار فیه المالك وهی فی التلقیح وفیما اذا باع لنفسه وهی فی البدائع اھ قوله وفیما اذا باع لنفسه یعنی لایتوقف علی اجازة المالك لانه لم ینعقد اصلا قال بعض الفضلاء ویشکل علیه ماقالوا من ان المبیع اذا استحق لاینفسخ العقد فی ظاہر الروایة بقضاء القاضی بالاستحقاق وللمستحق اجازته اھ، ووجه اشکاله ان البائع باعه لنفسه لاللمالك الذی هو المستحق اھ [2]۔	درمختار میں ہے مگر مصنف نے صورت اولٰی (یعنی فضولی کی اپنے لئے بیع باطل ہے) کو فروع مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا، کیونکہ ائمہ نے تصریح کی کہ غاصب کی بیع موقوف ہے اور یہ کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو ظاہر الروایت پر مستحق کو اجازت کا اختیار حاصل ہے باوجودیکہ بائع نے اپنے لئے بیع کی نہ کہ اس مالک کے لئے جو کہ مستحق ہے اس کے باوجود اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی اھ، غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر تصنیف علامہ حموی میں ماتن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے، جب مالک کے لئے اس میں شرط خیار رکھے اور یہ تلقیح میں ہے، اور ج ب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے اھ" کے تحت مذکور ہے، ماتن کا قول کہ جب فضولی اپنے لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی، بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ کے اس قول اشکال وارد ہوتا ہے کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو قاضی کے استحقاق کا فیصلہ کردینے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک مستحق کو اسکی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کے لئے بیچا ہے

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] غمز العیون البصائر الفن الثالث کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۹

نہ کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے اھ (ت)

پس اگر قبل اس دعوی کے یاد علی سے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعا اجازت بیع قرار پائے مثلازر ثمن مشتری سے مانگا ہو یا اس کو ہبہ کر دیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا، **علی مذہب محمد وھو الاستحسان عالمگیری**[1] **وھو المختار فتح القدیر** (مذہب محمد پر اور یہی استحسان ہے، عالمگیری، اور یہی مختار ہے، فتح القدیر۔ت) تو اب یہ دعوی اس کا نہ سنا جائے گا اور اس کے حصہ میں بیع، نافذ ہوچکی اس کے سہم کا زر ثمن کہ (معہ) روپے ہیں اس کی زوجہ کے پاس امانت رہا بشرطیکہ بلاقصور اس کے پاس سے تلف نہ ہوگیا ہو اس سے وصول کرلے اور اگر زوجہ نے حفظ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف میں لائی اور کسی طرح تلف ہوگیا تو اس سے بھ نہیں لے سکتا کہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلا تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔

فی الدر المختار ای بیع الفضولی قبول الاجازۃ من المالك اذا کان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا الثمن لوکان عرضا وغیر العرض ملك للمجیز امانۃ فی ید الفضولی ملتقی، وان اخذ المالك الثمن اوطلبه من المشتری یکون اجازۃ، عمادیۃ، وقوله اسأت نهر بئس ماصنعت اواحسنت اواصبت علی المختار، فتح، وھبۃ الثمن من المشتری والتصدیق علیه به اجازۃ[2] اھ ملخصا۔	در مختار میں اور فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور مبیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورت سامان ہوں اور ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تو نے بُرا کیا، نہر، یا جو تو نے کیا برا ہے یا تو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدیر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کر دینا یا اس پر صدقہ کر دینا اجازت ہے اھ تلخیص (ت)

اور اگر قبل از دعوی کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہوا بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سن کر چپ رہا اور کچھ نہ کہا تو دعوی اس کا مسموع اور اسے اختیار استرداد حاصل کہ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعا اجازت نہیں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر فی احکام البیع الموقوف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

فی الفتاوی الھندیۃ بلغ المالك ان فضولیا باع مبلکہ فسکت لایکون اجازۃ [1] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں مالک کو خبر پہنچی کہ فضولی نے تیری مملوک چیز فروخت کردی اور وہ خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی اھ (ت)

اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ مثل حصہ نابالغان یاد علی کا حصہ بھی یعنی چہارم جائداد کے چالیس سہام سے چودہ سہم یاد علی کو واپس کردے اور ثمن اس حصہ کا کہ (معہ) روپے ہے اس کی زوجہ سے وصول کرلے، رہا یہ کہ درصورت اولٰی بعد واپسی صرف نابالغان ودرصورت ثانیہ پس از ردبہر دو سہم یاد علی ونابالغان جو باقی بچے اس کا کیا حکم ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ مبیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت یاد علی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ عوض باقی زر ثمن کے کہ پہلی تقدیر پر (لعہ عہ /۱۲) ہے اور دوسری تقدیر پر (لعہ للعہ /۱۲) ہے اپنے پاس رکھے یا کل مبیع سب بالغوں کو واپس کردے اور اپنے پورے آٹھ سو ان سے وصول کرلے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں زید اور خالد اور زید کا بیٹا عمرو، عمرو پر کچہری انگریزی سے ایک معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سو روپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچہری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے بتفریق اس طرح نیلام ہوئے کہ ۲۷ رمضان ۱۳۰۱ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر یک صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۸۴ء و ۱۷ اگھن (مگھر) ۹۲ فصلی کو ایک بسوہ پرھ ۴ جمادی الاولی ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء و ۲۱ پھاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے، بعدہ، ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء و ۲۴ بیساکھ ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد یعنی پانچوں بسوئے بنام خالد شریک سوم بیع کردئے، خالد نے باحتیاط بحکم شرع اصل مالک یعنی عمرو سے اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ پھاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں مضمون لکھ دی کہ یہ پانچوں بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال بخوشی جائز رکھا اور زر ثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے کہ ابتدائے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

ربیع ۱۲۹۲ تک جس قدر توفیر ان پانچوں بسوں کے ہوئی اس کی نسبت صریحا لکھ دیا کہ وہ توفیران پانچوں بسووں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خادم گندم گندم دے ہبہ کئے خالد اس توفیر کو قبض ووصول کرے اور میں نے گندم مذکور کو خالد سے وصول پالی، اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس ہبہ سے رجوع کااختیار باقی رہا، اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورت مذکورہ میں اس تمام توفیر کا استحقاق خالد خریدار کو ہے یا زید پدر عمرو کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پدر عمرو کسی طرح توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسوہ کی بابت سال تمام ۱۲۹۲ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اسی کو ملنا چاہئے۔

والفقه فی ذٰلك ان بیع من یزید الصادر من حکام الزمان لیس بیع المالك وهو ظاهر ولا باذنه فانهم لایسألونه ولایسترضونه بل ربما باعوا مایساوی الفا بمائة او اقل ولا باذن الشرع المطهر کما لایخفی علی من له ادنی مسکة فلا یسوغ تفریعه علی قول الصاحبین فی بیع القضاة مال المدیون کرها علیه ان ابی ولابیع المکره حتی یجعل فاسدا لان المالك لایتولی الایجاب بل ربما لایشهد العقد وانما هم یبیعون بانفسهم جبرا علیه فاذن لیس الا کبیع الغاصب ینعقد موقوفا علی اجازة المالک	اس میں فقہ یہ ہے کہ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اور نہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیتی چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کر دیتے ہیں، اور نہ ہی یہ بیع شرعا مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنٰی سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور یہ بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبرا اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قول صاحبین پر متفرع کرکے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں ملک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقت عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کر دیتے ہیں لہٰذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کاانعقاد مالک کی اجازت پر

فان اجاز جاز والابطل فی الدر المختار وقف بیع الغاصب علی اجازۃ المالك اھ [1] واذا کان الامر کذٰلك فلم یثبت الملك فی المبیع لھندۃ المشتریۃ من احکام فبیعھا من خالد ایضا بیع الفضولی لعدم الملك واذن المالك فیتوقف ایضا علی اجازتہ.فی رد المحتار بیع المشتری من الغاصب موقوف [2] اھ فایما عقد منھما صادفتہ الاجازۃ نفذ بخصوصۃ.فی الحاشیۃ الشامیۃ عن جامع الفصولین عن المبسوط لوباعہ المشتری من غاصب ثم وثم حتی تداولتہ الایدی فاجاز مالکہ عقدا من العقود جاز ذٰلك العقد خاصۃ لتوقف کلھا علی الاجازۃ فاذا اجاز عقدا منھا جاز ذٰلك عقدا منھا جاز ذٰلك خاصۃ [3] اھ وھٰھنا قد لحقت الاجازۃ العقد الاٰخر فنفذ وثبت	موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ ورنہ باطل ہوجائیگی،درمختار میں ہے کہ غاصب کی بیع اجازت مالک پر موقوف ہوتی اھ اور جب صورت حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے والی ہندہ کی مبیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوئی،چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اذن مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ بھی اجازت مالک پر موقوف ہوگا،ردالمحتار میں ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف ہوتی ہے اھ،تو ان دونوں عقدوں میں سے جس کو اجازت لاحق ہوگئی وہ بطور خاص نافذ ہوگیا۔حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط،جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کردیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا،اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ ہوگیا اھ،اور یہاں(صورت مسئولہ میں)اجازت آخری عقد کو لاحق ہوئی وہ نافذ ہوگیا،چنانچہ

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

الملك لخالد فی المبیع و نمائه وغلاله منذ شری من الھندة.فی تنویر الابصار وشرحه کل مایحدث من البیع کالکسب والولد والعقر ولوقبل الاجازة یکون للمشتری لان الملك تم له من وقت الشراء بخلاف الغاصب [1] اھ واماما تحصل من المزارع قبل شراء خالد فلا حق لخالد فیه و لالھندة بل لعمر وخاصة لانه بدل منافع مبلکه المعد للاستغلال وھبة الدین ممن لیس علیه باطلة الا ان یسلط علی القبض، فی شرح العلائی اما تملیك الدین نم غیر من علیه الدین فان امرہ بقبضه صحت لرجوعھا الی ھبة العین [2] اھ وفی مسألتنا ھذہ قد وقع التسلیط کما ذکر فی السوال فصحت الھبة وصح التعویض.فی شرح التنویر عن الجواہر.لایصح الابراء عن الرجوع ولوصالحه	مبیع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگئی جس دن اس نے ہندہ سے خریدا،تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے کہ جو کچھ مبیع سے حاصل ہو جیسے کمائی،اولاد اور عقر،تو وہ مشتری کا ہے اگرچہ اجازت سے قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو ملک تام حاصل ہوگئی،بخلاف غاصب کے اھ،اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ خاص عمرو کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے قبل ہے،اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا اختیار دے دے شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو دین کامالک بنایا جس پر دین نہیں، اب اگر صاحب دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ یہ (ہبہ دین) ہبہ عین کی طرف راجع ہوگا اھ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دے دیا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا ہبہ صحیح ہوگیا اور عوض دینا بھی درست ہوگیا شرح تنویر میں بحوالہ جواہر منقول ہے کہ کسی کو حق شرع رجوع سے بری کردینا صحیح نہیں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] درمختار کتاب الھبة کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

من حق الرجوع علی شیئ صح وکان عوضا عن الھبۃ اھـ[1]	اور اگر حق رجوع کے عوض کسی شیئ پر صلح کرلی تو صحیح ہے اور یہ ہبہ کا عوض ہوجائے گا اھ (ت)

بالجملہ: جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے جو توفیر روز نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمرو کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہوگئی اب پانچوں بسوں کی توفیر سال ۱۲۹۲ فصلی میں سوا خالد کے کسی کا حق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

(مہر مولوی عبدالقادر صاح بدایونی) (مہر مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی)

مسئلہ ۲۷: از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ وجائداد منقولہ وغیرہ منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خرید نا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اشیاء روبرو ہے **فقط۔**

الجواب:

جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقًا جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلا سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دئے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگر چہ ابتداءً ناجائز تھا **فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ**[2] (کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی مثل ہے۔ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازت مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا رد کردے باطل ہوجائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا،

فان العقد الموقوف لایفید الحل، کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ۔	کیونکہ بیع موقوف مفید حل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ یمس اس پر نص کی گئی ہے۔(ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعا اس کی اجازت کا اختیار ہے نہ دوسرے سے باطل ہوگا مثلا نابالغ کا مال نصف قیمت کا نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجات دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداء باطل ومردود ہوگا،

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۔۱۳۹

فان تصرف الفضولی حیث لامجیز باطل اصلا[1] کما نص علیہ فی الدر وغیرہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سرے سے باطل ہے جیسا کہ اس پر درو غیرہ میں نص کی گئی ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۱۱ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اس کا سود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد حاکم ہندہ جو فی الحال ہے نیلام بغرض ادائے دین وسود کرے تواس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یانہیں؟ جائز ہے توبقدر زراصل کے ہے یا بالکلیہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مشتری جب عقد صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کا کہ وہ اس زر ثمن کو اطاعت میں خرچ کرے گا یا معصیت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں،

"لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج"[2]	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں آٹھائے گا۔ (ت)

زر ثمن کا **معاذاللہ** سود مس دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا تو مشتری سے کیا تعلق اوراس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دے گا، اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں، بہرحال مشتری اس الزام سے بیر ہے **لتخلل فعل فاعل مختار** (کہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل ہے۔ت) ہاں اگر کوئی صورت خاصہ ایسی ہو کہ بائع سود وغیرہ مصارف حرام میں صرف کرنے کے لئے بیچتاہے اور مشتری شراء سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فساد نیت کے باعث خود اپنے وپر الزام شرعی لے گا شمول ربا کا جواب تو یہ ہے کہ مگر یہاں محل نظریہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعا جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمھارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مالک کرے یا باذن مالک ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وہ بیع فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کرنیوالا نہیں مثلا نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا کہ اسے تمام جہاں میں کوئی نافذ نہیں کرسکتا جب تو وہ بیع سرے سے باطل وبے اثر ہے اور خریدار حرام اور اگر نافذ کرنے والا ہے مثلا بالغ کا مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو وہ عقد اس کی اجزت پر موقوف رہے گا، اگر رد کردیا باطل ہوگیا، اور اگر جائز کردیا نافذ ہوگیا، اور اجازت کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ زر ثمن قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلا پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو دس روپے کو نیلام ہوا پانسو دائن کو گئے دس مالک کو دئے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کردینا ہوگا لان قبوله تنفيذ كما نصوا عليه (کیونکہ مالک کا قبول کرنا اس کی طرف سے نافذ کرنا متصور ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنے زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالت صحت مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں دونوں چیزون کا ذکر لکھ کر داخل خارج کرادیا، بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہوگیا، زوجہ زید نے مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا، اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا چاہتا ہے کہ زید نے اسے لکھ دیا تھا اگر میں ادانہ کروں میری جائداد سے وصول کرلے، آیا یہ اقرار شرعا روا اور وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ اسامی کا بھی ذکر ہے شرعا صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب عقد ہندہ مملوک عمرو ہوگیا یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیشک وہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوک عمرو ہوگیا، اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ کوئی قرضخواہ زید اس سے اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے، محل تامل وامر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقدہ واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں، کلیہ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا مگر وقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید وزوجہ زید واقع ہوا عام ازیں کہ صلح عن المہر ٹھہرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہبہ ہو تو بالعوض خواہ بشرط العوض اور یہ اختلاف سہ اختلاف عاقدین سے ناشئی ہوگا، بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملیک پھر ہندہ کی صحت بیع میں ہر گز مخل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ توابتداء ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری، اگرچہ انتہاء بدستیاری معاوضہ جانب بیع منقلب ہو جائے اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک وغیر صالح یکجا کی جائیں تواس کا فساد اسی پر مقتصر رہتااور اس قدر میں ہبہ قطعاً صحیح ہو جاتا ہے،

فی الاشباہ والنظائر من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام قال ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز [1] اھ۔	الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال وحرام مجتمع ہوں تو حرام غالب ہوگا فرمایا کہ اسی میں سے ہبہ بھی ہے اور وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا للذا جائز کی طرف متعدی نہیں ہوگا اھ (ت)

اور صور باقیہ میں اگرچہ یہ عقد لباس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنی بیع وشراء ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان واسامی مبیع مہر ثمن،

اما فی الھبۃ بالعوض فظاھر واما فی الصلح فکما فی العالمگیریۃ عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم المبیع فمایصلح ثمنا فی البیع اومبیعا یصلح بدلا فی الصلح ومالالا [2]۔	لیکن ہبہ بالعوض میں تو یہ ظاہر ہے اور صلح اس لئے جیسا کہ عالمگیریہ میں بحوالہ محیط آیا ہے کہ اگر صلح دین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں ثمن کا ہے اور اگر صلح عین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں مبیع کا ہے چنانچہ جو چیز بیع میں ثمن یا مبیع بن سکتی ہے وہ صلح میں بدل بھی بن سکتی ہے اور جو بیع میں ثمن یا مبیع نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی،۔(ت)

اب یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوضائف کے طرف مجر ہوگا وہاں ہر چند علماء کو اختلاف ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

اور یہ مبحث معرکۃ الآراء ہے مگر مرضی جماہیر فحول ونحاریر عدول صحت وقبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار وملاحظہ نظائر ان شاء اللہ تعالٰی اظہر، اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل وگراں ہے،

فی الدالمختار من الاشباہ المذہب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتٰی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیفتی بجواز النزول من الوظائف بمال [1] الخ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی حاشیتہ وقد تعارف ذٰلك الفقہاء عرفا قدیما رضیہ العلماء والحکام الی ان قال عن ابی السعود عن السید احمد الحموی من بعض الفضلاء عن العلامۃ بدرالدین العینی ان النزول عن الوضائف صحیح قیاسا علی ترك المرأۃ قسمہا لصاحبتہا لان کل منہما مجرد اسقاط [2] الخ۔	درمختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ مذہب کہ عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن کثیر علماء نے اس کے اعتبار کرنے کا فتوٰی دیا اسی بنیاد پر مال کے بدلے وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتوٰی دیا گیا الخ علامہ سید احمد طحطاوی نے اپنے حاشیہ میں کہا کہ فقہاء نے اس کو عرف قدیم سمجھا اور علماء وحکام نے اس کو پسند کیا یہاں تک کہ علامہ طحطاوی نے کہا کہ ابوسعود نے بعض فضلاء کا قول بحوالہ علامہ بدرالدین عینی سید احمد حموی سے نقل کیا کہ وظائف سے دستبرداری صحیح ہے قیاس کرتے ہوئے عورت کے اپنی باری اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دینے پر، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک محض اسقاط ہے، الخ (ت)

علامہ سید احمد حموی غمز عیون البصائر میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط سرخسی پر اس مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظہار نقل کرکے فرماتے ہیں: فلیحفظ فانہ نفیس جدا [3] (اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت عمدہ ہے۔ت)
خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں کلام علامہ بیری شارح اشباہ سے اس کی تائید نقل اور حقوق موصی لہ بالخدمہ وقصاص ونکاح ورق کا حقوق شفعہ وقسم زوجہ وخیار مخیّرہ فی النکاح سے بدیں وجہ کہ صور اولٰی میں حق اصالۃ ثابت ہے توان سے اعتیاض جائز

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴
[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹
[3] غمز عیون البصائر القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۳۹

بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوت حق صرف برِبنائے ضرر ہے جب صاحب حق اعتیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستقر نہ تھا راسا حق باطل ہوا یہ عوض کیسا فرق بیان کرکے فرماتے ہیں:

ولا یخفی ان صاحب الوظیفة ثبت له الحق فیه بتقریر القاضی علی وجه الاصالة لاعلی رفع الضرر (ینقل الی ماقال)وان کان الاظهر فیها ماقلنا[1]۔	اور مخفی نہ رہے کہ بیشک صاحب وظیفہ کے لئے حق قاضی کی تقریر سے بطور اصل ثابت ہوا نہ کہ رفع ضرر کے طور پر (نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہا) اگرچہ اس میں زیادہ ظاہر وہی ہے جو ہم نے کہا۔(ت)

اس تقدیر پر یہ تو وہ شبہہ کو صفقہ واحدہ میں صالح وغیر صالح کو جمع کیا راسا مقلوع اور اگر مذہب آخر اختیار کیجئے تاہم فقیہ پر روشن کہ کم من شیئ یصح ضمناً ولایصح قصدا (بہت سی اشیاء ضمناً صحیح ہوتی ہے اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں۔ت) آخر مرور وشرب و تعلی بھی تو حقوق مجردہ ہیں اگر بہ تبعیات رقبات طریق ونہر وعلو ان کی بیع بالاتفاق جائز، یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ ولباس بھی ہے کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) پھر استقلال و محض کہا جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقًا باطل ہی مانی جائے، تاہم اس قدر تو یقینی کہ یہ بطلان مختلف فیہ ہے، پس صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زید نے صفقہ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف الصلاحیۃ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطلان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل، مگر اس کا فساد مضمون الیہ تک ساری نہیں ہوتا اس کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے، خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حل وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ کہ مانند حرومیۃ کہ اس کے بطلان سے بیع مکان بھی فاسد ٹھہرے،

فی الدرالمختار وقیدوا سرایة الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیه فیسری کجمع بین حر و عبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محله ولا یتعداه کجمع بین عبدو مدبر[2] الخ وفی الشامیة	درمختار میں ہے کہ فقہاء نے بیع فاسد کے باب میں سرایت فساد کو فساد قوی متفق علیہ کے ساتھ مقید کیا تو وہ فاسد تمام عقد میں سرایت کرے گا جیسے آزاد اور غلام کو عقد واحد میں جمع کرنا بخلاف فساد ضعیف اختلاف کے کہ وہ اپنے محل پر بندر رہتا ہے اور اس سے

[1] ردالمختار کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵

[2] الدرالمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۷

الفساد غیر قوی لعدم الاتفاق علیہ فلا یسری [1]۔	تجاوز نہیں کرتا جیسے غلام اور مدبر کو عقد واحد میں جمع کرنا الخ اور شامی میں ہے کہ یہ فساد غیر قوی ہے کیونکہ اس پر اتفاق نہیں لہذا یہ سرایت نہیں کریگا(ت)

اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے بیع مکان میں فساد لازم آئے گا، نہ بطلان کہ وجہ فساد مسئلہ حرمیۃ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہوتا ہے اور بیع شروط فاسدہ سے سے فاسد ہوجاتی ہے نہ کہ باطل،

اقول: وان کانت تعبیرات العلماء فی ذٰلك لم ترد علی نسق واحد فمنھم وھم بالفساد ومنھم من عبر بالبطلان والفساد ھو المراد لانھما لفظان متعاوران یرد کل واحد منھما مشرب صاحبہ کما لایخفی علی الناظر فی کلمات القوم وقال القھستانی فی بیان الباطل کثیرا مایطلق الفاسد علیہ وبالعکس [2] اھ، ومن اقوی الدلیل علی ذٰلك کلام الامام الھمام فقیہ النفس فخر الدین خان القاضی اذاقال فی الخانیۃ البیع انواع باطل وفاسد و موقوف ولازم ومکروہ [3] ثم عقد فصلا فی البیع الباطل	**میں کہتاہوں** کہ اگرچہ اس میں علماء کی تعبیریں ایک طرز پر واقع نہیں ہوئیں، ان میں سے بعض نے اس کو فساد قرار دیا اور بعض نے بطلان سے تعبیر کیا جس سے مراد فساد ہی ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں یعنی فساد و بطلان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کلمات قوم کو مد نظر رکھنے والے پر مخفی نہیں اور قہستانی نے باطل کے بیان میں کہا کہ بسااوقات اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی فاسد پر باطل کا اطلاق ہوتا ہے اھ اس پر قوی ترین دلیل امام ہمام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی کا کلام ہے کیونکہ انھوں نے فتاوٰی خانیہ میں فرمایا بیع کی کئی قسمیں ہیں باطل، فاسد، موقوف، لازم اور مکروہ پر بیع باطل کے بارے میں فصل قائم کی اور اس میں بیع باطل کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵

[2] جامع الرموز کتاب البیوع فصل البیع الفاسد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

وذکر مسألۃ ثم قال باب البیع الفاسد المفسد للبیع انواع وھذا الباب یشتمل علی فضول، الفصل الاول فی فساد البیع الجھالۃ احد البدلین وفیہ الجمع بین الموجود والمعدوم والجمع بین المال وغیر المال [1] اھ فھذا کما تری نص صریح لا یقبل صرفا و لاتاویلا قلت وبہ اوضح عمدۃ المذھب امامنا المجتھد سیدنا محمد فی المحیط و المبسوط وغیرہ فی غیرھما کما فی جامع الرموز والکفایۃ وعلیہ یدور کلام الامام البرھان الدین المرغینانی فی الھدایۃ والعلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والفاضل زین الدین المصری فی الاشباہ والسید احمد الحموی فی غمز العیون والعلامۃ نوح آفندی والفاضل سید احمد الطحطاوی وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین فعلیہ المعول وبہ الاعتماد کما حققتہ فی فتاوی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ خلافا لما فھم العلامۃ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی من وقوع لفظ البطلان فی	مسائل کو ذکر کیا، بعد ازاں بیع فاسد کا باب قائم کرکے فرمایا کہ مفسدات بیع متعدد قسموں کے ہیں اور یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی قسم بدلین میں سے کسی ایک کی جہالت کی وجہ سے فساد بیع کے بارے میں ہے اور اس میں معدوم و موجود کو اور مال وغیر مال کو عقد واحد میں جمع کرنا داخل ہے الخ تو یہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صریح نص ہے جو مجاز وتاویل کو قبول نہیں کرتی میں کہتا ہوں اور اسی کو واضح فرمایا ہے عمدۃ المذہب امام مجتہد ہمارے سردار امام محمد نے محیط اور مبسوط میں اور دیگر ائمہ نے دوسری کتابوں میں جیسا کہ جامع الرموز اور کفایہ میں ہے، اور اسی پر دائر ہے امام برہان الدین مرغینانی کا کلام ہدایہ میں، امام علامہ محقق علی الاطلاق کا کلام فتح میں، فاضل زین الدین مصری کا کلام الاشباہ میں، سید احمد حموی کا کلام غمز العیون میں، اور اسی پر دائر ہے علامہ نوح آفندی اور فاضل سید احمد طحطاوی وغیرہ ائمہ کا کلام، اللہ تعالٰی ان تمام پر رحمت نازل فرمائے، پس اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے جیسا کہ اس کی تحقیق میں نے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے لقب سے ملقب فتاوی میں کردی ہے، برخلاف اس کے جو بعض کلمات قوم میں لفظ بطلان کے واقع ہونے سے علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

بعض کلمات القوم اواستظهره سیدی محمد امین الدین افندی امرا بالتامل فلا محیط الاالی المقام بعد ما اتضح وتحقق ومن اراد فعلی ایراد الدلیل۔	نے سمجھایا تأمل کا حکم دے کہ سیدی محمد امین الدین آفندی نے احتیاط برتی، چنانچہ وضاحت و ثبوت کے بعد مقام تحقیق کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں اور جو اس کے خلاف کا ارادہ کرے اس کے ذمے پر دلیل پیش کرنا ہے۔ (ت)

اور مبیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہوجاتی ہے کما فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہذا تفاسخ واجب ہے، مگر اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی،

فی الدر المختار بخلاف بیع الفاسد فانه لایطیب له لفساد عقده ویطیب للمشتری منه لصحة عقده [1]۔	درمختار میں ہے بخلاف بیع فاسد کے کہ اس میں مشتری کو حلال نہیں اس عقد کے فساد کے سبب سے اور جس نے اس سے خریدا اسے حلال ہے بسبب اس کی صحت عقد کے، (ت)

پس بہرحال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے زید یا زوجہ زید یا قرضخواہان زید کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ قرضہ زید اس سے کوئی وصول کرسکتا ہے هذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق، واللهسبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ ہی توفیق کا مالک ہے، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۳۰: از کمپ لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا، بعدہ، زید کے مکان میں آگ لگ گئی، درخت مذکور جل گیا، قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

بعد استفسار واضح ہوا کہ گھنڈ ساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بیچی جاتی ہے وہ انھیں کاٹ

[1] درمختار کتاب البیوع البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

لیتے ہیں اور پیڑ بدستور قائم رہتا ہے، یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاکاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی پیڑ جل گیا، اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے۔

وانما حکم من حکم بالجواز مستندا الی التعامل اوان کان موضع القطع معلوما بالعرف کما فصله فی الدر و حواشیه[1]۔	اور جس نے جواز کا حکم کیا اس نے تعامل کی بنیاد پر جواز کا حکم کیا یا اس بنیاد پر کہ از روئے عرف کاٹنے کی جگہ معلوم ہو جیسا کہ درر اور اس کے حواشی میں اس کی تفصیل ہے (ت)

جب شیئ مبیع قبل قبضہ مشتری دست بائع میں ہلاک ہو گئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھ وہ واپس دینی واجب،

فی درالمختار عن الفتح والدرالمنتقی لوهلك المبیع بفعل البائع او بفعل المبیع او بامر سماوی بطل البیع و یرجع بالثمن لو مقبوضا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بحوالہ فتح اور درمنتقی ہے کہ اگر فعل مبیع یا فعل بائع یا کسی امر سماوی سے مبیع (بائع کے ہاتھ میں) ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی اور ثمنوں پر اگر بائع قبضہ کر چکا ہے تو لوٹائے جائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ بعوض دین مہر زوجہ کے ساتھ بیع کر دیا اور رجسٹری وغیرہ کی تکمیل کرادی، بعدہ، باجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہا پس بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیعنامہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع مذکور تام وکامل ہے اور زید کا رہنا بے اجازت عورت ہوتا تاہم اصلاً تمامی بیع میں خلل نہ لاتا

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲

فان غایته الغصب والبیع اذا تم افاد الملك والملك بالغصب لایزول علی ان الغصب لایتحقق فی العقاد و البیع لیس کالھبة حتی یشترط فیه القبض و التخلیة وھذا ظاھر جدا ، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ غایت اس کی غصب اور بیع جب تام ہو جائے تو مفید ملک ہوتی ہے اور غصب سے ملک زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غصب غیر منقولہ اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع ہبہ کی مثل نہیں حتی کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے، واللہ اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲: مرسلہ ابوالاشیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب ۱۱ محرم ۱۳۲۳ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا دو بھتیجے حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا بھتیجا اس لڑکی کا شوہر ہے لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے نااتفاقی ہے حتی کہ نان ونفقہ تک نہیں دیتے، زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد دوہزار روپیہ میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کردی لیکن قیمت جائداد تخمیناً چھ ہزار روپے ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کردیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ مشتریہ نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان ونفقہ بھی باپ کے ذمے تھا، ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے کہا کہ تیری حق تلفی مجھ سے ہوگئی تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں بعد میرے مرنے کے کیا دیں گے، اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں، اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، پس صورت مذکورہ میں اس جائداد و بیع کا کیا حکم ہے؟ آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا مع الدلیل و البرہان توجروا عندالحنان المنان** (دلیل وبرہان کے ساتھ بیان کرو احسان ومہربانی فرمانے والے سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ بیع صحیح وتام ونافذ ہوگئی جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی،

کما ذکر لی السائل بلسانه وذلك لانه عقد صدر عن اھله فی محله فلا مرد له.	جیسا کہ سائل نے مجھے زبانی بتایا اور یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو اہل سے صادر ہو کر محل میں واقع ہوا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہٰذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام وکمال معاف کردے معاف ہو جائے گا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا کما نص علی فی فتاوٰی الامام قاضی خاں وبینہ فی ردالمحتار وحققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ فتاوٰی امام قاضی خاں میں اس پر نص کی گئی اور ردالمحتار میں اس کو بیان کیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی۔ت) یہاں اگر معاف ثابت ہو فبہا اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعوٰی اسے نہ رہا لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ شخص اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ت) اور یہ قرائن کہ وہ کہاں سے دیتی اس کا نفقہ بھی تو باپ کے ذمہ تھا بینہ ابراء کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابل التفات نہیں،

لان المال غاد ورائح وقد یکون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل مایطلع علیہ الاخرون وعسی ان یکون لہا من حلی جہازہا وامتعۃ مایفی بذٰلک۔	کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اور کبھی بعض لوگوں خصوصا عورتوں کے پاس کچھ پوشیدہ مال ہوتا ہے جس پر دوسرے لوگ بہت کم مطلع ہوتے ہیں، شاید اس عورت کے پاس جہیز کا کوئی زیور یا سامان ہو جس سے وہ ادائیگی کرتی ہو۔ (ت)

اور جب خود زید کا دعوٰی نہ سنایا جاتا تو ورثاء کہ خلافۃً اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعوٰی کیونکر مقبول ہوسکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہوگئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ مؤکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو حق تلفی کیونکر ہوتی باقی براہ دیانت حق تلفی حکم قضاء میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہوگئی، بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا، ہاں ثمن کا دعوٰی ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳: از پیگا مسئولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر وخود کاشت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم ریزی شدہ بھی تھی بایں شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے چھوڑ دینا ہوگی، عمرو نے اس شرط کو قبول کرلیا تھا اور اس اراضی کی اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا تھا کہ آیا کُل عمرو کا ہوگا یا نصف زید کا بھی؟ اب زید نصف پیداوار بھی اس اراضی کی جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کی ہر چیز میں نصف ٹھہرا ہے، عمرو کہتا ہے

میں نے اراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں، نہ حقوق کاشتکاری، پس حق زمینداری اس اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں اسامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا پیچرو وغیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمھاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دے کر نہ چھوٹوں گا، لہٰذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زراعت تیار شدہ تمام وکمال ملک عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جسے جانور اپنے لبوں کے ذریعہ سے زمین سے لے سکے بھی اس پر زید کا دعوی بالاتفاق باطل تھا، ہاں اگر پیٹا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چر سکے نری رنگت ہی رنگت زمین پر ظاہر ہوئی ہوتی ایسی حالت میں زمین بیچی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملک زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور شرح المجمع و در مختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملک عمرو رہتی، فتح القدیر میں اسی کو اوجہ و سراج الوہاج میں صحیح فرمایا، اور اکثر کا رجحان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر میں تخم ریزی ہوئی ہے اسے دیکھا جائے گا کہ آیا ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل نہ گیا ہو گا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہوئی کہ بیج گل چکا تھا زمین کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلاف علماء ہے، بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی، اسی کو امام فضلی وصاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر در مختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختار یہ ہے کہ مطلقاً چاروں صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت، بیج گل گیا ہو یا نہیں، اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا مفاد ہے، **بالجملہ** ان تمام صورتوں میں زراعت ملک عمرو ہے، زید کا دعویٰ نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے کھیتی ظاہر تو ہوئی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمروں کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کرا کر اپنا

حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے فوراخالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابل ورد نہ ہوئی ہو اگر برضائے زید باقی رکھی تو حسب دستور زید کو حق زمینداری یعنی جو اتنی زمین کی اس قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے، درمختار میں ہے:

(لایدخل الزرع فی بیع الارض بلا تسمیة) الااذا نبت ولاقیمة له فیدخل فی الاصح شرح المجمع، ویؤمر البائع بقطع الزرع وتسلیم الارض عند وجوب تسلیمها فلولم ینقد الثمن لم یؤمر به خانیة، وما فی الفصولین الزرع للبائع باجر مثلها محمول علی مااذا رضی المشتری نهر اھ[1] ملتقطا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں مگر جب کھیتی اُگی ہوئی ہو اور بے قیمت ہو تو بیع میں داخل ہوگی اصح قول کے مطابق (شرح المجمع)، بائع کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھیتی کو اکھاڑ کر زمین مشتری کے حوالے کرے جب زمین کی تسلیم واجب ہوچکی ہو اگر مشتری نے ثمن نقد نہ دئے ہوں تو بائع کو مذکورہ بالا حکم نہیں دیا جائے گا (خانیہ)، اور فصولین میں جو آیا ہے کہ کھیتی بائع کے لئے ہے زمین کی اُجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مشتری اس پر راضی ہو، نہر اھ ملتقطا واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴ و ۳۵: از ریاست جاروہ، ڈونگر پور دروازہ مرسلہ ہدایت نور خان صاحب برادر نواب جاورہ، رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں:

(۱) زید وہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی مگنی پسر خود مسمّٰی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ چار آنہ ماہوار کہ بعد مایان بحصہ برخوردار بکر رسید سے بعد وفات ہمارے جو حصہ بکر میں پہنچیں گے اور ایک منزل مکان بحدود اربعہ بعوض مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ از جملہ مہرش کہ کفیل وضامن اس کے ہم ہیں مسماۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے اور اس پر قابض ومتصرف کردیا ہم نے مگر اس تحریر کے ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا، جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہوئی ورنہ دستخط قاضی وقت کے کہ جس نے نکاح پڑھایا اس پر ہوئے ہیں، نہ تاریخ یوم نکاح ہی، نہ منظور شدہ زوج ہی، پس ایسی حالت میں اگر زوجہ بکر

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مالایدخل فی البیع تبعا الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۹

اس تحریر کی رو سے زید وہندہ یا بکر پر دعوی کرے تو عندالشرع اس جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟اور قبضہ بھی اس جائداد پر مسماۃ ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالتاً نہ وکالتاً دلایا گیا کیونکہ زید وہندہ ۱۹۰۲ء سے ابھی تک بقید حیات ہیں اسی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر خود قابض ومتصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعاً اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے تنخواہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہر بیع وہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنے والی تنخواہ کا بیع وہبہ از روئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلا مطالبہ نہیں کرسکتی،ظاہر ہے کہ زید وہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد دینا ہے اور تملیک عین بالعوض،اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہو ابتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے۔

فی الدرالمختار امالو قال وہبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً [1]۔	درمختار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔(ت)

اور بیع مبادلہ مال بمال ہے **کما فی الکنز والملتقی وغیرہما** (جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور مال عین ہے یا دین،اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین،تو اصلاً مال ہی نہیں،تو اس کے عوض کسی شیئ کا دینا محض باطل ہے۔

وصار کالبیع بالدم اوالمیتۃ اوالتراب بل ادون لانھا اشیاء وان لم تکن اموالا وھذا لیس بشیئ اصلا۔	اور یہ خون یا مردار یا مٹی کے بدلے بیع کی مثل ہوگیا بلکہ اس سے بھی کمتر کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ مال تو نہیں مگر اشیاء تو ہیں جبکہ مہر قبل از نکاح تو شیئ ہی نہیں۔(ت)

انعقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے۔

فی فتح القدیر لایجوز تعجیلہ	فتح القدیر میں ہے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں

[1] درمختار کتاب الھبتہ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

لانہ یکون قبل السبب [1]۔	کیونکہ اس طرح سبب پر اس کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔(ت)

عنایہ میں ہے:

تقدیم الحکم علی السبب لایجوز [2]۔	حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن لینا بھی جائز نہیں۔

فی الھندیۃ الرہن بدین معدوم فلا یصح اذحکمہ ثبوت یدالاستیفاء والاستیفاء یتلو الوجوب کذا فی الکافی [3]۔	ہندیہ میں ہے کہ معدوم دین کے بدلے رہن لینا صحیح نہیں کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ دین وصول کرنے کی قدرت حاصل رہے اور وصول کرنا وجوب کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ کافی میں ہے(ت)

تو فی الحال اس کا ادا کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

ولا یرد مااذا بعث الی المخطوبۃ اشیاء مھرا لھا فانھا تملکھا اذ تزوجت علیھا وذٰلک لان الملک انما یثبت فیھا بعد التزوج والامھار اما قبلھا فلا ولذا تردھا ان ابت قائمۃ اوھالکۃ کمافی الدر المختار وغیرہ [4] اما ھٰھنا فالتزوج انما وقع علی الدراہم ثم لم یکن بعد ذٰلک من الکفیلین تعویض وماتقدم لایجدی کماتقدم۔	اور اس پر ان اشیاء کا اعتراض وارد نہیں ہوتا جو کسی نے اپنی منگیتر کو بطور مہر بھیجیں کیونکہ ان اشیاء پر نکاح ہونے کی صورت میں وہ عورت ان کی مالک ہوجاتی ہے ______ اور یہ اس لئے کہ یہاں ان اشیاء میں ثبوت ملک نکاح اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے اسی لئے عورت اگر نکاح سے انکاری ہو تو ان اشیاء کو واپس کرے گی چاہے وہ اشیاء موجود ہوں یا ضائع ہوگئی ہو جیسا کہ درو غیرہ میں ہے، مگر یہاں تو نکاح دراہم پر واقع ہوا پھر اس کے بعد دونوں کفیلو ں کی طرف سے عوض

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷
[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱
[4] درمختار کتاب النکاح باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

دینا بھی نہیں پایا گیا اور جو کچھ ہو چکا وہ نفع نہیں دے گا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔(ت)

یہ حال تو مکان کا ہے، رہے وہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار، اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد اتنی توفیر کی ہو تو اس کا حال مثل حال مکان ہے کہ گزرا اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جو ان کو کسی نوکری کی اجرت میں ملتی ہے تو اس کا حال حال مکان سے بدتر ہے کہ وہ خود ہنوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم ہوئی، اور اگر وہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب و جاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کہ وہ خود ان کے اختیار ہی کی نہیں، بہر حال یہ معاوضہ باطل محض ہے اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق مطالبہ نہیں، دستاویز کہ زید وہندہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ انھوں مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعاً صحیح ہے یا نہیں، نہ اس سے سائل کا سوال ہے لہذا اس سے بحث کی حاجت نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) آئندہ تنخواہ کی بیع وہبہ دونوں کو باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہوسکتا ہے نہ ہبہ، تنویر الابصار میں ہے: **بطل بیع المعدوم**[1] (معدوم کی بیع باطل ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ہبۃ ماسیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاہر[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اس سے معلوم ہوگیا کہ دو قریوں کی آمدنی سے حاصل شدہ شیئ کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود واہب نے ابھی قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے اللہ خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۶: از ریاست رامپور محلّہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدالعلی خان مرحوم ۶ رجب ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی چوبیس درعہ جس کا طول جنوباً شمالاً چھ درعہ وعرض شرقاً غرباً چار درعہ اراضی مکسر مملوکہ خود جس کا طول شرقاً غرباً سولہ گز وعرض جنوباً شمالاً چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ کے بدست عمر بیع کرکے بیعنامہ تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حد شرعی بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازہ مکان

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسدہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

خالد تحریر ہوگیا حالانکہ دروازہ مکان خالد محکم و صحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکہ بائع تعدادی چھیانوے [۹۶] درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے، دروازہ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات صریح طور پر بھی غلط پچھیت مکان خالد دروازہ مکانات ہندہ تحریر ہوگیا حالانکہ پچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازہ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس غلطی تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش وعرض وطول اراضی مبیعہ کی صراحت وتعین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور اقرار یافتہ کے اس نوروپیہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہوسکتی ہے نہ کہ چھیانوے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محلّہ داران بھی داخل مبیعہ ہواجاتاہے جس کی بیع شرعا جائز نہیں ہے پس صورت بالا شرعا مبیعہ وہی چوبیش درعہ اراضی قرار پائے گی یا کہ کل قطعہ چھیانوے درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی وشمالی محلّہ داران۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیعنامے اور عرضی دعوی وجواب ملاحظہ ہوئے، اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف صاف مکتوب ہیں، اور ان میں شرح ٦ گز کا کہیں ذکر نہیں، ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وارثۃً پہنچی بیع سمجھی جائے گی، حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہوگئے ہیں مالکوں کی چارہ جوئی پر واگذاشت ہوجائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کرسکتا نہ بیعناموں میں مقدار مبیع ۲۴ گز اور اس کا طول ٦ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہوسکتا ہے جبکہ فی گز ٦ کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں، درمختار میں ہے:

ان باع المذورع علی انه مائة ذراع اخذ المشتری الاقل بکل الثمن اوترك واخذ الاکثر بلاخیار للبائع لان الذرع وصف لتعیبه بالتبعیض ضد القدر والوصف لایقابله شیئ من الثمن الا اذا کان مقصودا بالتناول کما افادہ بقوله وان قال کل ذراع بدرہم	اگر مذروع کو اس شرط پر بیچا کہ مثلا یہ سو گز ہے تو مشتری اقل کو پوری قیمت سے لے یا چھوڑدے اور اکثر بلاخیار بائع لے لے گا ذراع یعنی گز وصف ہے کیونکہ سالم نہ رکھنے پر وہ عیب قرار پاتاہے یہ حکم کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر جبکہ وصف تناول سے مقصود ہو جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول سے اس کو بیان فرمایا کہ اگر بائع

اخذ کل ذراع بدرھم او فسخ [1] (ملتقطاً)	نے یوں کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں ہے تو مشتری ہر گز درہم کے بدلے میں لے لے یا بیع فسخ کردے۔ (ملتقطا) (ت)

مگر شرع مطہر میں عقد معتبر وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان سے کہا کاغذ میں اس کے خلاف کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا، فتاوی خیریہ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لالما کتب الکاتب [2]۔	اعتبار اس کا ہے جو واقف نے زبان سے کہا، نہ اس کا جو کاتب نے لکھا۔ (ت)

تو اگر گواہان عادل سے ثابت ہو جائے کہ عقد زبانی میں فی گز ٦ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے ۲۴ گز (۹لعہ) روپے کو بیع ہوئی تو اگر ۲۴ گز مبیع کی تعیین سمت بھی ہو گئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعوی کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ۲۴ گز جانب غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیان بیع میں کہ عرضی دعوی میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی۔

لان الذراع انما یحل فی المعین فھو معین لکنہ مجھول الموضع لامشاع کما فی ردالمحتار [3]۔	اس لئے کہ زراع تو معین میں جاری ہوتا ہے اور مذروع معین ہے لیکن مجہول الموضع ہے نہ کہ غیر معین جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع من دار [4]۔	گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد ہے۔ (ت)

ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کردی تھی تو بیع صحیح ہو گئی **لان المجلس یجمع الکلمات** (کیونکہ مجلس جامع کلمات ہوتی ہے۔ت) اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کرکے ایک طرف سے ۲۴ گز معین بائع نے مشتری کو دئے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہو گئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷ و ۸

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰۔۱۳۹

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۔۳۱

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

وینبغی انقلابہ صحیحالو فی المجلس ولو بعدہ فبیع بالمقاطی، نہر [1]۔	اور لائق ہے کہ بیع صحت کی طرف منقلب ہوجائے اگر تعیین مجلس عقد میں ہو اور اگر تعیین مجلس کے بعد ہو تو بیع بالتعاطی ہوگی۔ نہر (ت)

ان صورتوں میں بھی وہی ۲۴ گز معین ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع سے گواہ لینا اور ان کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲۷ گز میں مشتری ثانی کے تصرفات مدت دراز سے بائع نے دیکھ کر سکوت نہ کیا ہو، اور اگر ایسا ہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی وقت سے اس نے دالان اور کھپریل اور چبوترہ کل زمین میں بنوالیا اور بائعوں نے خود کھڑے ہو کر بنیاد وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہوگیا تو اس صورت میں دعوی بائع اصلا قابل سماعت نہ ہوگا۔

لما افتی بہ العلماء قطعا للتزویر والاطماع الفاسدۃ کما فی العقود الدریۃ [2] ومعین المفتی وغیرہما، واللہ تعالٰی اعلم۔	علماء کے اس فتوی کی وجہ سے جو انھوں نے دھوکہ دہی اور فاسد خواہشوں کو منقطع کرنے کے لئے دیا ہے جیسا کہ عقود الدریہ اور معین المفتی وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر مسئولہ جناب قمر الدین صاحب ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آڑھت میں دے کر دکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہوجائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کئے لیں گے، یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کرسکتا اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہوجائے گا تو یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدر المختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

مسئلہ ۳۸: مسئولہ نواب وزیر احمد خان صاحب بہاری پور بریلی ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا جائے کہ نفاذ اس بیع نامہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو قبضہ لینے اور داخل خارج کرنے کا مجاز بعد انقضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان اس مدت کے قبضہ لے کر داخل خارج کرائے گا تو اس مدت کا ماحصل توفیر زر ثمن کے علاوہ ادا کرنے کا مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو "بعت" لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں جملے اپنا اپنا عمل کرینگے، "بعت" کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہوگئی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد وحرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبرا فسخ کرادے گا، نہ مشتری مبیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن، اور اگر بائع کی رضا سے مشتری مبیع پر قبضہ کرلے تو بحکم جملہ اولٰی اس کا مالک ہوجائے گا، مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر واجب ہوگا کہ بیع فسخ کرے اور مبیع واپس کردے ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضائے مبیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کردے تو اگرچہ مشتری گنہگار ہوگا مگر اب وہ بیع نافذ ہوجائے گی اور اس کا فسخ نہ ہوسکے گا اور اب بھی مشتری اس سے مبیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو معاوضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلا ایک شے ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ سے وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہزار ہی دینا آئیں گے بائع اس سے زائد نہیں لے سکتا یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی ہو اور اگر پہلے فروختم خریدم زبانی ہولئے تھے اور اس میں یہ عدم نفاذ تا مدت مذکورہ کی شرط تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ میں لکھی گئی ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بیع صحیح و نافذ ولازم ہوگئی فورا وقت عقد اس کا نفاذ ہوگیا اسی وقت سے مشتری کو اختیار ہوگیا کہ زر ثمن جتنا باہم قرار پایا ہے دے کر مبیع پر قبضہ کرلے اگرچہ بائع کی رضانہ ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی توفیر دینی آئے گی محض باطل ومردود ونامسموع ہے زر ثمن سے زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی، **واللہ اعلم**

مسئلہ ۳۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کرکے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:

بھاؤ کے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت، سوا اس چیز کے جو سفر حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دولڑکوں عمرو وبکر کے نام سے بحصہ مساوی کیا اور اس کا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے ناموں سے ہے، ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ، بعد ازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک ربع اپنے بھائی خالد کو اس طرح دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھادیا تو بقیہ مکان میں عمرو وبکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شرع میں گفتگوئے خرید وفروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں، اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام نہ ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو بکر کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدا یا زبانی خریدم فروختم (میں خریدتا ہوں اور میں فروخت کرتا ہوں۔ت) میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا، پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھا یا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع بلا تقسیم ہے لہٰذا عمرو بکر اس کے مالک نہ ہوئے، بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازت زید پر موقوف رہی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہوگئی، چہارم مکان خالد کا ہوا تین ربع بدستور زید کے ہیں، ہاں اگر اصل خریداری زبانی ہی بنام عمرو بکر ہوئی یا زبانی خریدم فروختم کے الفاظ ان کے معنی ادا ہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ بنام عمرو بکر کردو، تو یہ بیع بنام عمرو بکر ہوئی، تام ہوگئی اور دونوں لڑکے کے باپ کا قبول کافی تھا، عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو اس کے نام بھی بیع تام ہوگئی، اور دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہوگئے، اب کہ اس کا ربع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصہ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا دو ثلث بکر کے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱: از کمہر ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۸ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زانیہ نے زنا کے روپے سے کوئی چیز خریدی اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہوگا کہ اگر اس چیز پر عقد ونقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خریدنا نہ چاہئے، مثلاً اس نے وہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں شے دے دے، اس نے دے دی، اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تو اب وہ شیئ خبیث ہے **کما ھو قول الامام الکرخی المفتی بہ کما فی التنویر وغیرہ**[1] (جیسا کہ امام کرخی کا مفتی بہ قول ہے جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: مسئولہ محمد حسین خان ولد امین خان ساکن ریاست رامپور محلّہ سٹن گنج ۷ جمادی الاولٰی یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی جھاؤ سنگ نے اپنا حصہ ۸ بسوئے بیگہ ۶ بسوانسی ۱۳ کچوانسی ۱۳ اطنوانسی ۱۳ تنسوانسی کسر زائد یعنی بارھواں حصہ از کل ملک معافی لاخراجی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا ہے جس کا کہ وہ مالک وقابض تھا بالعوض مبلغ دوسواڑسٹھ روپے کے بدست تھان سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھان سنگ کا نہ ہوا اور جاؤ سنگھ فوت ہوگیا جاؤسنگھ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس پر قابض رہے بعد ازاں تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین خاں بیع قطعی کردی، آیا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلاقبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور تھان سنگھ نے (مار مہ سہ) بابت قیمت اراضی جھاؤ سنگھ کو دے دیئے ہیں فقط

الجواب:

جائز ہے تنویر الابصار میں ہے:

صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جس مال غیر منقولہ کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۳: مسئولہ شوکت علی صاحب محلّہ شاہ آباد بریلی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیئ سربند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی التصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷

چار من معین ہے، زید نے خرید کی، بعد خریدنے کے جب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا، دیکھتے ہی فورا بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلا یا تو بقدر مال کے قیمت کرو یا واپس لو۔ اس صورت میں بائع پر اس شیئ کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا بائع کو اختیار نہیں، ردالمحتار میں ہے:

اذا کان طعاما فی حب فاذا نصفه تبن یأخذه بنصفه الثمن لان الحب دعاء یکال فیه فصار المبیع حنطة مقدرة وشمل مااذا کان المسمی مشروطا بلفظ او بالعادة[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب ایک گھڑا طعام خریدا اور نصف اس میں بھوسہ نکل آیا تو اب مشتری اس کو آدھی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ گھڑا ایک ایسا برتن ہے جس سے کیل کیا جاتا ہے چنانچہ مبیع ایک معین مقدار میں گندم ہوگیا اور یہ ضابطہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہوگا یعنی چاہے تو مسمّٰی لفظ مشروط ہو یا عادتا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴تا۴۵: مرسلہ حاجی مولا بخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں اس کی کچھ نرخ ہو فروخت کردوں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کرسکتا ہے یا نہیں، اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عائد نہیں ہوتا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال کے خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دساور سے خرید کرلاؤ اور اس کو ہمارے نام روانہ کردو، اور پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خریدلو، اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہوجائے تو زید ذمہ دار ہے اور اگر نقصان کچھ ہوجائے گا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت کردیا اور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع وشرائط زید کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت ہی میں کوئی حرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰

دفعۃً بیچے خواہ متفرق یا اس سے قبل خواہ بعد، لان الملك مطلق للمتصرف مالم ینه الشرع (کیونکہ ملک تو مطلق تصرف کے لئے ہوتا ہے جب تک شرع منع نہ کرے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) معمولی خرچ جو حسب عادت تجار مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہ نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عام عادت تجار مال پر ڈالنے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں، در مختار میں ہے:

کل مایزید فی المبیع او فی قیمته یضم، درر، واعتمد العینی وغیرہ عادۃ التجار بالضم ولایضم مایؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادۃ بضمه هذا هو الاصل کما علمت فلیکن المعمول علیه کما یفیدہ کلام الکمال[1] اھ (ملتقطا)، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو چیز مبیع میں یا اس کی قیمت میں زیادہ ہو وہ ملائی جائے گی، درر، اور عینی وغیرہ نے تاجروں کے ملانے کی عادت پر اعتماد کیا ہے، اور نہیں ملایا جائے گا اس کو جو راستے میں ظلم سے لیا جاتا ہے مگر اس وقت ملایا جائے گا جب رواجب میں اس کے ملانے کی عادت ہو یہی اصل ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جیسا کہ کمال کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے اھ (ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۶: از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پیر جی عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو حقیقی اب وام بھائی ہیں، والدین کی حیات میں زید جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتۃً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے، لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، زید وعمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں اور زید وعمرو کے اہل وعیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ اٹھاتے ہیں، اور بچوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے ہیں یعنی اگر ایک بچے کو پانچ روپے دیں تو سب بچوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں، اور جو کوئی جائداد خرید کی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے، وہ جس کا نام چاہیں درج کرادیں، علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دوراندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائداد خرید کی اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرادی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائداد خرید کی، اس کی رجسٹری اپنے اور زید کے نام کرادی اور ان سب جائدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض وتصرف میں آتی رہی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی تمام وکمال آمدنی والدین کے قبض وتصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائداد خرید کی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور بعض کی زید وعمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد ہر دو کی اور جملہ آمدنی جائداد خرید کہ وہ والدین کے ہاتھ میں رہی، بعد انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے دو سال تک دونوں بھائی باتفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے، اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائداد ومنقولہ وغیرہ منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے ان کا آپس میں ازروئے شرع شریف کیا حصہ ہوگا اور کے حصص پر کل جائداد کی تقسیم ہوگی؟ **بینوا بالکتاب و توجروا من ملك الوھاب** (کتاب اللہ سے بیان فرمائیں اور اللہ تعالٰی بہت زیادہ عطا کرنے والے بادشاہ سے اجر پائیں۔ت)

الجواب:

یہ مسئلہ بہت طویل الاذیاں کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالٰی اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال کا جامع او رہر اشکال کا رافع ہو وباللہ التوفیق اس کے لئے دو بیان لکھیں:

بیان اول: اس کی تحقیق کہ جو جائدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کون سی بیع شرعاً کس کے لئے واقع ہوئی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) خریداری تین طرح ہوتی ہے:

اول: بائع وطالب شرا میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت وتصفیہ ودیگر زوائد کی ہو کر بیعنامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب وقبول اشتریت فروختم خریدم یعنی بر کہے میں نے بیچی وہ کہے میں نے خریدی اصلاً درمیان میں نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہ کتنے کو دوگے اس نے کہا اتنے کو یا اس نے کہا یہ چیزیں تمھارے یہاں بکاؤ ہے کہا ہے، کہا کیا قیمت ہے، کہا یہ، یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں، کہا بہتر، کہا یہ دوں گا، کہا اچھا تو کاغذ کردو، یا اس نے کہا یہ چیز بکتی ہے تمھیں خریدنا ہو تو خریدلو، کہا لیتا ہوں، کہا تو اتنا دینا ہوگا، کہا دوں گا بیعنامہ لکھ دو، یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب وقبول نہیں یا قرارداد ہو کر بیعنامہ دے دیا جاتا ہے وہ بھی ایجاب وقبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کی شرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کرلیتے ہیں اور یہ حرام ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی۔

مالك واحمد وابوداؤد وابن ماجة عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع العُربان[1]۔	امام مالک، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔(ت)

درمختار میں ہے:

الایجاب والقبول عبارة عن کل لفظین ینبئان عن معنی التملك والتملیك ماضیین اوحالین اواحدهما ماض والاخر حال[2]۔	ایجاب وقبول ایسے دو لفظوں کا نام ہے جو تملک وتملیک کے معنی کی خبر دیتے ہیں چاہے دونوں ماضی ہوں یا دونوں حال ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو۔(ت)

فتاوٰی امام بزازی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قال لقصاب کم من هذا اللحم بدرهم فقال منوین قال زن فاعطی درهما فاخذه فهو بیع جائز ولا یعید الوزن وان وزنه فوجده انقص رجع بقدره من الدرهم لامن اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی[3] اھ فلم یجعل قوله کم بدرهم قال منوین قال زن بیعابل التعاطی	کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا ہے، اس نے کہا دو سیر، اس شخص نے کہا تول دے، پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس سے گوشت لے لیا تو یہ بیع جائز ہے دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں اور اگر وزن کرنے پر گوشت کو دو سیر سے کم پایا تو کمی کے برابر درہم میں سے واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے دیا اھ، تو مشتری کے قول کہ ایک درہم کا کتنا

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۸-۱۳۹، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب بیع العربان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۵۹، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما دارالفکر بیروت ۲/ ۱۸۳

[2] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲-۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰

ولذا لم یکن له ان یطلب مانقص من الحم۔وفی الهندیة عن التتارخانیة عن الیتیمة عن الحسن بن علی انه سئل عن رجل ساوم وکیل البائع السلعة باثنین وعشرین دینارا وابی الوکیل الابخمسة و عشرین فقال المشتری اترك لی هذه الثلثة الدنانیر ورضی بذٰلك من غیر ان یوجد منه قول وهناك شهود علی انه رضی فطابت نفسه بذٰلك هل یکون ذٰلك بیعا فقال هذا القدر لیس ببیع الا ان یوجد الایجاب والقبول اومایقوم مقامهامن الفعل اھ[1]،وفیها عن المحیط عن المجرد عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه اذا قال للحام کیف تبیع اللحم قال کل ثلثة ارطال بدرهم قال قداخذت منك زن الی ثم بداللحام ان لایزن فله ذٰلك وان وزن فقبل قبض المشتری

گوشت ہے جواب میں قصاب کے قول دوسیر اور پھر مشتری کے قول کہ "تول دے" کو بیع نہیں بتایا گیا بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا،اور ہندیہ میں بحوالہ تتارخانیہ فتاوٰی یتیمہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بائیس دینار بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دوں گا، مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑدے اس پر وکیل راضی ہوگیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اوراس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود تھے تو کیا بیع ہے،توآپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب وقبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایاجائے اھ اور اسی میں بحوالہ محیط مجرد سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے قصاب کو کہا گوشت کیسے بیچتے ہو اس نے جواب دیا تین رطل ایک درہم کا، مشتری نے کہا میں نے تجھ سے لیا میرے لئے تول دے، پھر قصاب کی رائے ہوئی کہ وہ نہ تولے تواس کو یہ حق ہے، اور اگر اس نے تول دیا، تومشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۶

کل لکل واحد منهما الرجوع فان قبضة المشتری اوجعله البائع فی وعاء المشتری بامرۃ ثم البیع وعلیه درہم [1] اھ وفیها عن السراجیة قال الاخر بکم هذا الوقر من الحطب فقال بکذا فقال سق الحمار فساقه لم یکن بیعا الا اذا سلم الحطب وانتقد الثمن [2] اھ **اقول**: وینتنی علی اشتراط الاعطاء من الجانبین فی التعاطی والصحیح الاکتفاء لواحد نص علیه محمد کما فی النهر [3]۔	دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے اور اگر مشتری نے قبضہ کرلیا یا اس کے کہنے سے بائع نے اس کے برتن میں گوشت رکھ دیا تو بیع تام ہوگئی اور مشتری پر ایک درہم لازم ہوگیا اھ اور اسی میں سراجیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے لکڑی فروش کو کہا لکڑی کا یہ گٹھا کتنے کا ہے، اس نے کہا کہ اتنے کا، پھر مشتری نے کہا اپنا گدھا ہانکو، اس نے ہانک دیا، تو یہ بیع نہیں، مگر اس وقت بیع ہوجائیگی جب لکڑیاں سونپ کر ثمن وصول کرلے اھ، **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ بیع تعاطی میں دونوں طرفوں پر قبضہ کرنے کے شرط ہونے پر مبنی ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ فقط ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اس پر امام محمد نے نص فرمائی ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ (ت)

ان صورتوں میں وہ بیعنامہ ہی خود بیع ہوتا ہے اور اس کی تسلیم شراء کہ اسی میں لکھا جاتا ہے میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی، اشباہ وہندیہ میں ہے: **الکتاب کالخطاب** [4] (تحریر کلام کی طرح ہے۔ت) تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہوئی جس کا نام بیعنامہ میں ہے مثلاً خالد، پھر اگر اسی نے بیعنامہ لکھوادیا جب توظاہر ہے کہ بیع تام ونافذ ہے اور اگر دوسرے نے گفتگو کرکے اس کا نام لے کر اس کی بے اجازت کے کاغذ کردیا تو یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت خالد پر موقوف رہا اگرچہ زبانی گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلانہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلاً بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ اپنے لئے خریدنا چاہتا ہوں۔

وذٰلك لان ماجری بینهما من کلام لم یکن عقد او انما البیع بالکتاب	اور یہ اس لئے ہے کہ جو کلام ان دونوں کے درمیان جاری ہوا وہ عقد نہیں بیع تو تحریر کے ذریعے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۔۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

وفیه الاضافة الی خالد۔	ہوئی اور اس میں خالد کی طرف اضافت موجود ہے۔(ت)

پس اگرخالد جائز کردے گاشیئ مبیع کاخود مالک ہوگااور رد کردے گاتو بیع باطل ہوجائے گی بہرحال اس کا مالک نہ ہوگا۔

لان البیع لم یکن منه ومن کان منه لم یقبله وھذا الحکم مع ظھورہ قدصرح به الفتاوٰی الاسعدیة و سیأتی عن الخانیة۔	کیونکہ بیع اس سے نہیں ہوئی اور جس سے بیع ہوئی اس نے اس کو قبول نہیں کیااور اس حکم کے ظاہر ہونے کے باوجود فتاوٰی اسعدیہ میں اس کی تصریح کی گئی اور عنقریب خانیہ کے حوالے سے آرہاہے۔(ت)

دوم: قبل تحریر بیعنامہ باہم عاقدین میں ایجاب وقبول واقع (جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔ت)

مسئلہ ۴۷: از شہر بریلی محلّہ بازوران ۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالت پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہ کربسر کرتا رہتا ہے حال میں اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خرید کی، بوقت ابتداء تعمیر کام چند صاحبان اہل محلّہ بسبب رنجش وبرائے کسی خاص فساد کے اس شخص پر بہ جبر اس کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع کردے پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کردینے پر مجبور ہے یا نہیں؟

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ یہ زمین مانگتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلا کر مسجد میں اس کا کرایہ لگائیں، اگرصورت واقعہ یہ ہے تو مالک اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے بیع کرے اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ نقش علی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپے دے اور کہا تم مال خرید لاؤ، عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرادیا، بعد کو مال زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض بموجب شریعت کے

یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے نقد ہو خواہ قرض، اور کتنے ہی نفع پر ہو سب روا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: از کانپور مسٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید و بکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد شرت روپیہ اور مال تقسیم ہوا، اپنی اپنی ملک پر قابض ہوگئے، پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا، زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقت خریداری کہہ دیا کہ اگر منظور ہو تو دو ورنہ روپیہ دے کر مال واپس لے لو، بکر نے مال دے دیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں؟ زید کو خطاوار کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہو بیشک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدار ہوا سے اس وجہ سے خطاوار کہنے والا خطاوار ہے:

قال اللہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر ہو تجارت تمھاری باہمی رضا مندی سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۵۰: مسئولہ حاجی لعل خاں صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حیبن بی بی و صبیحن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال سوم، والدہ ماجدہ نے کچھ جائداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے، یہ دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائداد والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی، اگر دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں تو والدہ کے سونے کے کڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائداد خرید کی وہ بذمہ والد صاحب دین واجب الادا ہے یا نہیں؟ ونیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جس کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کرکے تجارت میں شامل کر دی گئی اس کا عوض والد صاحب کے ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب:

مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر اپنے لئے خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کرایا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے **لان الشراء متی وجد نفاذاعلی المشتری نفذ**[1] (اس لئے کہ خریداری جب مشتری پر نفاذ کے طور پر پائی جائے تو نافذ ہو جاتی ہے۔ت) پھر اس صورت میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دے دیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجازت تھا قرض تھا، بے اجازت تھا غصب تھا، بہر حال اس پر ضمان لازم ہے، یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا، سائل کے لفظ یہ ہیں کہ "کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپے سے "اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کر دیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یونہی ہو گا کہ وہ کہے کہ تیرا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد خریدتا ہوں، یوں اگر خریدی تو وہ جائداد ملک زوجہ ہوئی، یا یوں ہو گا کہ عورت کہے میرا مہر تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد لے دے، اور اس نے خریدی تو یوں بھی جائداد ملک زوجہ ہو گی اور قبضہ زوجہ پر شرط نہ ہو گا نہ اصل بائع سے عقد بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور ہو گا کہ خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کر دینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہو گی اور بیع میں قبضہ شرط ملک نہیں، یا یوں ہو گا کہ زوجہ نے اس سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خرید لو تو جائداد ملک شوہر ہو گی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاءً **ھبۃ الدین ممن علیہ الدین** (مدیون کو دین کا اقتضاء ہبہ ہے۔ت) تھی اور یہ جائز ہے۔ اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے سے خریدنا کیونکر کہا جا سکتا ہے، سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی زر غیر سے شراء ہے جس کا حکم اوپر گزرا اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالت تملیک پائی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے، یوں ہی بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگائی گئیں اگر دلالت تملیک پائی گئی شوہر پر عوض نہیں اور اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریک تجارت ہوئی ورنہ ادنٰی متعین ہے یعنی قرض اور عوض لازم، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہر ایک کا چار پیسے کی چیز کا دگنی یا تین گنی

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے، فریب نہ دے، مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے، اور خرید پونے چار کو تھی، یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو، یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے، یہ صورتیں حرام ہیں اور نہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب البیع الفاسد والباطل

(باطل اور فاسد بیع کا بیان)

مسئلہ ۵۲: عـــہ

الجواب:

جائز ہے **قال اللّٰہ تعالٰی** "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال فرمایا۔ت) بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل و فاسد و مکروہ تحریمی، بحرالرائق میں ہے:

البیع النھی عنہ ثلثۃ باطل وفاسد ومکروہ تحریما[2] الخ، **اقول:** والمراد صورۃ البیع الحاصلۃ	جس بیع سے روکا گیا ہے وہ تین قسم پر ہے باطل، فاسد اور مکروہ تحریمی الخ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس بیع سے مراد بیع کی وہ صورت ہے

عـــــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

[2] البحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۶۸

من بعت واشتریت اعم من ان تحقق معناہ الشرعی اولا وذٰلك لان الباطل لیس بیعا منھا عنه عندنا لان الباطل لیس بیعا اصلا فکیف یکون بیعا منھا عنه وقد تقرران النھی یقرر المشروعیة و به ذھبوا الی تقسیمھم البیع الی باطل وفاسد وصحیح ان لم یکن تقسیم البیع الصوری ففیه مسامحة ظاہرۃ۔	جو یہ کہنے سے حاصل ہوتی ہے کہ میں نے بیچا اور میں نے خریدا عام ازیں کہ بیع کا شرعی معنی متحقق ہو یا نہ ہو، اور یہ توجیہ اس لئے کی گئی کہ بیع باطل ہمارے نزدیک ممنوع بیع نہیں کیونکہ وہ سرے سے بیع ہی نہیں تو وہ ممنوع بیع کیسے ہوسکتی ہے، اور تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ نہی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اس لئے فقہاء نے بیع کو باطل، فاسد اور صحیح کی طرف تقسیم کیا اگر اس سے مراد بیع صوری کی تقسیم نہ ہو تو یہ کھلی چشم پوشی ہے (ت)

باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد، مثل بیع و شراء مجنون کہ اس کا قول شرعا لا قول ہے تو اس کا بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہوسکے نہ قبول، اور خلل محل مثل بیع بالمیتہ کہ میتہ مال نہیں، درمختار میں ہے:

کل ما اورث خللا فی رکن البیع فھو مبطل [1]۔	اور جو چیز بیع کے رکن میں خلل پیدا کرے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو الایجاب والقبول بان کان من مجنون اوصبی لایعقل وکان علیه ان یزید اوفی محله اعنی المبیع فان الخلل فیه مبطل بان کان المبیع میتة اودما اوحرا اوخمرا کما فی ط عن البدائع [2] اھ **اقول:** الایجاب حدث لابدل من محل	وہ (رکن) ایجاب و قبول ہے بایں طور کہ مجنون کی طرف سے ہو یا نہ سمجھ بچے کی طرف سے ہو، اور ماتن پر لازم تھا کہ وہ محل یعنی مبیع میں خلل کے ذکر کا اضافہ کرتے کیونکہ مبیع میں خلل بھی مبطل بیع ہے بایں طور کہ مبیع مردار، خون، حر یا شراب ہو جیسا کہ ط میں بحوالہ بدائع ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ ایجاب حدث ہے جس کے وجود کے لئے محل کا

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۰

كالضرب لاوجود له بدون مضروب فاذا العدم المحل بتطرق الخلل وجب انعدام الركنين لانعدام ما يتعلقان به الاترى ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج الهواء واشعة الضياء وقال الاخر اشتريت لم يفهم هذا ايجاب ولا قبولا فی الشرع فكذا قول القائل بعتك هذا لحراواشتريت بهذ الدم اذا لا فاصل بعد انعدام المالية والحاصل ان خلل المحل يوجب خلل الركن فكان فيه معنی من ذكره نعم لو ذكر لكان اظهر واوضح۔	موجود ہونا ضروری ہے جیساکہ ضرب کا وجود مضروب کے بغیر نہیں ہوسکتا، چنانچہ جب خلل کے پائے جانے کی وجہ سے محل معدوم ہونا واجب ہے بسبب ان کے متعلق کے معدوم ہونے کے، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ جس شخص نے کہا میں نے تجھ پر آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور روشنی کی شعاعیں فروخت کیں، دوسرے نے کہا میں نے خریدیں، تواس کی شرعا ایجاب وقبول نہیں سمجھا گیااور یونہی ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ پر یہ آزاد شخص فروخت کیا اور دوسرے کا کہنا کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا کیونکہ مالیت کے منعدم ہونے اور محل کے منعدم ہونے میں کوئی فرق نہیں، خلاصہ یہ کہ محل کا خلل لازم کرتا ہے رکن خلل کو۔ تو گویا خلل رکن کے ذکر میں معنی کے اعتبار سے خلل مبیع بھی مذکور ہوا، ہاں اگر ماتن علیہ الرحمۃ اس کا ذکر کردیتے تو زیادہ ظاہر اور زیادہ واضح ہوجاتا (ت)

اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلا شروط فاسدہ اگر رکن و محل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلا بیع مقدور التسلیم نہیں یا مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مفہوم، اصل یہ کہ بیع شرعی میں مبادلہ مال بمال کانام ہے ایجاب و قبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل و قدرت تسلیم و شرط وغیرہا اوصاف اور انتقال ملک حکم واثر ہے اپنے وجود شرعی میں صرف رکن و محل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی ضرورت نہیں) جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عندالشرع راسا بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع عـــہ

عـــہ: یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

مسئلہ ۵۳: از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدر آباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعوی جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہر گز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسب دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوی ہو تو (/۸) کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے (عـہ) تک (عص۔للعہ) تک (عہ۔للعہ) تک (للعہ ماصہ) تک (مئے) ، وعلی ہذا القیاس او راس ممہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کر سکتا ہے غیر کی مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

نسأ اللّٰه هداية الحق والصواب اللهم اغفر (ہم اللہ تعالٰی سے حق اور درستگی کی ہدایت مانگتے ہیں اے اللہ! مغفرت فرما۔ت) یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں، اللہ عزوجل نے جواز تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی

قال تعالٰی عز من قائل " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھارے آپس کی رضامندی سے۔

حدیث میں جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل مالی امریئ مسلم الابطیب نفسه [2]۔ رواہ الدار قطنی عن انس بن مالك رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے، (اسے دار قطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لمسلم ان یأخذ عصا اخیه	مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن الدار قطنی کتاب البیوع حدیث ۹۱ نشر السنہ ملتان ۳/ ۲۶

بغیر طیب نفس منه قال ذٰلك لشدة ماحرم الله من مال المسلم علی المسلم [1]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحه عن ابی حمید الساعدی رضی الله تعالٰی عنه۔	چھڑی بے اس کی مرضی کے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالٰی نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے (اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو حمید ساعدی سے رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی بلیتین اختار اھونهما [2] (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے ہر کمتر کو اختیار کرے۔ ت) صرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجئے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسد رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہر گز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑالیا یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیار خود دیے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہو جائیں گے کہ ہر گز برضائے خود نہ دئے، اختیار ورضا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اور عقود بیع وشراء وہبہ وامثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے فساد کو بس ہے۔

کما مر فی قوله تعالٰی "عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" [3] وفی الحدیث الابطیب نفسه [4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں گزرا کہ کسی کا مال مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے سودا ہو، اور حدیث میں گزرا کہ کسی مومن کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال لینا حلال نہیں۔ (ت)

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول بیان احکام من ابتلی ببلیتین ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۱۷

ردالمحتار میں ہے:

نفی الرضٰی اعم من افساد الاختیار و الرضی بازاء الکراھة والاختیار بازاء الجبر ففی الاکراہ بحبس اوضرب لاشك فی وجوب الکراھة وعدم الرضی وان تحقق الاختیار الصحیح اذفسادہ انما ھو بالتخریف باتلاف النفس او العضو [1]۔	رضاء کی نفی فساد اختیار سے عام ہے اور رضا کراہت کے مقابلے میں جبکہ اختیار جبر کے مقابلے میں آتا ہے، چنانچہ قید اور مار کے ذریعے اکراہ کی صورت میں کراہت وعدم رضا کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہے کیونکہ فساد اختیار جان سے ماردینے یا عضو کے ضائع کردینے کی دھمکی دے حاصل ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الاکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضاء شرط لصحة ھذہ العقود وکذا لصحة الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء [2]۔	اکراہ ملجی و غیر ملجی یعنی اکراہ تام وناقص رضا کو ختم کردیتے ہیں حالانکہ ان عقود کی صحت کے لئے رضا شرط ہے اور اسی طرح صحت اقرار کے لئے بھی رضا شرط ہے، اسی لئے اس کو فسخ کرنے اور جاری رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔(ت)

بعینہٖ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلاوجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولھواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سنی جائے تو آدمی یا تو اپنے حقوق واملاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم ناخداترس جس کے اس عزم پر آگاہ ہوجائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کا ہے یا، رہی عاقبت، وہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا ہوگا ہوگا، آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کا کیا کہنا، وہ تو پورے بے غم ہے یا بحالت قدرت بطور خود جبرا اپنے حقوق واپس کرلے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۸۰

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۹۵

جوابدی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماں آش در کاسہ غرض دنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زنہار دار القضاء کے دروازے تک بازنہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے کہ اپنا حق بے کوڑی خرچ ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہر گز بطیّب خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکم قرآن وحدیث اسے مال حلال وطیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلم کہ بوجہ مرور زمان وعموم ابتلاء بہت لوگوں خصوصا مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالبا ظاہر نہیں ہوتے مگر حاشا یہ طیب نفس ورضائے دلی نہیں بلکہ یہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ت) آخر اور رقموں میں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا وسلاطین اموال ومزارع پر باندھ دیتے ہیں اول اول چند روز ایک عام واویلا رہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ زمانہ گزرا چلئے وہ رفتہ رفتہ ایک امور عادیہ میں داخل ہوگیا مگر دل کی خواہش ہر گز اس کی مساعد نہیں ہوجاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلا اسی کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہوجائے کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوی سن لیں گے پر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا وکلا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلاوجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعاً عدم رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شراء بالکل شرائے مکروہ کی حالت میں ہے **وبعد اللتیا واللتی** (اور بحث وتمحیص کے بعد۔ت) عدم رضا وفقدان طیب نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت کا بھاؤ کاٹ دے مثلا لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں بیچتے ہیں حاکم حکم دے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اسی صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اصلا نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کر دیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوئی، اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں۔ در مختار میں ہے:

اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل	اگر حاکم نرخ مقرر کردے اور بائع کو ضرب حاکم کا ڈر ہے اگر وہ اس نرخ میں کمی کرے تو

للمشتری[1]۔	ایسی صورت میں مشتری کے لئے حلال نہیں۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لوسعر فباع للخوف لم یحل للمشتری لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل مال امری مسلم الابطیب نفس منہ[2]۔	اگر حاکم نے نرخ مقرر کردیا اور بائع اس کے خوف سے فروخت کیا تو مشتری کے لئے حلال نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔(ت)

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے تو کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے تو اس شراء پر بھی رضا متحقق نہ ہوئی، فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

بالجملہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطابق حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا، ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے ہیں یا نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی، یا دائن کو یہ کاغذ درکار تھا مدیوں سے کہا میرے قرض لادے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم تھا، یا اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگایا خواہ کسی عزیز یا دوست یا محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زرثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب، اور صرف یہ بات کہ ومڑی کا کاغذ سوروپے کو کیونکر

---
[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲۴

جائے بعد ثبوت تراضی موثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں ہے:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[1]۔	اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں فروخت کیا تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کرچکا وباللہ التوفیق مگر ان صورتوں کا وقوع نادر ہے، انھیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی، اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک ہوسکتا ہے البتہ ایک صورت عدم اکراہ کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں تو انھیں شراء پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی، مگر اور وجوہ معصیت پیدا ہوں گی کہ در حال سے خالی نہیں یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرا لے گا کہ اس مشتری کا ایسا ارادہ ہے۔ برتقدیر ثانی سوء ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مال کی بناء پر کیونکر مال مسلم کا استحلال کرسکتا ہے۔ برتقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اس سے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کرنا ہوا جس طرح اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع ومعصیت،

قال عزوجل "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[2]۔ واللہ الھادی ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور حد سے بڑھنے پر۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، اخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش وفریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا، اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت ومذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مطلقاً جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہوا اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا، درمختار میں ہے:

لاباس ببیع المغشوش اذا بین غشه اوکان ظاھرا یری وکذاقال ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فی حنطة خلط فیھا الشعیر والشعیریری لاباس ببیعه و ان طحنه لایبیع وقال الثانی فی رجل معه فضة نحاس لایبیعھا حتی یبین[1]۔	ملاوٹ والی چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس کی ملاوٹ کو بیان کردے یا ملاوٹ ایسی ظاہر ہو کہ دکھائی دیتی ہو اور یونہی فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسی گندم کے بارے میں جس میں جو ملے ہوئے ہوں اس طور پر کہ جو نظر آتے ہوں تو ایسی گندم کی بیع کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس مخلوط گندم کو پیس لیا تو مت بیچئے، اور امام ابویوسف نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے پاس تانبا ملی چاندی ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر نہ بیچے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قول وان طحنه لایبیع ای	ماتن کا یہ فرمانا کہ جب اس نے مخلوط گندم کو پیس لیا

[1] درمختار باب المتفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

الاان یبین لانہ لایری[1]۔	تومت بیچے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیان کئے بغیر نہ بیچے کیونکہ اب اس میں ملاوٹ دکھائی نہیں دیتی۔(ت)

بالجملہ: مدار کا ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو چنوں میں کسایا بجہت عرف واشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵۵: ۸ شوال ۱۳۰۸ھ از لکھن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر منقسمہ کو صرف حق تلفی زوجہ منکوحہ ذی مہر اور ورثاء ذوی الفروض مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی کے بطن سے ہے بیع شرعی کرکے زر ثمن اس کا ہبہ کردینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب وقبول زر ثمن حقیت مبیعہ کا بحق مشتری ہبہ کردیا) ظاہر کرتا ہے تو درحالیکہ مشتری نابالغ ہے تو ہبہ کردینا زر ثمن کا بحق مشتری عندالشرع قابل تقسیم ہے یانہیں اور یہ بیع شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع شرعا محض باطل وناجائز ہے، وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعا نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس کا باپ،

قال رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاہر الحجر[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد خاوند کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔(ت)

تو زید اس پر اصلا ولایت مالیہ نہین رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو باپ دادا اور قاضی شرع اور ان کے اوصیاء کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ علاقہ نہ ں، تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم القاضی او	نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا، پھر دادا کا وصی پھر قاضی یا

[1] ردالمحتار باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶

وصیہ دون الام او وصیھا[1] (ملتقط)	اس کا وصی، نہ کہ ماں یا اس کا وصی (ملتقط) (ت)

اولا: زید کو اس نابالغ کے لئے جائداد اور اپنے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلا اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کسی کو نہیں۔ درمختار میں ہے:

ام و اخ لایملکان بیع العقار مطلقًا و لاشراء غیر طعام و کسوۃ[2]۔	نابالغ کی ماں اور اس کا بھائی نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو کسی طرح فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی انھیں طعام ولباس کے سوا کچھ خریدنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ثانیا: وہ اس خریداری میں فضولی ہے لعدم ولایۃ ولا وصایۃ (ولایت اور وصی نہ ہونے کی بناء پر۔ت) اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب وقبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف سے فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرہما بل یبطل الایجاب ولاتلحقہ الاجازۃ اتفاقا[3]۔	ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا تمام عقود میں جیسے نکاح اور بیع وغیرہ بلکہ وہ ایجاب باطل ہوجاتا ہے اور بالاتفاق اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فاذا اوجب الحاضر وھو فضولی من جانب اومن الجانبین لایتوقف علی قبول الغائب بل یبطل وان قبل العاقد الحاضر بان یتکلم بکلامین کما یأتی[4]۔	جب حاضر ایجاب کیا اور آنحالیکہ وہ فضولی ہے ایک طرف سے یا دونوں طرفوں سے تو وہ ایجاب، غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہے گا بلکہ باطل ہوجائے گا اگرچہ عاقد حاضر نے قبول کیا ہو بایں طور کہ دونوں کلاموں (ایجاب وقبول) سے تکلم کیا ہو جیسا کہ آرہا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶

[4] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۶

پس یہ بیع محض باطل و بے اثر ہے اور جائداد بدستور ملک زید پر باقی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: ۱۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک درخت عمرو سے اس شرط پر خریدا کہ اس کا کٹوا دینا عمرو کے ذمہ ہے اب عمرو اس کے کٹوانے میں حجت کرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درخت کاٹنے کے لئے بیچا جائے اس کا کاٹنا شرعاً مشتری کے ذمہ ہے **کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں اسے واضح کرچکے ہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر من الظهيرية اشترى شجرة للقلع يؤمر بقلعها الخ[1]۔	بحر میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے کہ کسی شخص نے اکھاڑنے کے لئے درخت خریدا تو خریدار کو اسے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا الخ (ت)

یہاں کہ برخلاف حکم شرع اس کے کٹوانے کی شرط ذمہ بائع لگائی گئی بیع فاسد ہوئی، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

يقطعها المشتری فی الحال (ای اذا طلب البائع تفريغ ملكه) وان شرط تركها فسد البيع كشرط القطع على البائع حاوی (وعلل فی البحر الفساد بانه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير[2] **اھ ملتقطا۔**	مشتری اس درخت کو فی الحال کاٹے یعنی جب بائع اپنی ملکیت کی فراغت کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو زمین میں چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگئی جیسا کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع پر عائد کرنے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، حاوی بحر۔ میں فساد کی علت یوں بیان فرمائی کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور وہ شرط ملک غیر کو مشغول رکھنے کی ہے اھ ملتقطا (ت)

پس بائع و مشتری دونوں گنہگار ہوئے اور دونوں پر بحکم شرع واجب ہے کہ اپنے اس بیع

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹، درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۹

کو فسخ کریں ان میں جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضامندی کے کہہ دے میں نے اس بیع کو فسخ کو فسخ فورًا فسخ ہوجائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا چاہیں اور حاکم شرع خوخبر ہو تو وہ جبرا فسخ کردے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے، درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعده ما دام المبیع بحاله اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذالایشترط فیه قضاء قاضی واذا اصر علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقا للشرع بزازیه[1]۔	بیع فاسد کو بائع ومشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے چاہے مبیع پر قبضہ سے پہلے ہو یا بعد، جب تک مبیع اپنے حال پر قائم ہے اور یہ فسخ فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ معصیت ہے۔ لہٰذا اس کا رفع واجب ہے، بحر، یہی وجہ ہے کہ اس میں قضاء قاضی کی شرط بھی نہیں اور اگر وہ اس بیع فاسد کے برقرار رکھنے پر اصرار کریں اور قاضی کو خبر ہوجائے تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں یعنی بائع ومشتری پر جبر کرکے فسخ کراسکتا ہے۔ بزازیہ اھ تلخیص (ت)

پھر جب اس بیع کو فسخ کرلیں اور باہم رضامندی ہو تو نئے سرے سے پھر بیع صحیح بغیر اس شرط مفسد کے کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷: ۴رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی قاروری فی سیکڑہ دس آنے کے حساب سے خرید کر بمنافع فی صدی دوآنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو قاروری کے مبلغ چھ روپے وصول پاکر قاروریان واسطے دینے عمرو کے اپنی دکان پر لاکر رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائے، عمرو نے جواب دیا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے پیلی بھیت سے واپس آکر لوں گا، جب عمرو پیلی بھیت سے واپس آیا اس وقت قاروریاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو قاروری کے سو قاروری بوجہ نازکی کے ٹوٹی نکلیں تو اب اس سو قاروری شکستہ کی قیمت ۱۲ زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ اس وقت بیع نہ ہوئی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

نہ تھیں اس نے خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کرلی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دوں گا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دئے یہ صورت بیع کی نہ ہوئی صرف ایک وعدہ قرار داد ہوا اور اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں نہیں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے۔

فی الدرالمختار من البیع الباطل وبیع مالیس فی مبلکه لبطلان بیع المعدوم وماله خطر العدم لا بطریق السلم لانه علیه الصلٰوۃ والسلام نهی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم [1] اھ قال فی ردالمحتار المراد بیع ماسیملکه قبل مبلکه له [2]۔	درمختار میں ہے کہ بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جا بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی الخ ردالمحتار میں فرمایا کہ اس سے مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں ہونے سے قبل۔(ت) پس شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اس کی عمرو سے کچھ علاقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۸: ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فردا پر وعدہ کیا مگر کل کی قیمت وعدہ پر ادا نہ کی، وعدہ کو فسخ کیا، بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام وناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع ومشتری دونوں پر اس سے دست کشی وتوبہ لازم ہے:

فی الدرالمختار باع ثمرۃ قبل الظهور لایصح	درمختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۵

اتفاقا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: مسئولہ محمد علی بخش ۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی! کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرتا ہوں اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ جب اس کا جی چاہے اسی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلاعذر ان کو دے دوں گا، اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمائے۔

الجواب:

اندراج شرط مذکور الصدور بیعنامہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شروط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع میں فقط محمد یعقوب علی خاں

الجواب:

بیعنامہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعا اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیزیں تین ہزار روپیہ کو بیچیں اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیں، اور عقد ختم کردیا، اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم سمجھا تو بیع صحیح وجائز ہوگئی، مشتری جائداد اور بائع قیمت کا مالک ہوگیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ ؎ باہم یہ ٹھہرالیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا، پھر اگر بیعنامہ میں اس وثوق سے کہ کہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ وعدہ قرار داد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خرید لوں اسے میرے ہاتھ بیع میں عذر نہ ہوگا تو اس لکھے جانے سے بیع میں اصلا حرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلا ذکر نہ تھا بیعنامہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی کو جو صحیح واقع ہوا فاسد نہیں ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰: از ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مٹی کی بیع وشراء میں کہ جائز ہے یا ناجائز؟

عــــہ: یتعلق بہ مسئلۃ التحاق الشرط بعد العقد بالعقد وفیہا قولان مصححان ۱۲ منہ۔	عقد کے بعد شرط کو عقد کے ساتھ ملحق کرنے کا مسئلہ بھی اس سے متعلق ہے اور اس میں دو مصحح قول ہیں ۱۲ منہ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی ما یدخل فی البیع تبعا الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے ہیں:

بطل بیع مالیس بمال، المال مایمیل الیه الطبع ویجری فیه البذل والمنع درر فخرج التراب ونحوہ[1]۔	جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے، اور مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس میں (بطور ہبہ وغیرہ) دینا اور (غیر کو اس میں تصرف سے) منع کرنا جاری ہوتا ہو (درر) چنانچہ مٹی وغیرہ اس تعریف سے خارج ہو گئی۔(ت)

اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پر بھنی میں مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل و منع جاری ہے اور بیع وشراء بھی جاری ہے اور یوما فیوما اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس صورت میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی بیع وشراء شرعا جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مٹی کہ مال و صالح بیع نہیں، وہ تراب قلیل ہے جس میں بذل و منع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک، ورنہ تراب کثیر خصوصا بعد نقل بلاشبہ مال ہے اور عموما اس کی بیع میں تعامل بلاد، مٹی کی گاڑھیا چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے جگہ بکتی ہے، ردالمحتار میں اسی عبارت درمختار پر لکھا:

قوله فخرج التراب ای القلیل مادام فی محله والا فقد یعرض له بالنقل مایصیر به مالا معتبرا ومثله الماء[2]۔	ماتن کے اس قول کہ "مٹی تعریف مال سے خارج ہو گئی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مٹی قلیل ہو اور ابھی تک اپنی جگہ پر پڑی ہو ورنہ وہاں سے نقل کر لینے کے بعد وہ مال معتبر بن جاتی ہے۔ اور پانی بھی اسی کی مثل ہے۔(ت)

بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقق حد مال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھ نے ایک روز قوم ہنود کے تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب فروش کی کہ جس نمونہ اور پیائش کی لکڑی

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۱

بکر کو درکار ہوگی زید چرا کر اپنے مصارف باربرداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچادے گا اور بکر نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح (۱۰عہ) زید کو ادا کریں گے اور اگر اس عرصہ میں نہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیں گے، چنانچہ زید نے حسب پیمائش فرمائش بکر کی لکڑی تیار کرکے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے حسب معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کرجائے، چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کرکے اپنا نشان اور ٹانچ لگا گیا اور زید نے اس پاس شدہ لکڑی کو اپنے مصارف باربرداری سے بکر کے مکان پر پہنچادیا اور بعد پہنچادینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کرلی اس مابین جب تک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آئے علاقہ بکر میں انتظاما تبدل و تغیر ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یوروپین سے قائم ہوا اس سے قیمت کا روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت ولعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی مستری کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا ہے ہنوز قیمت چوب کا روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے واپس لے جاؤ اور باقیماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح (۱۰عہ) کی دی جائے گی کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالش محکمہ جات حکام زمانہ کی امداد سے شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کرکے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان پر پہنچا کر رسید حاصل کی ہے بشرح (ے) روپیہ کے مع خرچ محکمہ کے وصول کرکے یا حسب خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ (۱۰عہ) کے وصول کرکے ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرا مصارف خرچ کرکے واپس لائے، بیان فرمائیں ثواب پائیں۔ فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوئی کہ یہ لکڑی وقت بیع معدوم وغیر مملوک بائع تھی اور ایسی چیز کہ بیع بے طریق سلم باطل محض ہے، درمختار میں ہے:

بطل بیع مالیس فی مبلکه لبطلان بیع المعدوم و ماله خطر العدم الابطریق السلم	غیر مملوک کی بیع باطل ہے بسبب باطل ہونے اس چیز کی بیع کے جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو مگر بطور رسلم اس کی بیع باطل نہیں

لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم نھی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم [1]۔	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہوا ور بیع سلم میں رخصت دی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لم ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع ولابیع مالیس مملوکاله وان مبلکه بعده الا السلم [2] الخ۔	اس چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو جیسے حمل اور تھنوں کے اندر دودھ، اور نہیں منعقد اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہوا گرچہ بعد میں اس کا مالک بن جائے سوائے بیع سلم کے الخ (ت)

توزید وبکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بناء پر ایک دوسرے سے کچھ مطالبہ کرسکے، زید اپنی لکڑی تمام وکمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لے جائے، ہاں اب از سرنو اس مال موجودہ کی بیع بر ضائے باہمی جس قیمت پر ہو جائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہوسکے گا **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلّہ ہاتھی تھان ۲۷ ربیع الاخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر ازروئے تخمینہ واندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ (مہ ہہ ۱۲/) ایک سو من بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے فروخت کیا اور فورًا زر قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سو من خام پر ہوتے ہیں، بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعا مذہب حنفیہّ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں، عنداللہ اجر وثواب ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

الجواب:

یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جائیں نرے سود ہیں۔

فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع ما لیس عندہ وعن بیع وشرط والربٰو ھو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایۃ[1] والمسائل واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع اور شرط سے منع فرمایا اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور یہ تمام مسائل واضح ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدا یار خاں صاحب ۱صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام سالما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ رس بیچا تھا بہ نرخ (صہ مہ /) فیصدی من یہ شرط ٹھہری تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ (معہ سہ /) کا دیں اور خدا یار کے اوپر ہمارا روپیہ باقی نکلے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو (مہ لہ /) کا نرخ لیں، سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی، اب نرخ (معہ سہ /) کا لینا سود تو نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہوں لہذا اب بھی تصدیعہ دیتا ہوں کہ مجھ کو صحیح اس کی اطلاع ہو جائے۔ زیادہ نیاز خاکسار خدا یار تبیتہ اللہ بالتصدیق والاقرار

الجواب:

یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو[2] وجہ سے: **اولا:** اس شرط میں احدا العاقدین کی منفعت ہے،

وکل شرط کذا فاسد وکل شرط فاسد فھو یفسد البیع وکل بیع فاسد حرام واجب الفسخ علی کل من العاقدین فان لم یفسخا اثما جمیعا وفسخ القاضی بالجبر۔	ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبرا اس بیع کو فسخ کرائے۔

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

ثانیا: اس میں جہالت قدر ثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ خدا جانے کس طرح واقع ہوگی ہارجیت بدی گئی ہے اور قمار بنص قطعی قرآن حرام ہے، **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ (مالعہ لعہ/) لے کر ایک اقرار نامہ بدیں مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چٹے لکڑی پانچ اقساط میں دوں گا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چٹے لکڑی دی اور اقرار نامہ مذکور الصدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چٹہ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا، پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ تحریری لینے کا شرعا مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوئی، عمرو پر لازم ہے کہ یہ ۲۵ چٹے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے (مالعہ لعہ/) عمرو کو پھیر دے اور اگر لکڑی موجود معین بیچی اور پھر اس میں سے ۱۱۵ چٹے مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دے دے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار ہوا اور عمرو اپنی لکڑی اس دوسرے مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۱۵ چٹے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے، بہر حال ہرجہ لینے کا کسی صورت میں اختیار نہیں، نہ وہ شرط اقرار نامہ اصلا قابل قبول۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباغت کرلی جائے تو بیچنا جائز ہے **لطھارتہ وحل الانتفاع** (بسبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ت) ورنہ حرام و باطل ہے **لانہ جزء میتۃ وبیع المیتۃ باطل** (اس لئے کہ وہ مردار کی جزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع جائز ہے **لما تقدم**

لان الحیاۃ لاتحلہ (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ت) اور ان احکام سے خنزیر مستثنٰی ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلا خرید وفروخت یا کسی قسم کے انتفاع کے قابل نہیں **لنجاسۃ عینھا** (اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶: مرسلہ محمد بشیر الدین طالبعلم مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانسمنڈی کانپور ۲۹ صفر ۱۳۳۰ھ

کوئی شخص زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صاف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد دس بارہ آدمی مل کر تقسیم کرکے کھائیں اس صورت میں بیع کیسی ہے؟ اور گوشت کھانا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام۔

والوجہ ظاہر فھو کجذع فی سقف بل اشد قال فی الدر فی السراج لوسلم الصوف واللبن بعد العقد لم ینقلب صحیحا وکذا کل ما اتصالہ خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی وجہ ظاہر ہے تو وہ چھت میں لگی ہوئی شہتیر کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر، در میں فرمایا کہ سراج میں ہے اگر عقد کے بعد اون اور دودھ مشتری کو سونپ بھی دیا تب بھی بیع صحیح نہ ہوگی اور ایسے ہی ہے ہر وہ چیز جس کا اتصال پیدائشی طور پر ہے جیسے حیوان کی کھال، کھجور کی گٹھلی اور تربوز کا بیج، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۷تا۶۸: از جاورہ ملک مالوہ مسئولہ جناب سید مقبول عیسٰی صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۰ھ

(۱) مسماۃ زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کابین نامہ بھی اس مضمون کی لکھ دی کہ جو زینب کو بالعوض دین مہر مبلغ پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور بالعوض اس دین مہر جو دو قطعے مکانات نصف نصف حصہ خود مع حدود اربعہ ہیں زینب کو دین مہر میں دے دیئے اور جو آئندہ جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ میں اپنے قوت بازو سے پیدا کروں گا اس کی مالک بھی عوض اس دین مہر کے منکوحہ رہے گی اور بشرط نااتفاقی جمیع جائداد منقولہ و

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

غیر منقولہ کی مالک منکوحہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش واقارب کا کسی طرح سے دعوی نہ ہوگا بعد ازاں ایک مدت کے زید نے اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے قوت بازو سے پیدا کی وہ بھی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ بموجب شرائط کابین نامہ زینب کو دے کر نصف قبضہ کرادیا، اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پاسکتی ہے یا زید؟ اور جو شے دین مہر میں اس صورت سے دے دی جائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلا قبضہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعد دو چار برس کے منجملہ جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا، زید نے اپنے نام نالش کرکے قبضہ لیا اور زینب کو دیا یا نہ دیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کرکے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویدار زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے کہ اندریں صورت اس مکان کی مالک زینب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض اور بیع میں قبضہ شرط نہیں۔

فی الدرالمختار لوقال وھبتك بكذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً[1]۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کیا ہے تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔(ت)

مگر یہ کابین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دیئے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ بھی بعوض دین مہر ملک زوجہ ہوا اور بحال نااتفاقی تمام وکمال کی مالک ہو، یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، اس باطل کی بناء پر جو بعد کی جائداد زید نے زینب کو دی وہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرادیا ہو **فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لا حکم له** (اس لئے کہ جو باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوتا ہے اور باطل کا کوئی حکم نہیں۔ت) وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے، زید وزینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان زید کو وپس دئے جائیں مہر زینب کا ذمہ دار زید ہے جبکہ وہ مکان قبضہ وملک زینب میں ہنوز موجود ہیں اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ واوقف یا وصیت یا رہن کرچکی تو اب مکانوں کی واپس نہ ہوگی

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

مگر مہر میں سے اتنا ہی ساقط ہو جتنے کی مالیت وہ مکان بر نرخ بازار ہوں باقی مہر ذمہ زید رہا،

(۲) اگر وہ مکان بعد کی جائداد میں تھا جب تو ظاہر ہے کہ زینب اس کی مالکہ ہی نہ تھی زید کا اقرار اپنے اسی شرط کی بناء پر ہے اور باطل کی بناء پر جو اقرار ہو باطل ہے **کما فی الاشباہ والدر وغیرھما** (جیسا کہ اشباہ اور درو غیرہ میں ہے۔ت) اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھا جو وقت نکاح مہر میں دیئے تو ہم بیان کر چکے کہ وہ بیع فاسد واجب الفسخ تھی اور زینب کا اسے کرایہ پر دینا مانع فسخ تھا۔

فی الدر المختار ان باعہ المشتری فاسدا بیعا صحیحا باتا لغیر بائعہ اووھبہ وسلم،او وقفہ وقفا صحیحا الفاسد فی جمیع مامروا امتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ وکذا کل تصرف قولی غیر اجازۃ ونکاح [1]۔	درمختار میں ہے اگر بیع فاسد کے مشتری نے مبیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کردیا یا ہبہ کرکے قبضہ دے دیا یا وقف صحیح کے ساتھ وقف کردیا یا اسی کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس مبیع فاسد کی وصیت کردی یا صدقہ کردیا تو ان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہوجائے گی اور فسخ ممتنع ہوجائے گا بسبب حق عبد کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے،اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولی کا سوائے اجارہ اور نکاح کے۔(ملتقطا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الاجارۃ تفسخ بالاعذار ورفع الفساد من الاعذار [2]۔	اس لئے کہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فسخ ہوجاتا ہے اور فسخ فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔(ت)

اب کہ زید نے اسے اپنی ملک ٹھہرا کر دعوی کیا اور ڈگری پائی،یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہوگیا مکان زید کو واپس آگیا اور زینب کا مہر اس پر رہا پھر زید اس اسے دے دینا اگر وہی بر بنائے سابق ہو جب تو باطل وبے سود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فاسد تھی اب بعد فسخ باطل ہوگئی،ہاں اگر اس بناء پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کرکے زینب کو قابض کردیا ہو تو زینب مالک ہوگئی جبکہ وہ نصف قطعہ مشاع نہ ہو،**واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۔۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۷

مسئلہ ۶۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

عمرو کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوئی کمہار ہمیشہ خرچ میں لاتا ہے، ہمیشہ کے لئے لوٹے گھڑے کمہار کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب:

یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے۔ نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی، نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی حاجت ہوگی، ہاں اگر یوں ہو کہ اتنی لکڑی کے عوض اتنے لوٹے، تو جائز ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰ تا ۷۱: مسئولہ حافظ محمد آمین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کرکے لایا اور اس نے اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہوچکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر بھی اس کو خریدتا ہے تو اس کے لئے وہ خرید ناجائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خرید لے تو کیا حکم ہے؟ اور بعد خرید لینے کے معلوم ہوجائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفاء دے کر حج بیت اللہ شریف کا جاتا ہے دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ تم استعفاء مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے اپنے مجھ کو قائم کردو اور مجھ سے پچاس روپے لے لو، تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کو اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ ملاک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر متشابہ ہیں اور احتراز اولٰی ہے، **انظر ردالمحتار من اول البیوع** (ردالمحتار میں کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۲: از قصبہ نیٹھور ضلع بجنور محلّہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پنشنر ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت پرامیسر نوٹ ۵ مسئلے دریافت کئے تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اور نیٹھور کے مدرسہ اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں تحریر ہے کہ جو روپیہ ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقر ہو یا مفلس یا منکر، مگر منکر کی صورت میں داین کے پاس اپنے قرض کی پکی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو تو ایسے قرض کی زکوۃ مالک کے ذمہ واجب ہے، مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے لے کر قبضہ کرے یا نہ کرے، اب عرض یہ ہے کہ پرامیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو ملک جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گویا ایسا ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید لے اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے واپس لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا جب تک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہوں خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقررہ ملتا رہے گا اب براہ کرم و بندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمائے ۶ پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف پرامیسری نوٹ کی بابت ہے سیونگ بنک کا جواب نہیں چاہتا۔ زیادہ حد ادب!

حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے یہ سید صاحب بہت ہی شش و پنج میں مبتلا ہیں ان کی تسلی فرما دیجئے گا از راہ کرم۔ فقط

الجواب:

پرامیسر نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لے گا گورنمنٹ کے یہاں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائے گا، یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار سے، تو وہ قرض یقیناً مردہ ہے، اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیوں کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے، وہ بیع ناجائز و فاسد و حرام ہے، مگر جبکہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کرے، اشباہ میں ہے:

لایجوز بیع الدین ممن لیس علیہ الدین الا	غیر مدیون کے ہاتھ دین فروخت کرنا جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جب اس کو

اذا سلطه علی قبضة [1]۔	قبضہ پر مسلط کرے۔ (ت)

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سود دیتی رہے گی، تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام روپیہ لینا حرام اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا۔ اور یہی معنی قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا اور انتفاع پر قدرت نہ ہو، لہٰذا حکم وہی ہے جو فتوٰی اول میں لکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۳: از ریاست رامپور محلّہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد ۱۲ع مرسلہ محمد عبدالقادر صفر ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالٰی فی ھٰذہ المسئلة (اس مسئلہ کے بارے میں تمھارا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ ت) زید نے نو آنے قیمت کے ایک ٹکٹ نو ۹/ آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا بعد ازاں سرکار نے اسی زید سے سوا روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دے دئے، بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوا روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا، بعد روپیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دو فی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دے دیا اب یہ معاملہ مطابق شرح شریعت کے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کپڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل وحوالة الکتب** (دلائل و حوالہ کتب کے ساتھ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

یہ صورت شرعاً باطل وناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں تو رکن بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پر بھی کام آتی ہے، اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے اس کے کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈتا پڑیں اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہو جائے، ہاں وہ کپڑا کہ اسے بلا وہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطور انعام دیا جاتا ہے تو وہ فی نفسہٖ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: مسئولہ محمد سلیمان شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۴۱

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۱۳

زمین مکانات سے باہر گلیوں کوچوں میں ہے سب سرکار نے ضبط کرلی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کردیا ہے، اب اگر دوسرا پڑوسی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان بنالے، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرف حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مسئولہ وزیر احمد مدرس

مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں **لان المعصیة لاتقوم بعینها** (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی۔ ت) مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی مدرسہ منظر اسلام ۱۵صفر ۱۳۳۹ھ

الی اعلیحضرت سیدنا وسید اهل السنت والجماعت مجدد المائة الحاضرة مدظلهم الاقدس السلام علیکم و رحمة الله و برکاته بعد لثم عتبتکم القدسیة ماتقول الشریعة الحنفیة الحنفاء فی هذه المسئلة هل یجوز مبایعة الحشیش الذی یقال له فی الهندیة بهنگ	بخدمت جناب اعلحضرت، ہمارے اور اہلسنت وجماعت کے سردار، موجودہ صدی کے مجدد، جناب کا سایہ مقدس دراز ہو، آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، جناب والا کی پاکیزہ چوکھٹ کے بوسہ کے بعد گزارش ہے کہ شریعت مطہر حنفیّہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الجواب:

یجوز للدواء وان ظن انه یتعاطاه للتفتیر لایحل البیع منه	دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے

لقیام المعصیة به بعینه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہٖ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع قطعی کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچہری سے تجویز ہو جانے پر جزو ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا بیع باطل ہے، سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرار پا کر بھی مال ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد؟ اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہو سکتی ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہو سکتی ہے؟

الجواب:

حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دئے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت، درمختار میں ہے:

یسقط الخلع کل حق متعلق بذٰلك النکاح [1]۔	خلع ہر ایسے حق کو ساقط کر دیتا ہے جو اس نکاح سے متعلق ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل المهر والنفقة المفروضة و الماضیة والکسوة کذٰلك [2]۔	یہ حکم شامل ہے مہر، نفقہ مقررہ، نفقہ گزشتہ اور اسی طرح لباس کو۔ (ت)

تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں پھر اگر حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برائت ہو تو بیع فاسد ہے لانه شرط فاسد فیه نفع احد العاقدین فیفسد البیع (کیونکہ یہ شرط فاسد ہے جس میں متعاقدین بائع و مشتری میں سے ایک کا نفع ہے لہٰذا بیع فاسد ہو گی۔ت) اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نصوا علیه قاطبة (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ت) دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۵

مسئلہ ۷۸: از دھامن گاؤں ضلع امراوتی، برار معرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ مسئولہ ضیاء الدین ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سودا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خریدتا ہے کہ اس وقت اس لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے، اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کئی سو عدد ہونا اگر اس قیمت معین پر لکڑی نہ دے گا تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لے لوں گا مہنگا ہو یا سستہ، اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کرلیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے سے لیتا ہے اس بیع پر شرط مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لے لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام و مثل ربٰو ہے **کما فی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از چوک لکھنو، مدرسہ فرقانیہ مرسلہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین در صحت بیع افیون و بنگ۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین افیون اور بھنگ کی صحت کے بارے میں؟ (ت)

الجواب:

صحت چیزے دیگر ست وجواز بمعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تاحد سکر حرام است فاما ہمچو خمر وخنزیر از تقوم برنیفتادہ است و چوں بیع برمال متقوم مقدور التسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت درینہا مطلق ست و گر برائے تداوی از بیرون بدن می خواہد میخواہد بمعنی حل نیز باشد و گر برائے معصیت میخواہد روانیست **قال تعالٰی** "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1] ۔**واللہ**	صحت اور چیز ہے اور جواز بمعنی حل دوسری چیز، مذکورہ اشیاء یعنی افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگرچہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں، جیسے شراب اور خنزیر متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مال متقوم مقدور التسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگرچہ حرام ہو لہٰذا صحت تو ان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان میں سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز بمعنی حل بھی ہوگا اور اگر معصیت کے لئے ان کی

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

تعالٰی اعلم۔	بیع مطلوب ہو تو جائز نہیں۔اللہ تعالٰی نے فرمایا گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۸۰: از ضلع سلمپور موضع سگوڑا کخانہ سگو، مولوی محمد حیات بروز یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جو کہ جانور حلال مر جائے اس کو مسلمان بکری کرکے اپنی ضرورت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو جانور مردار ہو گیا بغیر ذبح شرعی کے مر گیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۸۱: مسئولہ عبدالرحیم وخدابخش بریلی محلّہ اعظم نگر ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضے میں تھا حکیم مظاہر الاسلام کے والد نے اس کو بہ کوشش اہل محلّہ کچہری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہر الاسلام رحیم بخش بہشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہر الاسلام نے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھا لیا کسی اہل محلّہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر نفع کے خیال سے خرید لیا، آیا یہ خرید وفروخت قبرستان جائز ہے یا حرام؟ اور اہل محلّہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دے کر چھڑائیں یا بغیر قیمت، اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ وپکڑ ہے یا نہیں؟ اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ، اور اگر قیمت لیں تو مواخذہ شرعی ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فورا فورًا بلا قیمت چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا تو روز قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اسے تکلیف دی جائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقوں تک کھودے اور پھر وہ کروڑہا کروڑ من پہاڑ اس کے گلہ میں طوق ڈالے جائیں، اس پر اگر ایک کوڑی قیمت لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، اہل محلّہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلا قیمت اس کے قبضہ ظلم سے چھڑائیں اگر مجبور ہوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو یہ قیمت دے سکتے ہیں مگر اس کا لینا اسے سور کی مثل ہوگا اور خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی، کم یا زیادہ ہر طرح حرام قطعی ہے، ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہر الاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے، وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر قبرستان کو روک نہیں سکتا اسے فورا بلا قیمت واگزاشت کردے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا

نہ ملے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲ تا ۸۴: از سورت محلّہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز شنبہ بتاریخ ۶ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ مسلمانوں میں دو فریق ہوگئے تھے اس پر سے شہر سورت میں سے دو تین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور جس کا قصور رہا یا ان سے کہا کہ تم مقابل فریق سے اپنا قصور معاف کراؤ، تو انھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی، بعد میں جو شخص سورت گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیرینی منگواہی اور مجلس میں تقسیم کردی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرینی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمھارے مکان کا پانی، کھانا اور شیرینی چار مذہب میں حرام ہے، تو کہنے والا گنہگار ہے یا نہیں،

(۱) سورت میں لوگ اپنی بکری وکیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری ادا کردو، نفع ونقصان وکیل کے ذمہ اور دلالی کا روپیہ فی صدی دو روپیہ لے لو، یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تو اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) بے پڑھا فتوٰی دے دے کہ چار مذہب میں حرام تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہتا ہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کردیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیج دو خواہ تم کم کو بیچو یا زیادہ کو، اوران داموں میں سے دو روپیہ فیصدی اپنی دلالی کے لے لو، اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہ فریقین کو ناجائز ہے مؤکلوں کو بھی اور وکلاء کو بھی ایسی صورت میں اس شخص کا اعتراض بیجانہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1] **ہندیۃ عن الذخیرۃ۔**	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہوجائے، ہندیہ بحوالہ ذخیرہ۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

یعنی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہ حرام ہے، بے پڑھے کہ جو حکم شرعی سنا ہے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: مسئولہ الہ داد خان صاحب محرر مدرسہ اہلسنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایک ہزار روپیہ یا کچھ کم وبیش کا دو سو یا تین سو روپے میں عمرو کے ہاتھ فروکت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عمرو سے ایک اقرار نامہ علیحدہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کردینا جس قیمت میں مجھ سے خریدا ہے، اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کر زید نے مقرر کردیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہو کر اسی بناء پر وہ بیع ہوسکتی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کرایہ ٹھہرا کر کرایہ پر رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر عقد بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرداد ہوئی تھی کہ یوں بیع کرینگے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

اشار بقولہ بشرط الی انہ لابد من کونہ مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین (**تنبیہ**) فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا	ماتن نے اپنے قول "بشرط" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا عقد سے مقرن ہونا ضروری ہے اس لئے کہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد سے ملحق ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ملحق نہیں ہوتی، اوریہی زیاد صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے (تنبیہ) جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے عقد سے قبل کوئی شرط

لم یبطل العقد اھ قلت ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل، وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقد البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانہ صرح فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرہا بانہ یکون علی ماتواضعا اھ [1] (ملتقطا) مافی الشامی وکتبت علی قولہ یکون علی ماتواضعا اذا تصادقا علی ان العقد مبنی علی تلک الموضعۃ کما قید بہ فی الخیریۃ والخلاصۃ **اقول**: وھذا فی القضاء، اما فی الدیانۃ فاذا علم اللہ تعالٰی منھما البناء وعلیھا یکون وان تکاذبا من بعد [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	فاسد لگائی پھر عقد کیا تو وہ عقد باطل نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں کہ فاسد ہونا چاہئے اگر وہ دونوں اس پر متفق ہوں کہ عقد اسی شرط پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل میں اس کی تصریح کی خیر الدین رملی سے ان دو مردوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع وفاء پر قرارداد کی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ بیع ان کی قرار داد پر مبنی ہوگی (شامی کے بیان کے آخر تک) میں نے شامی کے قول "علی ماتواضعا" پر لکھا کہ یہ حکم تب ہوگا جب وہ دونوں اس بات میں سچے ہوں کہ یہ عقد اس قرار داد پر مبنی ہے جیسا کہ خیریہ اور خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم قضا میں ہے رہا دیانت میں تو جب اللہ تعالٰی کے علم میں ہے کہ انھوں نے عقد کی بناء اس قرارداد پر کی ہے تو یہ عقد اسی پر مبنی ہوگا اگرچہ انھوں نے بعد میں جھوٹ کہا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۶: مسئولہ ننھے میاں صاحب شہر بریلی محلّہ سوداگران از کرتوالی بروز شنبہ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کھیت اگر تیار ہوگیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱۔۱۲۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

کھیتی قائم رکھی جائے گی، تو خرید وفروخت ناجائز ہے **بشرط مافیہ نفع عاقد بلا قضیۃ العقد** (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاوہ زمین جس مین کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینہ کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے، درمختار میں ہے:

والحیلۃ فی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراك بباقی الثمن[1]۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔	کھیتی اور گھاس کے باقی رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو موجود ہو اس کو بعض ثمن کے مقابل میں خرید لے اور باقی ثمن کے عوض زمین کو ایک معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۸۷: از کسیراں کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ احمد علی ولد حکم محمد امیر ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خربوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے ہیں تو قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے، انبہ کی جنس فی روپیہ ایک صد آم، اور خربوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے، اور بعض اوقات جنس بقدر تول طے پاتی ہے اور اکثر بلاتعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمول وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہوجانے پر ہے۔ تو بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو شرعاوہ کیا فصل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب:

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے، اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑلے، اور اگر یہ ٹھہرا کر پھل تیار ہونے تک

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لگے رہیں گے تو یہ ناجائز وحرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ آم یا پانچ سیر خربوزہ یا کم وبیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نوسو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے جو قرار پاجائے، خربوزے، تربوز، ککڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہوے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہوجائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے میں چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے، درمختار میں ہے:

من باع ثمرۃ بارزۃ اما قبل الظھور فلا یصح اتفاقا ظھر صلاحھا اولا یصح فی ظاہر المذہب وصححہ السرخسی، ویقطعھا المشتری فی الحال جبرا علیہ وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع، والحیلہ ان یاخذ الشجرۃ معاملۃ علی ان لہ جزء من الف جزء وان یشتری اصول الرطبۃ کالباذنجان و اشجار البطیخ والخیار لیکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراك بباقی الثمن[1] مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے نمودار پھل بیچا چاہے اس کی صلاحیت ظاہر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اگر نمودار ہونے سے قبل پھل بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں، اور اگر کچھ پھل نمودار ہوا اور کچھ ابھی نمودار نہیں ہو تو ظاہر مذہب میں بیع صحیح نہیں سرخسی نے اس کو صحیح قرار دیا اور بیع کے بعد مشتری پھلوں کو فی الحال قطع کرے اس سلسلہ میں اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر اس نے پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ مشتری بائع سے درخت بطور معاملہ لے کر ہزار میں سے ایک جزء بائع کی ہوگی اور یہ کہ بینگن، تربوز اور ککڑی کی جڑیں خریدلے تاکہ نئے پیدا ہونے والے پھل مشتری کی ملک ہوں اور کھیتی اور گھاس میں موجود

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

بعض ثمن کے بدلے خرید لے اور باقی ثمن کے بدلے زمین کو مدت معینہ کے لئے کرایہ پر لے لے جس مدت میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: از کانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتا بگڈھی ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

پس از سلام مسنون حضرت سید ولد آدم وسید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت والا ہے کہ خادم کو چند مسائل کے متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے زید نے اپنے مکان کہ عمرو سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت ہے یعنی بیع تو اس وقت کی اور قیمت کی تقدیر وتعیین بکر کی رائے پر موقوف کردی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد، پھر جبکہ بکر نے تخمینہ تین ماہ کے بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اُٹھ گیا یا نہیں؟ اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا معنی ہے، اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں، امید کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ بیع فاسد ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اما اشرائط الصحة فمنها ان یکون البیع معلوما و الثمن معلوما علما یمنع من المنازعة فبیع المجهول جهالة تقضی الیها غیر صحیح کبیع شاة من هذا القطیع و بیع الشیئ بیقمته و بحکم فلان [1]۔	بیع کے صحیح ہونے کی شرط میں سے یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں جس سے جھگڑا پیدا نہ ہو، جیسے کہا جائے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس شے کی بیع اس کی قمیت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے مطابق بیع۔ (ت)

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہوگیا اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النهایة و الفتح و غیرهما قال شمس الائمة الحلوانی وان علم بالرقم فی	نہایہ اور فتح وغیرہ میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگرچہ مشتری کو مجلس کے اندر لکھی ہوئی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

المجلس لاینقلب،ذٰلك العقد جائز اولکن ان کان البائع دائما علی الرضافرضی به المشتری ینعقد بینهاعقد بالتراضی اهوعبر فی الفتح بالتعاطی والمراد واحد[1] اھ	قیمت معلوم ہوگی ــــــــــ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت) قیمت معلوم ہوگی ــــــــــ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت)

اور لفظ فتح یہ ہیں:

وجواز اذا علم فی المجلس بعقد اٰخر هوالتعاطی کما قاله الحلوانی[2] اھ**اقول**:وھذا التعیین ان التعاطی بعد عقد فاسد اذا وقع فی المجلس لایحتاج الی سبقة متارکة ذٰلك الفاسد بخلافه بعد المجلس الاتری الی تقییده وبقوله اذا علم فی المجلس والا فحصول البیع بعقد جدید لا یتوقف علی کونه فی المجلس الاول فقد حصل التوفیق وان استبعده الشامی و استظهر انهما روایتان اعنی اشتراط المتارکة فی التعاطی بعد الفاسد وعدمه فافهم وبالله التوفیق۔	مجلس میں معلوم ہوجانے پر اس کا جواز دوسرے عقد کے ساتھ ہے جو کہ تعاطی ہے جیسا کہ حلوانی نے فرمایا اھ میں کہتا ہوں یہ امر کی تعیین کے لئے ہے کہ بیشک تعاطی جب عقد فاسد کے بعد مجلس میں واقع ہو تو وہ پہلے اس عقد فاسد کے متارکہ کی محتاج نہیں ہوتی بخلاف مجلس کے بعد تعاطی کے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ فتح نے اپنے اس قول کے ذریعے قید لگائی کہ "جب اس کو مجلس میں معلوم ہو" ورنہ عقد جدید کے ساتھ بیع کا حصول اس بات پر موقف نہیں کہ وہ مجلس اول میں ہو تحقیق (مختلف عبارتوں میں) توفیق و تطبیق حاصل ہوگئی اگرچہ شامی نے اس کو بعید جانا اور احتیاط برتتے ہوئے کہا کہ بیشک یہ دو روایتیں ہیں یعنی عقد فاسد کے بعد تعاطی میں متارکہ کا شرط ہونا اور شرط نہ ہونا پس سمجھ اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

پھر شامی نے فرمایا:

وجزم بخلاف فی الھندیة اٰخر باب	ہندیہ میں باب المرابحہ کے آخر میں اس کے خلاف

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۷۴

المرابحة وذکر ان العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبه جزم فی الفتح هناك ایضا اھ[1]۔

اقول اولا: لقد ابعد الحجة فقد قال فی الهدایة من باب خیار الشرط انه اسقط المفسد قبل تقرره فیعود جائزا کما اذا باع بالرقم واعلمه فی المجلس[2] اھ واقره الفتح و الشراح وقال فی الفتح صدر البیوع مما لا یجوز البیع به البیع بقیمته اوبما حل به اوبما ترید اوبما اشتراه اوبمثل ما اشتری فلان لایجوز فان علم المشتری بالقدر فی المجلس فرضیه عاد جائزا اھ[3]۔ وقال فی البدائع لو قال بعت هذا العبد بقیمته فالبیع فاسد لان قیمته تختلف باختلاف المقومین فکان الثمن مجهولا وکذا اذا باع بحکم المشتری اوبحکم فلان

پر جزم کیا اور ذکر کیا کہ مجلس میں معلوم ہونے کو ابتداء عقد کی مانند بنایا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی طرح ہو جائے گا اور یہاں پر فتح نے بھی اسی پر جزم کیا اھ

اقول: (میں کہتا ہوں) **اولا:** علامہ شامی دلیل سے دور ہو گئے تحقیق ہدایہ کے باب خیار الشرط میں فرمایا کہ بیشک بائع نے مفسد کو فساد کے مستحکم ہونے سے قبل ساقط کر دیا تو بیع جائز ہو گئی جیسا کہ کسی نے لکھی ہوئی قیمت پر بیع کی اور مجلس کے اندر مشتری کو وہ قیمت بتادی الخ فتح اور شارحین نے اسے برقرار رکھا، فتح میں کتاب البیوع کے آغاز میں فرمایا جن چیزوں کے ساتھ بیع ناجائز ہے ان میں سے یہ ہے کہ کہ کسی چیز کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں یا اس چیز کے بدلے جس سے بیع حلال ہو یا بائع مشتری کو یہ کہے کہ جتنی قیمت تو چاہے اس کے بدلے میں بیچتاہوں یا کہے جتنے پر اس نے خریدا ہے اس کے بدلے میں یا کہے جتنے پر فلاں نے خریدا اس کی مثل قیمت کے بدلے میں، تو ان تمام صورتوں میں بیع ناجائز ہے پھر اگر مشتری کو مجلس کے اندر قیمت کی مقدار معلوم ہو گئی اور وہ اس پر رضامند ہوا تو بیع جائز ہو جائے گی الخ۔ بدائع نے فرمایا کہ اگر بائع نے کہا میں نے غلام اس کی قیمت کے عوض بیچا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] الهدایه کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۴

[3] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۷

لانہ لایدری بما اذا یحکم فلان وجہالۃ الثمن تمنع صحۃ البیع فاذا علم ورضی بہ جاز البیع لان الجہالۃ قد زالت فی المجلس ولہ حکم حالۃ العقد فصار کانہ کان معلوما عند العقد وان لم یعلم بہ حتی افترقا تقرر الفساد [1] اھ مختصرا وفیہا ایضا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان جملۃ الثمن مجہولۃ حالۃ العقد جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ فتوجب فساد العقد و عندنا اذا ارتفعت فی المجلس ینقلب العقد الی الجواز لان المجلس وان طال فلہ حکم ساعۃ العقد [2] اھ وفیہا ایضا اذا شتری ثوبا برقمہ ولم یعلم المشتری رقمہ حتی فسد البیع ثم	تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اس طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اھ مختصرا۔ اور اسی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہوجائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اھ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[2] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۹

علم رقمہ فان علم قبل الافتراق واختار البیع جاز عندنا وان کان بعد الافتراق لایجوز بالاجماع [1] اھ.	اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگرچہ تو یہ علم افتراق سے قبل ہو اور اس نے بیع کو اختیار کرلیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی الخ،
وثانیا: تتبعت جمیع باب المرابحۃ من الھندیۃ فلم ارفیھا ماذکر من التعلیل لافی النسخۃ المصریۃ ولا فی الھندیۃ وانما قال فیھما اول باب المرابحۃ ان باعہ بربح دہ یازدہ لایجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فیجوز ولہ(ای للمشتری)الخیار فاذا اختار العقد یلزمہ احد عشر استحسانہ وکذا الوباعہ تولیۃ ولایعلم المشتری بکم یقوم علیہ ولایجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فیجوز ولہ الخیار ھکذا فی محیط السرخسی [2] اھ وقال الاخر الباب من ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمہ البائع	**وثانیا:** میں نے ہندیہ کا تمام باب مرابحہ تلاش کیا تعلیل مذکورہ میں نے اس میں نہیں دیکھی نہ مصری نسخے میں اور نہ ہندی نسخے میں، ہاں بیشک اس کے اندر باب مرابحہ کے شروع میں یہ فرمایا اگر کسی نے دو یازدہ یعنی دس کی چیز بطور نفع گیارہ کے بدلے میں فروخت کی تو جائز نہیں مگر جب مجلس میں ہی مشتری کو ثمن کا علم ہوگیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر اس نے عقد کو اختیار کیا تو بطور استحسان اس پر گیارہ لازم ہوں گے یونہی اگر وہ چیز بطور تولیہ بیچی اور مشتری نہیں جانتا کہ اسے کتنے میں پڑے گی تو بیع جائز نہیں مگر جب مجلس کے اندر اس کو ثمن معلوم ہوگئے تو جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا اس طرح محیط سرخسی میں ہے اھ اور باب کے آخر میں کہا کہ جس شخص نے کسی مرد پر بطور تولیہ کوئی شیئ اتنے میں بیچی جتنے میں بائع کو کتنے میں پڑی تو یہ فاسد ہوئی، پھر اگر بائع

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۰

فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی [1] اھ وقال قبیلہ عن الحاوی اذا باع الرجل المتاع بربح دہ یازدہ او ماشاکل ذٰلك فاذا علم المشتری بالثمن ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ۔ان علم بالثمن قبل العقد فلیس لہ ان یرد [2] اھ **اقول:** والمراد العلم فی المجلس بدلیل ما تقدم وما تاخر۔	مجلس کے اندر مشتری کو بتادے تو بیع صحیح ہو گئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اسی طرح کافی میں ہے اھ اور اس سے تھوڑا پہلے حاوی کے حوالہ سے کہا کہ اگر کسی مرد نے کوئی سامان جو دس کا خریدا ہوا تھا گیارہ کے بدلے بیچا اس سے ملتی جلتی کوئی صورت اختیار کی پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا تو اس کا اختیار ہے چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری کو عقد سے پہلے ثمن معلوم ہوں تو اسے رد کا اختیار نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں اس سے مراد مجلس کے اندر علم ہونا ہے اس دلیل کے ساتھ جو پہلے گزری اور جو اس کے بعد ہے۔
وثالثا: التعلیل المزکور کالمتناقض فان اٰخرہ یفید انہ بالعقد الاول واولہ انہ بعقد جدید۔	**وثالثا:** تعلیل مذکور متناقض کی مانند ہے اس لئے کہ اس کا آخر اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد اول کے ساتھ ہے اور اس کا اول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد جدید کے ساتھ ہے۔ (ت)

صلب عقد بدلین ہیں فتح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہول میں ہے: **صلب العقد بدلان** [3] (صلب عقد دونوں بدل ہیں (یعنی ثمن ومبیع) ۔ت) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کار آمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو۲ روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا۔ ہدایہ میں ہے:

لوباع الی ھذہ الاٰجال تراضیا باسقاط	اگر کسی نے ان اوقات مذکورہ کے وعدہ پر بیع کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

الاجل قبل ان یاخذ الناس فی الحصاد و الدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع، وقال زفرلا یجوز لانه وقع فاسدا فلاینقلب جائزا، ولنا ان الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره وهذه الجهالة فی شرط زائد لافی صلب العقد فیمکن اسقاطه بخلاف ما اذا باع الدرہم بالدرہمین ثم اسقطا الدرهم الزائد لان الفساد فی صلب العقد[1]۔	پھر بائع اور مشتری اس مدت کو ساقط کرنے پر رضامند ہوگئے قبل اس کے لوگ کھیتی کاٹنے یا اس کو گاہنے کا آغاز کریں اور قبل اس کے کہ حاجی لوگ آئیں تو بیع جائز ہوگئی، امام زفر نے کہا جائز نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی لہٰذا جواز کی طرف نہیں پلٹے گی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد تو جھگڑے کے ڈر سے تھا درانحالیکہ وہ فساد مستحکم ہونے سے پہلے ہی دور ہوگیا اور یہ جہالت صلب عقد میں نہیں بلکہ ایک زائد شرط میں واقع ہوئی جس کو ساقط کرنا ممکن ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب ایک درہم دو درہموں کے عوض بیچا پھر بائع اور مشتری دونوں نے زائد درہم کو ساقط کردیا تب بھی یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں فساد صلب عقد میں ہے۔ (ت)

اور عدم شرط انعقاد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا،

فان انعدامه یعدم العقد لا انه منعقد بصفة الفساد فیمکن اصلاحه فی المجلس۔	اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کردیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔ (ت)

عنایہ امام کمال بابرتی محل مذکور میں ہے:

اعترض بانه اذا نکح بغیر شهود ثم اشهد بعد النکاح فانه لاینقلب جائزا ولیس الفساد فی صلب العقد واجیب بان الفساد فیه لعدم الشرط	اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کردے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فلاں عدم شرط کی

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۶۴

فھو قوی کما لوکان فی صلب العقد الاتری ان من صلی بغیر طھارۃ ثم تطھر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ اھ[1] ملخصا۔	وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کرلے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی اھ (ت)

اسی کے مثل فتح میں بھی ہے:

اقول: ویبتنی علی ان الشھود شرط الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاھر عامۃ کلماتھم وصرح فی الدر[2] وغیرہ انھم من شروط الصحۃ فیکون النکاح بلاشھود فاسدا لاباطلا واللہ تعالٰی اعلم۔ **ثم اقول:** بل الحق ان عدم شرط الانعقاد ومبطل لامفسد والکلام فی الفاسد فالسوال ساقط من اصلہ۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرف انعقاد ہیں اور کلمات فقہاء کاظاہر بھی اسی پر دلالت کرتاہے اور درو غیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرط صحت ہیں لہٰذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہوگا نہ کہ باطل، واللہ تعالٰی اعلم۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتاہوں) بلکہ حق یہ ہے کہ شرط انعقاد کا نہ پایا جاتا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سرے سے سوال ہی ساقط ہے۔ (ت)

ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کاازالہ عقد کو صحیح کرسکے گا، بعد مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کاآندھی چلنے یامینہ برسنے پر مؤجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرلے کہ بعد عمل انتہا ہے نہ کہ انتفاء جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگرآنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کردیا تو بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہوا، اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب اسقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہوگیا بے فسخ عقد مرتفع نہ ہوگا، ہدایہ کی عبارت گزری، فتح القدیر میں عبارت مذکورہ پر ہے:

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

تقییدہ بھذہ الاٰجال الاخراج نحو التأجیل بھبوب الریح ونزول المطر فانه لواجل بھاثم اسقطعه لایعود صحیحه اتفاقا[1]۔	ماتن کاان مدتوں کی قید لگانا ہواؤں کے چلنے اور بارش برسنے کی میعاد کو خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ اگر ان کے ساتھ میعاد مقرر کی پھر اسے ساقط کردیا تب بھی بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوگی۔(ت)

شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی پھر حقائق شرح منظومہ نسفیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

البیع باجل مجھول لایجوز اجماعا سواء کانت الجھالة متقاربة کالحصاد والدیاس اومتقاربة الریح وقدوم واحد من سفرہ فان ابطل المشتری المتقارب قبل محله وقبل فسخ العقد انقلب البیع جائزا عندنا ولو مضت المدۃ قبل ابطال الاجل تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا،وان ابطل المشتری المتفاوت قبل التفرق ونقد الثمن انقلب جائزا عندنا ولوتفرقا قبل الابطال تاکد الفساد ولا ینقلب جائزا اجماعا[2] (مختصرا)	مدت مجہولہ کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے چاہے جہالت متقاربہ ہو جیسے فصلوں کی کٹائی اور ان کو گاہنا،م یا جہالت متفاوتہ ہو جیسے ہواؤں کا چلنا اور کسی کا سفر سے واپس آنا،اگر مشتری نے جہالت متقاربہ والی میعاد کو مستحکم ہونے اور فسخ عقد سے پہلے ختم کردیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوجائیگی اور اگر میعاد کو ختم کرنے سے پہلے مدت گزر گئی تو فساد پختہ ہوگیا اور بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی،اور اگر مشتری نے جہالت متفاوتہ کو جدا ہونے سے قبل ختم کردیا اور ثمن ادا کردئے تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر جہالت کو ختم کرنے سے پہلے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اور اب بالاجماع جائز نہ ہوگی۔(مختصرا)(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

الاصل عندنا انه ینظر الی الفساد فان کان قویا بان دخل فی صلب العقد وھو البدل والمبدل لایحتمل	ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ فساد کو دیکھا جائے گا اگر وہ قوی ہے یعنی صلب عقد میں ہے جوکہ بدل ومبدل ہے تو رفع مفسد کے ساتھ جائز ہونے کا

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

الجواز برفع المفسد کما قال زفر اذا باع عبدا بالف درہم ورطل من خمر فحط الخمر عن المشتری وان کان ضعیفا لم یدخل فی صلب العقد بل فی شرط جائز یحتمل برفع المفسد [1]۔	احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ امام زفر نے اس صورت کے بارے میں کہا کہ جب کوئی شخص ہزار درہم اور یک رطل شراب کے بدلے میں غلام فروخت کرے پھر مشتری سے شراب کو ساقط کردے اور اگر فساد وضعیف ہے یعنی صلب عقد میں داخل نہیں بلکہ شرط جائز میں پایا گیا تو اس صورت میں رفع مفسد کے ساتھ جواز عقد کا احتمال ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

منھا(ای من شرائط صحۃ البیع)ان یکون مقدور التسلیم من غیر ضرر یلحق البائع،فاذا باعاجذ عالہ فی سقف اوآجرلہ فی حائط اوذرا عافی دیباج او کرباس لایجوز،فان نزعہ البائع اوقطعہ وسلمہ الی المشتری قبل ان یفسخ المشتری البیع جاز البیع حتی یجبر المشتری علی الاخذ لان المانع من الجواز ضرر البائع بالتسلیم فاذا سلم باختیارہ ورضاہ فقد زال المانع فجاز البیع ولزم،فرق بین ھذا وبین بیع الالیۃ فی الشاۃ الحیۃ والنوی فی التمروالزیت فی الزیتون والدقیق فی الحنطۃ والبزر فی البطیخ ونحو ھا انہ لا ینعقد اصلا حتی لو سلم لم یجز اولا صل المحفوظ ان لایمکن تسلیمہ الابضرر یرجع الی قطع	صحت کی بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو،چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یا ریشمی یا اونی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے مبیع کو اکھاڑ یا یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالے کردیا تو بیع جائز ہوگئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرور تھا اب جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیم مبیع کردیا تو وہ مانع زائل ہوگیا اور بیع جائز اور لازم ہوگئی،فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکی، کھجور میں موجود گٹھلی زیتون میں موجود روغن،گندم میں موجود آٹا،تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع مبیع کو مشتری کے حوالے بھی کردے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۸/۵

اتصال ثابت باصل الخلقة فبیعه باطل وما لایمکن تسلیمه الا بضرر یرجع الی قطع اتصال عارض فبیعه فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز ولقیاس علی هذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظهر الغنم لانه یمکن تسلیمه من غیر ضرر یلزمه بالجز الا انهم استحسنوا عدم الجواز للنص وهو ماروی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولان الجزء من اصله لایخلو عن الاضرار بالحیوان وموضع الجز فیما فوق ذٰلك غیر معلوم فتجری فیه المنازعة فلایجوز[1] اھ ملتقطا **اقول:** فکان هذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقوله "جذ عاله فی مقف اوآجر له فی حائط" یحتمل المعین فلا فساد الا من جهة لزوم الضرر۔

تسلیم مبیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی اور اگر تسلیم مبیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کرکے تسلیم مبیع کردے تو بیع جائز ہوجائیگی۔ اور اس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اگی ہوئی اون کی بیع جائز ہو کیونکہ اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرور لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہاء نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہٰذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس **میں کہتاہوں** کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہوگیا اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں" تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۶۷

بلکہ درمختار میں ہے:

(فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف) اما غیر المعین فلا ینقلب صحیحا ابن کمال (وزراع من ثوب یضرہ التبعیض) فلو قطع وسلم قبل فسخ المشتری عاد صحیحا ولو لم یضرہ القطع ککرباس جاز لانتفاء المانع[1]۔	چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے رہی غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہوسکتی (ابن کمال) اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے ایک گز کی بیع فاسد ہے پھر اگر مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر مشتری کے سپرد کردیا تو بیع جائز ہوگئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ (ت)

مگر ردالمحتار میں ہے:

وھو ضعیف لانہ فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر الجھالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد وارتفعت الجھالۃ ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانہ یعود صحیحا[2] عـــہ	اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فساد بیع کی علت لزوم ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع نے ضرر کو برداشت کرلیا اور مبیع مشتری کے سپرد کردیا تو مفسد زائل ہوگیا اور جہالت بھی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جزم کیا گیا کہ بیع صحت کی طرف پلٹ آئے گی۔ (ت)

عـــہ: جواب ناتمام ملا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۹۔۱۰۸

باب البیع المکروہ

(بیع مکروہ کا بیان)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلہ کوروک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ وممنوع ہے، اور اگر غلہ دور سے خرید کر لائے اور باتنظار گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں،

فی العالمگیریۃ الاحتکار مکروہ وذٰلك ان یشتری ذٰلك یضر بالناس کذا فی الحاوی وان اشتری فی ذٰلك المصر وحبسه ولایضر باھل المصر لاباس به کذا فی التتارخانیۃ ناقلاعن التجنیس واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما الی المصر وحبسه و	عالمگیریہ میں ہے احتکار مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شہر میں غلہ خرید لے اور اس کو فروخت کرنے سے روک رکھے اور یہ روکنا لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو یہ حاوی میں ہے اور شہر میں خرید کر اس کے بیچنے سے روکا مگر اس سے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا تو کوئی حرج نہیں یونہی تاتارخانیہ میں تجنیس سے نقل کیا گیا ہے، اور اگر شہر کے قریب سے خریدا اور شہر میں اٹھالایا اور فروخت سے روک رکھا جبکہ

ذٰلك یضر باھله فھو مکروہ ھذا قول محمد وھو احدی الروایتین عن ابی یوسف وھو المختار ھکذا فی الغیاثیة وھو الصحیح ھکذا فی جواہر الاخلاطی، وفی الجامع الجوامع فان جلب من کان بعید واحتکر لم یمنع کذا فی التاتارخانیة [1]۔	اس سے شہر والوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک میں یہی آیا ہے، یہی مختار ہے، اسی طرح غیاثیہ میں ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں مذکور ہے اور جامع الجوامع میں ہے کہ اگر کہیں دور سے اناج خرید کر کھینچ لایا اور شہر میں فروخت سے روک رکھا تو ممنوع نہیں، تتارخانیہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر کہنہ ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گیہوں خریدے فصل میں اور بقدر ضرورت اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے، اور باقیماندہ ماہ اساڑھ میں فروخت کر دئے اس شکل میں زید مواخذہ دار ہوا یا نہیں؟

الجواب:

بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گیہوں فصل پر خریدنے اور بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں زمانوں میں نرخ کا اختلاف معمولی طور پر ہمیشہ ہوتا ہے، ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ اور ماخوذ گناہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۱ تا ۹۲: از بریلی محلّہ ذخیرہ جناب مقبول الرحمٰن خاں

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار پائی وہ معاملہ بیع طے ہو گیا اور قبضہ مکان پر مشتری کو بعد تحریر مسودہ بیعنامہ کر دینے دستخط کے دے دیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیعنامہ تحریر ورجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی محلّہ کا جو پہلے خریداری سے انکار کر چکا تھا اب ایک سو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور قبضہ ہنوز اس شخص کا ہے جس سے پہلے بائعان کی گفتگو بیع کی طے ہو چکی ہے اور اس کے قبضہ میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے، ایسی صورت میں کون سی بیع شرعا جائز ہے اور جو بیع شرعی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع فصل فی الاحتکار نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۱۳

پر راضی نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال واطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اس کو حق اہل محلّہ کے پڑوسی ہونے کا حاصل ہوگیا یا نہیں؟ اور اگر حاصل ہوگیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اس کو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دوسرے کا اب بیع سے تعرض کرنا، قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔

فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن سوم الرجل علی سوم اخیہ [1] فضلا عن الصورۃ المذکورۃ فی السوال۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودا پر سودا کرے چہ جائیکہ سوال میں مذکورہ صورت ہو۔(ت)

مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا ظلم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الظلم ظلمات یوم القیمۃ** [2]۔ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائے گا۔

اور قرآن عظیم میں ظالموں پر لعنت فرمائی اور ہمسایہ ظلم اور بھی سخت اشد کبیرہ ہے، بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے شرعاً بیع ہوچکی رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعاً اصلاً ضرور نہیں، اور اس دوسرے شخص پر فرض ہے اس ظلم سے باز آجائے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۳: از چاندپور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عندالموقع بشرح نرخ بازار فروخت کردیا جائے اس کا منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہ حلال وجائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲ /۴۱۱

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲ /۱۰۶

حرام کہتاہے، حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلہ خود خریدلے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہو جائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے، اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورت سوال میں ہے تو اصلاً کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

کرہ احتکار قوۃ البشر والبھائم فی بلد یضر باھلہ فان لم یضر لم یکرہ[1]۔	انسانوں اور چوپایوں کی خوراک مہنگا بیچنے کی غرض سے ایسے شہر میں روک رکھنا مکروہ ہے جس کے باشندوں کو اس روکنے سے ضرر پہنچے اور اگر ضرر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اثم بانتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء للمسلمین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مہنگائی اور قحط سالی کے انتظار میں غلہ کو روک رکھنے سے گنہگار ہوا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے بدخواہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴: از ضلع فرید پور مرسلہ حافظ عنایت علی وکفایت علی ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف، احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم مبلغ بیس ۲۰ روپے کے ساڑھے نوسیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتاہے اور گندم کا نرخ بازار میں ساڑھے گیارہ سیر وبارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتاہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر وبارہ سیر فروخت کرکے اپنا کام نکال لیتاہے اور جو شخص گندم ادھار دیتاہے اس کے مکان پر گندم نہیں بازار سے خرید کر دیتاہے، دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے مانگتاہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتاہے اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس لئے جائیں گے جیسا کچھ ارشاد فرمائیں۔

الجواب:

یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے، **کما فی الفتح وردالمحتار** (جیسا کہ فتح اور رد المحتار میں ہے۔ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۶

باب بیع الفضولی
(فضولی کی بیع کے احکام)

مسئلہ ۹۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملا تھا بلااجازت ہندہ بیع کیا اور اپنے صرف میں لایا، آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیار مطالبہ حاصل ہے یانہیں؟ اور زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز جو والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا ہے ملک ہندہ کی ہے یا زید کی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز کہ والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلاوجہ ملک ہندہ ہے زید کو اس میں کچھ حق نہیں۔

فی الدرالمختار جهز ابنته بجهاز وسلمها ذٰلك ليس له الاسترداد منها، ولالورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به، وبه يفتی [1]۔	درمختار میں ہے کہ باپ نے بیٹی کو جہز دیا اور بیٹی کے قبضہ میں دے دیا تواب نہ تو وہ خود واپس لے سکتا ہے نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں جب کہ اس نے یہ جہیز حالت صحت میں دیا ہو بلکہ اس جہیز کی ملکیت بیٹی کے ساتھ مختص ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

پس وہ بیع کہ زید نے کی بلااجازت ہندہ نافذ نہیں ہو سکتی، اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھر سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپے کے قیمت کے تھے چھ سو روپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے، بعد پندرہ روز کے بعد ہندہ مر گئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالٰی ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ تو برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں

فی التلویح لوباع من احد الورثة عینا من اعیان الترکة بمثل القیمة فلایجوز عند ابی حنیفة [1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	تلویح میں ہے اگر اشیاء ترکہ میں سے کوئی خاص شیئ کسی نے اپنے وراث کے ہاتھ برابر قیمت پر فروخت کی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷:

مثلا زید یک مکان بلااجازت عمرو خریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت وزر ثمن آں نیز خود دادہ اقرار ہم کردہ ماند کہ ایں مکان عمرو ست بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان در سفر بود درانجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ واقرار مذکور در خواستند وزید بحکم حاکم تفویض وتسلیم	مثال کے طور پر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوادیا اور اس کا زر ثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے، بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفر پر تھا وہیں فوت ہوگیا تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید حاکم کے حکم پر

[1] التلویح مع التوضیح فصل فی الامور المعترضة علی الاھلیة منھا المرض نورانی کتب خانہ قصہ خانی پشاور ص ۶۶۳

ایشاں کرد پس الحال زید مستحق یافتن زر ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردید از ورثاء عمرو ہست یا بوجہ اقرار بر ملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زر ثمن مکان ازاں عمرو ست، **بینوا توجروا**

وہ مکان ان کے حوالے کردیا، توکیا اب زید وہ زر ثمن عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے یا مکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کااقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہوگیا کہ مکان کہ زر ثمن میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کرو اجر پاؤگے۔ (ت)

الجواب:

شرعا درصورت مسئول فیہا زید مستحق یافتن زر ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از روثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، واقرار زید بمکان برائے عمرو کہ ہمچوں صورت خرید درغیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمو عموما خصوص بحالیکہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بریک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقربہ کہ جزء تابع آں نباشد نمے شود وزر ثمن کہ چیزے منفصل وعلیحدہ از مکان مقربہ است بجہت نبودن جزء مکان ومرکب نبودنش دراں تابع مکان نیست پس داخل دراقرار مکان عموما خصوص درحالیکہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریہ مقبوضہ ذات

صورت مسئولہ میں عمرو کے ورثاء کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید ان سے وہ زر ثمن حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے جس زر ثمن کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے، اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لئے ہے جیسا کہ خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا بایں معنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے اس بات کا اقرار عموما نہیں ہوسکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولی ثمنوں کا ملک عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کااقرار کسی دوسری ایسی چیز کااقرار نہیں ہوسکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کااقرار کیا گیا ہے اور اس کی تابع جزء نہ ہو، اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کے لئے کیا ہے لہذا اس مکان کی جزء نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زر ثمن مکان کے تابع نہیں چنانچہ بالعموم اقرار مکان میں داخل نہ ہوسکے گا

ولد واقرار بصندوق محمولہ متاع و اقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع ودواب کہ اقرار بولد جاریہ ومتاع صندوق ومتاع دار ودواب از ہمیں علت جامعہ یعنی از جہت نبودن ہر یکے ازاں جزو تابع مقربہ نمے شود در فتاوٰی قاضیخان نوشتہ رجل فی یدیہ جاریۃ وولدہا فقال ان الجاریۃ لفلان لایدخل فیہ الولد [1] الخ۔ ودر محیط نوشتہ (عبارت منقول بر ہامش در مختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا واگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضموم یعنی داخل نبودن ثمن غیر مقربہ در اقرار مکان ولازم نبودنش بر مقران از ھدایہ وعینی وغیر ہما بقیہ مااقربہ در عبارت لزمہ اقرارہ مجھولہ کان مااقربہ اومعلوما [2] والاقرار ملزم علی المقر مااقربہ [3]۔ واضح مے شود وچوں ثمن غیر مقربہ داخل در اقرار مکان نمی تواند شد

خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا ہے کہ ثمن میں اپنے پاس دے رہاہوں یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر کے بارے میں اقرار کے جس میں سامان اور چوپائے ہوں تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل نہ ہوگا اسی علت جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزون کی جزء وتابع نہیں جن کے بارے میں اقرار کیا گیا، فتاوٰی قاضی خاں میں لکھا ہواکہ ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی اور اس کی اولاد ہوااور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں شخص کی ہے تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل نہ ہوگی الخ۔اور محیط میں مرقوم ہے (عبارت بر ہامش در مختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا اور اگر خوب غور کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنیوالوں پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور مااقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے حاصل ہوتا ہے جو قید انھوں نے ان عبارتوں میں لگائی کہ مقرپر اس کااقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی الاستثناء نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۳

[2] الھدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۲۹

[3] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الاقرار المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۳/ ۷۷ ۴، فتح القدیر کتاب الاقرار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/

پس زید کہ مکان مذکور آں بلااجازت عمرو بنام اوخریدہ زر ثمن آں از نزد خود بجہت مباشر بودن معاملہ خرید ومضطر بودن درادائے ثمن کہ دینے واجب الادا بود بیائع آں نمود ورثہ عمروآں مکان را بعد حکم حاکم بر تسلیم زید در قبض خود درآورند بے شبہہ زید مستحق یافتن زر ثمن ادا کردہ خود از ورثہ عمرواست واحتمال تطوع و تبرع درہمچوں حالت اضطرار ادائے ثمن مفقود کہ شرعامضطر بادائے دین ذمگی کسے بہ نہجیکہ باشد ہر گز متطوع ومتبرع قرارداده نمی شود چنانچہ ازیں روایت معتبرہ شرح حموی ظاہر ست لو قضی واحد من الورثۃ حق الغریم من مالہ علی ان لایرجع فی الترکۃ فالقاضی لاینقض القسمۃ بل یمضیھا اما اذا شرط الرجوع او سکت فالقسمۃ مردودۃ الاان یقضوا حق الوارث الذی قضی حق الغریم من مالہ وھذا الجواب	وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول، مقر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے۔جب غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں ہو سکتے تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے بغیر اس کے نام پر خریدا اور زر ثمن اپنے پاس سے اس لئے بائع کو دیا کہ ہو خریداری کے معاملہ میں مباشر تھا اور ثمن جو کہ واجب الادا دین ہے کی ادائیگی میں مجبور تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے ورثاء نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب زید بلا شبہ عمرو کے ورثاء سے اس زر ثمن کو وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا) کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و تبرع کرنے والا ہر گز قرار نہیں دیا جاتا، جیسا کہ شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے اگر کسی وارث نے اپنے مال سے کسی قرض خواہ کا حق ادا کر دیا اس شرط پر کہ وہ ترکہ میں سے قرض کا رجوع نہیں کرے گا تو قاضی تقسیم کو نہیں توڑے گا بلکہ اس کو قائم رکھے گا اور اگر اس نے ترکہ سے رجوع کی

ظاہر فیما اذا شرط الرجوع مشکل فیما اذا سکت، وینبغی ان یجعل متوطعا اذااسکت و الجواب انہ لم یجعل متطوعالانہ مضطر فی القضاء [1] انتہی۔	شرط لگائی یا خاموش رہاتو تقسیم مردود ہوگی تاوقتیکہ ورثاء اس وارث کا حق ادا کردیں جس نے قرضخواہ کا حق اپنے مال سے ادا کیا، یہ حکم شرط رجوع والی صورت میں ظاہر اور سکوت والی صورت میں شکل ہے چنانچہ خاموش رہنے کی صورت میں اس وارث کو متطوع قرار دینا چاہئے،اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو متطوع اس لئے قرار نہیں دیا گیا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں مجبور تھا انتہی،
وبرائے ثبوت استحقاق زید بہ نسبت یافتن زر ثمن از ورثہ عمرو کہ مکان خریدہ زید رابعد حکم حاکم بہ تسلیم زید باوصف ثبوت ادائے ثمن ازاں زید بقبضہ ایشاں دررسیدہ ایں روایت ہدایہ وعنایہ ونتائج وغیرہ کنایت میکند وھی ھذہ ومن قال الاخر بعنی(منقول ھامش الدر من باب الفضولی)الا ان یسلمہ المشتری لہ ای الاان یسلمہ المشتری لہ العبد المشتری لاجلہ الیہ ویجوز ان یکون معناہ الاان یسلم فلاناً العبد المشتری لاجلہ وفاعل یسلم ضمیر یعود الی المشتری بناء علی الروایتین بکسرالراء وفتحھا فیکون بیعاً و علیہ العھدۃ ای علی	زید کاخریدا ہوا مکان حکم حاکم پر زید کے سپردگی کے بعد جب ورثاء عمرو کے قبضہ میں پہنچ گیا باوجودیکہ زید کی طرف سے زر ثمن کی ادائیگی ثابت ہے تواب ورثاء عمرو سے زید کے زر ثمن کے مستحق ہونے کے ثبوت کے لئے ہدایہ، عنایہ اورنتائج کی یہ روایت کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو کہا کہ مجھ پر فروخت کرالخ (منقول از حاشیہ درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا یعنی سوائے اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خریدا ہواغلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدااور ممکن ہے کہ معنٰی یوں ہو مگراوقت بیع جائز ہوگی جب مشتری خریدا ہواغلام اس فلاں کے سپرد کردے جس کی خاطر وہ غلام خریدا گیااور یسلم کا فاعل ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے، یہ اختلاف دوروایتوں پر مبنی ہے مشتری کی راء پر کسرہ اور فتحہ

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القسمۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۹۵۔۹۴

فلان عهدة الاخذ بتسليم الثمن لانه صار مشتريا بالتعاطى كالفضولى اذااشترى لشخص ثم سلمه المشترى لاجله۔[1] عناية الا ان يسلم المشترى له روى لفظ المشترى بروايتين بكسر الراء وفتحها فعلى الكسر يكون المشترى فاعلا، وقوله له اى لاجله ويكون المفعول الثانى محذوفا وهو اليه۔ فالمعنى الا ان يسلم الفضولى العبد الذى اشتراه لاجل فلان اليه، وعلى الفتح يكون المشترى له مفعولا ثانيا بدون حرف الجر وحو فلان، ويكون الفاعل مضمرا يعود الى المشترى فالمعنى الا ان يسلم الفضولى العبد الى المشترى له وهو فلان، ثم ان هذا الاستثناء من قوله لم يكن [2] الخ(منقوله هامش الدر من الفضولى)الخ	کے ساتھ تو اس طرح یہ نئی بیع ہوگی اور اس کی یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کرکے اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری ہوگیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے کچھ خریدے وہ چیز اس کے حوالے کردے جو اس کے لئے خریدی گئی (عنایہ) مگر یہ کہ مشتری وہ غلام اس کے حوالے کردے، لفظ مشتری دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا اور ماتن کا قول له کا بمعنی لاجله ہوگا اور مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ الیه ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی (مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے خریدا وہ فلاں کے حوالے کردے، اور فتحہ کی صورت میں مشتری له بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور مشتری له وہ فلاں ہی ہے اور یسلم کا فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ فضولی (مشتری) غلام کو مشتری له (جس کے لئے خریدا گیا) کے حوالے کردے اور وہ یعنی مشتری له وہ فلاں ہی ہے، پھر یہ استثناء ماتن کے قول لم یکن الخ سے ہے (منقول از حاشیہ در

[1] العناية على هامش فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكالہ فى البيع والشراء مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲

[2] نتائج الافكار وهى تكملہ فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكالہ فى البيع والشراء مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲

نتائج، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ احکم المجیب المدعو بمحمد فقیر اللہ الغنی عفی عنہ ارسلہ الی سید مولٰنا شاہ علی باھتمام تام للتصدیق لمنتصف جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ۔

باب الفضولی) نتائج، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم بہت مضبوط ہے، مجیب فقیر محمد فقیر اللہ نے اس کو سید مولٰنا شاہ علی کے پاس پورے اہتمام کے ساتھ تصدیق کے لئے ارسال کیا نصف جمادی الاولٰی ۱۲۹۵ھ (ت)

اقول: حاصل الجواب امران الاول انہ انما اقر بالدار دون الثمن وکان مضطر الی قضائہ فیرجع ولایجعل تبرعا، الثانی انہ لما سلم الدار الی ورثۃ عمرو صار بیعا مبتدا بالتعاطی فکان عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن علیھم وانت تعلم ان بین الامرین تباینا وتنافیا وعندی الجواب لیس کما قال لان زیدا اما ان یکون قال عندالشراء اشتریتہ لفلان اوقال لی اولا ولا علی الاول کان فضولیا یتوقف نفاذ شرائہ علی اجازۃ من اشتری لہ وقد مات قبل ان یجیز فبطل واستبان ان المبیع للبائع و الثمن للفضولی المشتری الذی اداہ من عندہ، فلا شیئ

اقول: (میں کہتا ہوں) جواب کا حاصل دو امر ہیں: پہلا یہ کہ زید نے مکان کا اقرار کیا نہ کہ ثمن کا اور وہ ثمن کی ادائیگی میں مجبور تھا لہٰذا وہ رجوع کرے گا اور اس کو تبرع قرار نہیں دیا جائے گا، دوسرا امر یہ ہے کہ زید نے جب مکان ورثاء عمرو کے حوالے کردیا اور یہ تعاطی کے ساتھ نئی بیع ہوئی تو اب ثمن ادا کرکے اس کو لینا عمرو کے ورثاء کی ذمہ داری ہے اور تو جانتا ہے کہ ان دونوں امروں میں مخالفت ومنافات ہے، اور میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح نہیں جس طرح میرے مجیب نے کہا اس لئے کہ زید نے خریداری کے وقت یا تو یہ کہا ہے کہ میں نے یہ مکان فلاں کے لئے خریدا ہے یا یہ کہا کہ یہ میرے اپنے لئے ہوگا یا ایسا اس نے نہیں کیا، پہلی صورت میں وہ فضولی ہے اور اس کی خریداری کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا جس کے لئے اس نے یہ مکان خریدا حالانکہ وہ اجازت سے قبل مرگیا ہے تو بیع باطل ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ مبیع بائع کی ملک اور ثمن اس فضولی مشتری کی ملک ہے جس نے اپنے پاس سے ادا کیا، چنانچہ

لعمرو ولاالورثته وحکم الحاکم لهم لایعتبر بل یرد ویفسخ لانه قضٰی لهم بمال الغیر والاقرار باطل لانه اقرار بملك الغیر نعم ان انتقل الیه بعد بوجه من الوجوه اخذ باقراره فاذ ارفع الامر الی القاضی وجب ان یرد قضاؤه لظهور خطائه من جهة الشرع، وهذا التعاطی ایضا لایجوز ان یکون بیعا مبتداءً اذا لفضولی لاحق له فی المبیع وان کان کان بیع فضولی متوقفا علی اجازة البائع الاول. فان اجاز کان الثمن له لاللفضولی والا یسترد الدار من الورثة ویرد الثمن علی الفضولی، وعلی الثانیین نفذ الشراء علی الفضولی لعدم الاضافة. الی من اشتراها لاجله. ثم انه مواخذه باقراره وقد قضی القاضی للورثه بالدار محتجین بالاقرار ففیم یرجع علیهم بالثمن و ان ثبت عندا لقاضی انه انما شراه بثمنه	عمرو اور اس کے وراثوں کے لئے کچھ بھی نہیں اور ان کے حق میں حاکم نے ان کے لئے ملک غیر کا حکم کیا ہے اور اقرار باطل ہے کیونکہ یہ ملک غیر کا اقرار ہے، ہاں اگر اس کے بعد کسی طرح وہ مکان زید کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ اس کے اقرار کے سبب سے لے لیا جائے گا، اور اگر یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو اس پر پہلے فیصلے کو رد کر دینا واجب ہے کیونکہ شریعت کی جہت سے اس کی خطاء ظاہر ہو چکی ہے اور اس تعاطی کا نئی بیع ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ فضولی کا مبیع میں کوئی حق نہیں اور اگر نئی ہوئی بھی تو ایسی بیع فضولی ہو گی جو بائع اول کی اجازت پر موقوف ہو گی اگر اس نے اجازت دے دی تو ثمن اس کے لئے ہوں گے نہ کے فضولی کے لئے، اور اگر اس نے بیع کو رد کر دیا تو مکان عمرو کے وارثوں سے واپس لے لیا جائے گا اور ثمن فضولی کو لوٹا دئے جائیں گے، دیگر دونوں صورتوں میں خریداری فضولی پر نافذ ہوئی کیونکہ اس نے اس شخص کی طرف اضافت نہیں کی جس کے لئے اس نے گھر خریدا پھر بسبب اس کے اقرار کے وہ ذمہ دار ہو گیا اور قاضی نے ورثاء عمرو کے حق میں فیصلہ دیا جو زید کے اقرار کو دلیل بنا رہے ہیں تو اب زید (فضولی) ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو پر کس وجہ سے رجوع کرے گا اور اگر قاضی کے ہاں ثابت

لما وقع عندالشراء فی محکمة القضاء ولم لم یستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذلیس معنی المؤاخذة بالاقرار ان یقضی بالمقربه للمقرله ویرجع المقر بالثمن بناء علی انه کان اشتراه اذ فی الاقرار لاینظر الی الواقع انما یواخذ الرجل بزعمه لاحتمال انه کان اشتراه ثم حدث سبب فصار ملکا للمقرله وان ادعی انه انما اقر بناعلی زعمه ان اشراءه لاینفذ علیه فھذه کلمة ھو قائلھا لاتقبل منه لما فی الاشباہ اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل الا اذااقر بالطلاق اذا اقر به بناء علی مافتی به المفتی [1]۔ ثم ظھر ان الحکم لیس کذٰلك فادعی الخطاء بناء علی ھذا قبل وکذا ان ادعی ان اقراره کان تملیکا وہبة وبطلت لموت عمرو	ہوجائے کہ زید نے وہ مکان عمرو کے ثمن سے خریدا ہے تو اہل شرع خریداروں کے نزدیک یہ معاملہ محکمہ قضاء کے تحت داخل نہ ہوگا اگرچہ کسی کے شے مکان کا اقرار کرنا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مکان اس کے ثمن سے خریدا گیا ہے کیونکہ کسی شخص کو اس کے اقرار کے سبب پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اقرار والی شے کا فیصلہ اس شخص کے لئے کیا جائے جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اور پھر اقرار کرنے والا اس بناء پر مقرلہ سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے کہ اس اقرار کرنے والے نے یہ شے خریدی تھی اس لئے کہ اقرار میں واقع کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اقرار کرنے والا اپنے گمان/قول کے سبب سے پکڑا جاتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اقار کرنے والے نے اس شیئ کو خریدا ہو پھر کوئی ایسا سبب پیدا ہوگیا ہو جس سے وہ شے مقرلہ کی ملکیت منتقل ہوگئی ہو، اور اگر اقرار کرنے والا یہ دعوٰی کرے کہ اس نے یہ شیئ (مقر یہ اس خیال سے خریدی تھی کہ اس کی خریداری مجھ پر نافذ نہ ہوگی تو یہ محض اس کا ایک قول ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو اشباہ میں کہ ایک شخص نے کسی چیز کا اقرار کیا پھر اس میں خطاء کا

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۔۲۰

قبل القبول والتسلیم فان الموت احدالعاقدین یبطل الهبة اذا کان قبل التسلیم فقبل القبول ـــــ ف ـــ ابی لم تقبل ایضا صرح به فی الاشباه ثم هذا التسلیم الواقع بامر القاضی انما وقع علی حکم الاقرار لاعلی وجه البیع والتسلیم لایکون بیع التعاطی الااذا وقع علی جهته قال فی الدر فی باب الوکالة بالبیع والشراء لان التسلیم علی وجه البیع بیع بالتعاطی [1] الخ۔ وایضا یعتمد البیع بالتراضی و ههنا التسلیم بامر القاضی ولا رضاء بعد القضاء هذا ماظهر لی من وجوه الخلل فی الجواب فالحق فی الجواب ما	دعوٰی کیا تو یہ دعوٰی قبول نہیں کیا جائے گا سوائے طلاق کے کہ جب کسی شخص نے مفتی کے غلط فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کرلیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے چنانچہ اس وجہ سے اس نے خطاء کا دعوی کیا تو قبول کرلیا جائے گا اور یہی حکم ہوگا کہ اگر زید نے دعوی کیا کہ اس کا اقرار تو تملیک اور ہبہ تھا اور وہ قبول وتسلیم سے عمرو کے فوت ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوگیا ہے کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جبکہ تسلیم سے پہلے موت واقع ہوئی ہے .... پھر قاضی کے حکم سے واقع ہونے والے یہ تسلیم بطور بیع نہیں بلکہ اقرار کی بنیاد پر ہے اور تسلیم جب تک بطور بیع نہ ہو وہ بیع تعاطی نہیں ہوسکتی در میں بیع وشراء کی وکالت کے باب میں ہے کہ بیشک بیع کے طور پر ہونے والی تسلیم بیع تعاطی ہے الخ۔ نیز بیع کی بنیاد تو باہمی رضامندی پر ہوتی ہے جبکہ یہاں قاضی کے حکم سے تسلیم ہوئی اور قضاء کے بعد رضا نہیں ہوتی، یہ مجیب کے جواب میں واقع ہونے والے خلل کی وجوہات تھیں جو میرے لئے ظاہر ہوئیں اور جواب میں حق وہ ہے جو

[1] درمختار کتاب الوکالة باب الوکالة بالبیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۶

ف: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

اقول:ان ثبت انه لم یکن اضاف الشراء الی عمرو حین اشتری ولو استکتب اسمه فی الصك بعد تمام العقد ووقوع الایجاب و القبول فلا شك ان الشراء ینفذ علیه فتصیر الدار ملکا له ثم یواخذه باقراره کما قضی القاضی ولایمکنه الرجوع علی الورثة بالثمن وان تثبت الاضافة اذ ذاك کان شراء متوقفا ثم بطل لموت عمر وقبل الاجازة قال فی الدر فی حق بیع الفضولی لاتجوز اجازة وارثه لبطلان بموته [1] وکذا فی عامة الکتب فکذا شراءه لاجرم ان قال فی الاشباه الموقوف یبطل بموت الموقوف علی اجازته ولا یقوم الوارث لوارث مقامه الا فی القسمة کذا فی الولوالجیة [2] انتهی فلم یکن للورثة حق فی الدار ولا فی الثمن	**اقول**: (میں کہتاہوں) اگر ثابت ہوجائے کہ زید نے مکان خریدتے وقت خریداری کو عمرو کی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ ایجاب وقبول کے وقوع اور عقد کے انعقاد کے بعد بیعنامہ میں اس کا نام لکھوادیا ہے تو بیشک یہ شراء زید پر نافذ ہوگی اور مکان اس کی ملک ہوگا پھر اس کے اقرار کلی وجہ سے وہ مکان اس سے لے لیا جائے گا جیسا کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے اس صورت میں وہ ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو سے رجوع نہیں کرسکتا اور اگر بوقت خریداری عمرو کی طرف نسبت کرنا ثابت ہوجائے تو یہ شراء موقوف ہوئی جو کہ عمرو کی قبول از اجازت موت کے سبب سے باطل ہوچکی، در میں فضولی کی بیع کے بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ بیع اس (صاحب متاع) کی موت کی وجہ سے باطل ہوچکی ہے اور اسی طرح عام کتابوں میں ہے تو یقیناً اسی طرح فضولی کی شراء کا حکم ہوگا، اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس شخص کی موت سے باطل ہوتی ہے جس کی اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے انتہی، لہٰذا ورثاء عمرو کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] الاشباہ والنظائر کتاب البیوع الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۰

فاذ ارفع الامرا الی القاضی وجب ان یرد قضاؤہ لما تبیین من خطائہ بحکم الشرع فان ادعی البائع ردت الدار الیہ والثمن الی المشتری ولا شیئ للورثۃ ھذا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔	جب قاضی کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطاء ظاہر ہوچکی ہے چنانچہ اگر بائع دعوٰی کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورثاء عمرو کے لئے کوئی شیئ نہ ہوگی اسے خوب یادرکھو واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے نام کہ وہ بھی بالغ تھا لکھادئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خاندان کے روبرو کہا کہ یہ مکان میں نے اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں ان کا کوئی مالک نہیں اور بعد خریداری خلاد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دے دی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی کی مرضی پر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کو زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے، ان مکانوں کے میں اور زوجہ وپسر ودختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کردہ ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلا نہ تھا اس صورت میں مالک مکانوں کا کون ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر خریدتے وقت عقد بیع وشراء مالکان مکان وزید سے بنام خالد وقع ہوا تھا تو شراء شرائے فضولی تھا اور اجازت خالد پر موقوف،

فی الدار المختار لو اضافہ (یعنی اضاف المشتری الفضولی الشراء الی غیرہ) بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال البائع بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرھا[1] اھ۔ فی ردالمحتار علی اجازۃ من شری لہ فان اجاز جاز و عھدتہ علی المجیز لاعلی	درمختار میں ہے کہ اگر فضولی مشتری نے شراء کی نسبت کسی غیر کی بایں طور کہ یوں کہا یہ غلام فلاں کے لئے فروخت کر، بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے فروکت کیا، تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوگی جس کے لئے فضولی نے خریداری کی اگر وہ اجازت

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

العاقد[1]۔	دے گا تو یہ شراء جائز ہو جائے گی اور اس کی ذمہ داری اجازت دینے والے پر ہوگی نہ کہ عاقدین پر۔(ت)

جبکہ خالد نے مکانات پر قبضہ کیا وہ شراء جائز و نافذ ہوگیا۔

کما ان قبض الثمن اجازۃ لبیع الفضولی فی الدار المختار اخذ المالك الثمن اجازۃ[2] اھ ملخصا ثم قال وافاد کلامہ جواز الاجازۃ بالفعل والقول[3] اھ۔	جیسا کہ ثمن پر قبضہ کرنا بیع فضولی کی اجازت ہوتا ہے درمختار میں ہے کہ مالک کا ثمن وصول کرنا اجازت ہے اھ ملخص، پھر کہا ماتن کا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اجازت قول وفعل دونوں سے جائز ہے۔اھ(ت)

اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خود بے اذن وامر خالد اپنے مال سے ادا کیا تو وہ اس امر میں تبرع واحسان کرنیوالا تھا اور یہ بات خود گفتگو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے خاص ملک خالد ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعوی نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن،

فی الفتاوی الخیریۃ اذا دفع دینا لحق الاخر باذنہ فلہ الرجوع علیہ ولایکون متبرعا للاذن حتی اذالم یاذن لہ بہ کان متبرعاوبہ یعلم انہ اذادفع مھر زوجتہ عنہ باذنہ اوثمن الجاریۃ التی امرہ بشرائھا یرجع علیہ بما دفع والحال ھذہ[4] اھ۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا تو اس سے رجوع کر سکتا ہے اور متبرع نہ ہوگا کیونکہ اس کی اجازت سے ادائیگی کی ہے حتی کہ اگر مقروض نے اس کو ادائیگی قرض کا اذن نہ دیا ہوتا تو یہ احسان کرنے والا قرار پاتا(یعنی حق رجوع نہ رکھتا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے شوہر کے اذن سے اس کی طرف سے اس کی بیوی کا مہر ادا کر دیا یا کسی کی لونڈی کی قیمت ادا کر دی جس کی خریداری کا اس نے حکم دیا تھا تو ادا کرنے والا شوہر اور لونڈی کے مالک سے رجوع کر سکتا ہے اور صورت حال یہی ہے اھ(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۴

رہا عمرو اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادائے ثمن میں صرف ہوا اور اس نے بھی مثل زید بطور خود دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرسکتا، اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید پر ہوگا اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعوی اسے نہیں پہنچتا۔

فانہ ان اقرض فانما اقرض زیدا فعلیہ العھدۃ لاعلی خالد کما لایخفی۔	اس لئے کہ اگر اس نے قرض دیا تھا تو یہ قرض زید کو دیا تھا اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ کہ خالد پر، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور اگر عقد بیع وشراء بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقت خریداری مملوک زید ہوئے۔

لان الشراء اذا وجد نفاذا نفذ علی العاقد [1] کما نص علی فی الھدایۃ والدر المختار وعامۃ الاسفار فی الدر لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ [2] الخ۔	کیونکہ شراء نفاذ کی گنجائش پائے تو عائد پر نفاذ ہوجاتی ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ اور عام کتابوں میں نص کی گئی ہے، در میں ہے کہ اگر کسی غیر کے لئے خریداری کی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ (ت)

اور عمرو کا روپیہ ادائے ثمن میں دیا بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے گا،

فی الفتاوی الخیریۃ لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب لانہ یحتمل القرض و الغصب [3]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ بیٹے کے یوں کہنے سے کہ میں نے گھر اپنے باپ کے مال سے خریدا ہے گھر باپ کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو اس لئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے باپ کا مال غصب کیا ہو یا قرض کیا ہو۔ (ت)

پھر بعد خریداری جو افعال واقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعنام میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰، فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لکھا کراسے سپرد کردئے یہ صریح دلیل ہبہ ہے۔

فالهبة ایضا ینعقد بالتعاطی دل علیه فروع جمة فی المذهب وفی الدرالمختار اتخذ لولده اولتلمیذه ثیابا ثم اراد دفعها لغیره لیس له ذٰلك مالك یبین وقت الاتخاذ انها عاریة [1] اھ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة وفی الذخیرة والتجنیس امرأة اشتری ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة [2]۔	چنانچہ ہبہ بھی تعاطی (باہمی لین دین) سے منعقد ہوجاتا ہے اس پر مذہب میں واقع کثیر فروع دلالت کرتی ہے، در مختار میں ہے کہ بیٹے یا شاگرد کے لئے کسی نے کپڑے بنائے پھر غیر کو دینے کاارادہ کیاتو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب تک کہ بنانے کے وقت یہ وضاحت نہ کردی ہو کہ یہ کپڑے عاریت ہیں اھ عقود الدریہ، فتاوٰی حامدیہ، ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بچے کے لئے جائداد خریدی تو شراء ماں کے لئے واقع ہوئی کیونکہ وہ بچے کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد بچے کی ہوگی کیونکہ مال ہبہ کرنے والی بن گئی۔(ت)

پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تام ہوگئی اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہااور زر ثمن میں اگر عمرو نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں، ہاں اگر نفس عقد زید وعمرو دونوں کے لئے واقع ہوتا مثلا بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونون کے ہاتھ بیچے، یہ کہتے ہم نے خریدے، یا عمرو زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی خریداری کا وکیل کردیتا تو البتہ وہ بحصہ مساوی زید وعمرو دونوں کے ملک ہوتے اگرچہ عمرو نے ثمن میں کچھ نہ دیا ہو اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا محض ناجائز رہتا،

لانه مایملك الاهبه مبلکه وهو مشاع ولایکفی سکوت عمرو حتی یجعل هبة لکل لان سکوت المالك یبیع الفضولی	کیونہ وہ تو صرف اپنی ملک کو ہبہ کرنے کا مالک ہے،اور اس کی ملک جزء غیر منقسم ہے جس کاہب جائز نہیں)اور عمرو کا سکوت کافی نہیں کہ دونوں کا

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الوصایۃ عبدالغفار کتبخانہ قندہار افغانستان ۲ /۳۳۷

لایکون رضا کما فی الاشباہ فکیف بالھبۃ [1]۔	ہبہ بنادیا جائے کیونکہ فضولی کی بیع کے وقت مالک کا سکوت اس کی رضا نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ میں ہے تو ہبہ میں ایسا کیسے ہوسکتا ہے (ت)

مسئلہ ۹۹: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالاحد صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت مرض الموت ایک حقیت بحق وارث بیع کی بہ امورات خیر، تو یہ وقف رہا یا بیع؟ ایسی صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث میں بحق وارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ؟ **فقط بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہوسکتا ہے نہ ہبہ ہوسکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی مرض میں ہے جسے شرعا مرض الموت مانا جائے تو وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقًا ناجائز ہے نہ ثلث میں نافذ ہوسکتی ہے ہزارویں حصے میں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: از قصبہ فیروز آباد ضلع آگرہ مسئولہ سید بشارت علی وسرفراز علی سوداگران چوڑی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ، گاؤں بگاؤں مویشی خانے مقرر کر رکھے ہیں اس میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہے کہ جب مالک مویشی آئے گا اس وقت زرجرمانہ وزرخوراک وصول کرکے چھوڑ دیا جائے گا اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کرکے بقرہ عید پر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو ہو یا مسلمان پھر اس سے ایک اور شخص خرید کرکے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کرنے والے کو اس کا علم ہے کہ اس نے مویشی خانے میں سے نیلام میں خریدی ہے زید وعمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے اور بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقلیط میں ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

الجواب:

جو چیز ہے بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہوسکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کہ وہ نافذ کردے نافذ ہوجائیگی جبکہ بائع و مشتری و بیع قائم ہوں، فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك ویشترط لصحۃ الاجازۃ قیام العاقدین و المعقود علیہ[1]۔	جب کسی شخص نے غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ عاقدین اور معقود علیہ قائم ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از بنارس محلّہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہو بیان فرمائیں، بینوا توجروا واضح ہو کہ مسمّٰی حشام جب بیمار ہوئے تو حالت بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا کہ زر ثمن روبرو گواہوں کے مشتریان مذکورہ نے ادا نہیں کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے مسمّٰی حشام ایسے نہ ہوئے کہ چارپائی سے اٹھ کر کام ضروری کرتے آخر بعد اکیس یوم کے قضا کرگئے، اور بعد قضا کرنے حشام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مرگئی، اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ کے لڑکا حشام کا پیدا ہوا، اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حشام بیمار ہوئیں اور بیماری کی حالت میں زوجہ حشام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز بعد زوجہ حشام بھی قضا کرگئیں **فقط**۔

لڑکا حشام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا، پھر وہ لڑکا بھی دو ۲ مہینے بعد مرگیا، جب سب لوگ مرگئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حشام کے مسمّٰی یار محمد ہیں، تو یار محمد سے اور جس کے ہاتھ زوجہ حشام نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲، فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی، مشتری نے کہا کہ ہم نے خریدا ہے اور یار محمد نے کہا کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں، غرضکہ جب جھگڑا زیادہ اہل محلّہ نے دیکھا تب پنچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمہارا جھگڑا طے کردیں گے، پنچ جمع ہوئے، مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ حشام بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہوگئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشام نے کہا کہ بیع کرنے کے بعد چچا اپنی چارپائی سے نہ اٹھے اور فوت ہوئے، اس بات میں پنچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے ہیں ان سے دریافت کرنا چاہئے تب دو[۲] آدمی پڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے، وہ لوگ آئے یعنی مسمّٰی الٰہی بخش ومسمّٰی جان محمد، دونوں گواہوں سے پوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے فقط۔

بیان الٰہی بخش گواہ کا یہ ہے: الٰہی بخش از روئے حلف بمقابلہ پنچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ وپیشاب کرتے تھے اور بیعنامہ لکھنے کے تخمینا ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کرگئے۔

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے: مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیعنامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چاپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے، بیماری میں ضعف اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ وپیشاب کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرتے تھے میں گاہ گاہ ان کی حالت کو جاتا رہتا تھا تو اسی چارپائی پر جھک کر حقہ بھی بھر لیتے تھے، اور اسی بیماری میں تخمینا ایک ماہ سے کمتر میں قضا کرگئے۔

الجواب:

بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث، بے اجازت وارث باطل ہے، فتاوٰی امام قاضیخاں وغیرہ میں ہے:

من البیع الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذلك المرض ولم یجز	موقوف بیوع میں سے ہے کہ جب مریض نے مرض موت میں اپنے مال میں سے جو معین چیز انے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کی اب اگر وہ صحتیاب ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی اور گر اسی بیماری میں مرگیا اور اس کے وارثوں نے

الورثة بطل البيع [1]۔	اس بیع کی اجازت بھی نہ دی تو بیع باطل ہوجائے گی۔ (ت)

اور وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات میں اجازت ورثہ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتهم فی حال حياته لانها قبل ثبوت الحق، اذالحق يثبت عندالموت [2]۔	مریض کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ اجازت ثبوت حق سے پہلے ہوئی اس لئے کہ واثوں کا حق تو مریض کی موت کے وقت ثابت ہوگا۔ (ت)

اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہوا کہ وقت موت یہ لڑکا بھی ایک وارث تھا اور اگر بچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہو ظاہر ہے کہ نہ تو خود اس کی اجازت متصور نہ اس کی طرف سے کسی کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر اللہ عـــہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی

عـــہ: اللہ جل جلالہ کا ولی ووالی جملہ عالم ہونا ظاہر اور اس کی خلافت سے حضور پر نور سید عالم خلیفہ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شیئ پر ہے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت فقیر قرآن عظیم وحدیث صحیح سے ثابت کرسکتاہے، آیت تو قول الٰہی عزوجل النبی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ" [3] جس میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ ولی ووالی ومختار وصاحب تصرف واقتدار ہیں، اور شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے اور یقینا کافر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كل مولود يولد على فطرة الاسلام [4]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (ت) (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

[2] الہدایہ کتاب الوصایہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱، صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یودل علی الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۶

یاحاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں۔ ولوالجیہ پھر معین المفتی پھر غمز العیون القول فی الملک میں ہے:

لاولایۃ للاب علی الجنین [1]۔	جنین پر باپ کی ولایت حاصل نہیں۔(ت)

ثالث میں ثانی سے ہے:

وفی التبیین ولاتصح الھبۃ للحمل لان الھبۃ من شرطھا القبول والقبض ولایتصور ذٰلك من الجنین ولایلی علیہ احد حتی	تبیین میں ہے: حمل کے لئے ہبہ درست نہیں کیونکہ قبول وقبضہ ہبہ کی شرائط میں سے ہے جبکہ جنین سے یہ متصور نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

"فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" [2]	اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔(ت)

اہلسنت کے نزدیک ایمان وکفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مومن کے ولی ووالی ہیں، یہ ثبوت آیت سے ہوا اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ ورسولہ مولٰی من لامولی لہ [3]۔ رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ عن امیر المومنین الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ(ت)	جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی ووالی ومولٰی اللہ ورسول ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے اسے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) ۱۲منہ غفرلہ

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

یقبض عنه فصار کالبیع قلت فقد افاد رحمه الله تعالٰی انه لاولایة لاحد علی الجنین اصلا وبه ظهر خطأ من افتی ان الوصی یملك التصرف فی المال الموقوف للحمل[1].	قبضہ کرے چنانچہ یہ بیع کی طرح ہوگیا، میں کہتاہوں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کافائدہ دیا کہ بیشک جنین پر کسی کو کسی قسم کی ولایت بالکل حاصل نہیں تواس سے اس شخص کی غلطی ظاہر ہوگئی جس نے یہ فتوٰی دیا کہ حمل کے لئے رکھے ہوئے مال میں وصی تصرف کرنے کامالک ہے۔(ت)

عقودالدریہ میں منح الغفار سے ہے:

لاولایة للاب علی الجنین فضلا عن الوصی لقول الزیلعی ولایلی علی الحمل اھ[2]۔	باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں تو وصی کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے بسبب زیلعی کے قول کے کہ اس کو حمل پر ولایت نہیں اھ(ت)

اور جو عقد جس وقت محتاج اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

مالامجیزله حالة العقد لاینعقد اصلا بیانه صبی باع مثلا ثم بلغ قبل اجازة ولیة فاجازه بنفسه جاز لان له ولیا یجیزه حالة العقد بخلاف مالوطلق مثلا ثم بلغ فاجازه بنفسه لم یجز لانه وقت العقد لامجیز له فیبطل[3]۔	جس بیع کا بوقت عقد کوئی اجازت دینے والانہ ہو وہ اصلا منعقد نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ نابالغ بچے نے بیع کی پھر ولی کی اجازت سے قبل بالغ ہوگیا اور بذات خود اس کی اجازت دے دی تو بیع جائز ہوگئی کیونکہ بوقت عقد اس بیع کی اجازت دینے والا اس کا ولی موجود تھا جو بیع کی اجازت دے سکتا تھا بخلاف اس کے کہ اس نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہوکر بذات خود اس کی اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہذا یہ باطل ہوگئی (ت)

توظاہر ہوا کہ صورت مستفسرہ میں یار محمد مومشتری کا اختلاف کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کی یا مرض الموت

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۳۰

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

میں در حقیقت اس بیع کی انعقاد وبطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع شرعا منعقد ہے اور یار محمد کہتا ہے منعقد نہیں بلکہ محض باطل وکالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان وانعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بحلف معتبر ہے جو قائل بطلان ہو، اشباہ والنظائر ودرالمختار میں ہے:

اختلف المتبایعان فی الصحۃ والبطلان فالقول المدعی البطلان وفی الصحۃ و الفساد لمدعی الصحۃ الافی مسئلۃ فی اقالۃ[1]۔	بائع اور مشتری کا بیع کی صحت وبطلان میں اختلاف واقع ہو تو بطلان کا دعوی کرنے والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر صحت وفساد میں اِختلاف ہو تو صحت کا دعوی کرنے ولا کا قول معتبر ہوگا سوائے اقالہ کے (ت)

اسی طرح جب صحت مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار اپنے مرض میں کیا یا صحت میں، تو قول اس کا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لواقر لوارث ثم مات فقال المقرلہ اقرفی صحتہ وقال بقیۃ الورثۃ فی مرضہ فالقول قول الورثۃ والبینۃ للمقرلہ وان لم یقم بینۃ وارادااستحلافھم لہ ذٰلك[2]۔	اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے کسی شے کا اقرار کیا پھر مرگیا اب مقرلہ، (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کہتا ہے کہ یہ اقرار اس نے حالت صحت میں کیا جبکہ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ اس نے یہ اقرار مرض الموت میں کیا تو دیگر وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ پیش کرنا مقرلہ کے ذمے ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کرے اور دیگر وارثوں سے قسم لینا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی الاتقروی ادعی بعض الورثۃ ان المورث وہبہ شیئا معینا وقبضہ فی صحتہ وقالت	انقروی میں ہے کسی وارث نے دعوی کیا کہ مورث نے اپنی کوئی معین شے اس کو ہبہ کی اور مورث کی حالت صحت میں اس وارث نے موہوب شیئ

[1] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴، اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

البقیة کان فی المرض فالقول لهم و ان اقاموا البینة فالبینة لمدعی الصحة[1]۔	پر قبضہ کرلیا تھا جبکہ باقی ورثاء کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مرض الموت میں ہوا تو باقی وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش کریں تو گواہ اس کے معتبر ہوں گے جو حالت صحت کا دعوی کرنیوالا ہے۔(ت)

پس صورت سوال میں یار محمد کو حاجت گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ گواہان عادلہ ثقہ متقی سے ثابت کردے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کی یا اس بیع کے بعد وہ تندرست ہوگیا تھا، یا وہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم چاہے، اور یار محمد پنچوں کے سامنے قسم کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ و دختر کے ہاتھ کی ضرور صحیح ونافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہوگئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص نہ تھی تو دونوں نصفا نصف کی مالک ہوئیں، پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے، اب کہ زوجہ ہشام نے اپنے مرض میں کل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کردیا، اگر یہ مشتری بائعہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح ہوگئی جو ملک زوجہ مذکورہ تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہوا اور نصف دیگر ملک دختر سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجت نہ ہو، باقی دو ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حق برادر نو پیدا ہوا، اگر مادر و برادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو، پھر جب لڑکا مرگیا اور یار محمد کے سوا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہوا اس قدر اسے واپس دے، اور گر مشتری گواہ نہ دے سکا یا گواہ عادل شرعی قابل قبول نہ تھے اور یار محمد نے پنچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کرلیا کہ ہشام نے یہ بیع اپنے مرض موت میں کی تو اس صورت میں وہ بیع باطل ہوئی، پھر بعد موت ہشام اگر اس کے وارث یہی زن و پسر و دختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے ۲۴ / ۷ ہوئے ان میں سے بشرط مذکور ایک ثلث یعنی ۷/۲ پھر زوجہ ہشام کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف ۱۶/۲۷ یعنی ۹/۲ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے مشتری باقی مکان بشرط مذکور یعنی مکان کے ۹ حصوں سے ۷ حصے یار محمد کو واپس دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات باب القبول وعدمه دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

باب الاقالة

(بیع اقالہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از مراد آباد محلّہ باڑہ شاہ صفا مسئولہ حافظ عبدالمجید ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرو کی چھ سو پچیس ۶۲۵ روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خریدنے کے لئے طے کرائی، قیمت طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعنامہ عمرو کو دے کر رسید لکھوائی، رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کرالیا اور دعوٰی کردیا کہ جائداد تو میری اور تمھاری دونوں کی مشترک طے ہوئی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ قصہ پنچایت میں ڈالا گیا، پنچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع کرائے اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے گا اسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی، بکر نے سو روپے اٹھالئے اور رسید لکھنی چاہی، ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلّہ والے جو زید سے بغض وعداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعنامہ عمرو کو واپس کردو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے، زید نے مجبوری رسید عمرو کو واپس کردی، اب بے اجازت زید آمدنی مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بکر کے اہل محلّہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمھارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمھاری رضامندی کی ضرورت ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شے معین خریدنے کا وکیل کیا اسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبت

زید میں اسے اپنے نفس کے لئے خریدے بلکہ اپنے نفس کے لئے خرید تا جب بھی زید موکل کے لئے ہو جب مخالفت نہ کی ہو،

ففی الدر المختار لو وکله بشراء شیئ بیعنه لایشتریه نفسه ولو لمؤکل اٰخر بالاولی عند غیبته حیث لم یکن مخالفا دفعا للضرر فلو اشتراه بغیر العقود او بخلاف ماسمی المؤکل له من الثمن وقع الشراء للوکیل لمخالفته امره وینعزل فی ضمن المخالفة عینی [1]۔	درمختار میں ہے کسی نے کسی شخص کو کسی معین شے کی خریداری کا وکیل بنایا تو وکیل اس شے کو مؤکل کی غیر موجودگی میں اپنے لئے نہ خریدے اور دوسرے مؤکل کے لئے تو بدرجہ اولٰی نہ خریدے تاکہ دھوکہ دہی نہ ہو، یہ حکم تب ہے جب وکیل امر مؤکل کی مخالفت نہ کرے، اور اگر وکیل نے اس شیئ کو غیر نقود سے خریدا اس ثمن کے خلاف خریدا جو مؤکل نے اس کو بتایا تھا تو یہ خریداری امر مؤکل کی مخالفت کی وجہ سے خود وکیل سے ہوگی اور اس مخالفت کے سبب سے وہ وکالت سے معزول ہوجائے گا۔ عینی (ت)

بکر نے کہ رسید بیعنامہ میں اپنا نام بھی لکھالیا ظلم وفریب وجہل وحماقت تھا، پنچوں نے جو فریقین سے پچاس جمع کرائے اور وہ بے معنی فیصلہ قرار دیا سخت باطل ومردود تھا وہ پچاس روپے بکر پر حرام ہیں اس پر فرض ہے کہ زید کو واپس کردے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ (ت)

عبارت سوال سے زید پر اہل محلّہ بکر کی جانب سے کوئی اکراہ شرعی نہ ہونا نہیں نکلتا لوگوں کے اصرار سے عرفی مجبوری اکراہ شرعی نہیں اس صورت میں جبکہ زید نے بیعنامہ واپس کردیا اور عمرو نے قبول کرلیا بیع اگر نہ ہوئی تھی ہونے نہ پائی اور اگر ہو چکی تھی فسخ ہوگئی بہر حال زید کو اس جائداد سے کوئی تعلق نہ رہا اہل محلّہ بکر اگر مسجد کے لئے خریدیں برضائے عمرو خرید کرسکتے ہیں رضائے زید کی کچھ حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

باب المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

زید نے عمرو سے کہا کہ تم عہ/ روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خرید نے تمھارے کے میں تم سے عہ اِایک روپیہ آنہ دے کر خرید لوں گا اور ایک ماہ میں دوں لگا کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بناء پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خرید تا ہے تو بہتر نہیں

لما فیه من الاعراض عن مبرة الاقراض کما افاده فی الفتح وردالمحتار وغیرهما من الاسفار، والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی اور مروت سے اعراض ہے جیسا کہ اس کا فائدہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں نے دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از کاٹھیاوار ر دھوراجی محلّہ سیاہی گراں مسئولہ حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے ہم **اولاً:** عبارات کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالٰی اپنی تحقیق پھر صورت مسئولہ کا حکم **وباللہ التوفیق**،

فاعلم ان ائمتنا رحمهم الله تعالٰی عرفوا المرابحة فی المتون بانها نقل ماملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح كما فی الهداية [1]۔ واختصره فی الكنز فقال بيع بثمن سابق وزيادة [2] وكلام عامتهم تدور حول ذٰلك واعترضهم الشراح بانه منتقض طردا وعكسا واطالوا فيه بما افادوا احكام فروع وقد اجيب عن اكثر الايرادات بما يتم اولا كما بسطه فی العناية والفتح وغيرها ولما كان منشأ اكثرها العقد والثمن تركهما فی الدرر وقال بيع ماملكه بمثل ماقام عليه بزيادة. [3] ولا يسلم ايضا من بعض النقوض، ولسنا ههنا بصدد سردها مع مالها وعليه، وقام	تو جان لے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے متون میں مرابحہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مرابحہ وہ بیع ہے کہ عقد اول کے ساتھ جس چیز کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا، جیساکہ ہدایہ میں ہے، کنز میں اس کو مختصر کرکے کہا کہ ثمن اول اور کچھ اضافے کے ساتھ فروخت کرنا، عام فقہاء کا کلام اسی تعریف کے گرد گھومتا ہے، شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں انھوں نے اس میں طویل کلام کیا جو کئی فروعی حکام کا مفید ہے، اور تحقیق ان میں سے اکثر اعتراضوں کے تام یا غیر تام جوابات دئے گئے، جیساکہ عنایہ اور فتح وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے، چونکہ اکثر اعتراضات کا منشا لفظ عقد اور لفظ ثمن ہے، چنانچہ درر میں ان دونوں کو چھوڑ کر یوں کہا جس چیز کا مالک ہوا ہے وہ چیز جتنے میں اس کو پڑی ہے اس کی مثل اور کچھ زیادہ کے ساتھ اس کو منتقل کرنا، یہ تعریف بھی بعض اعتراضات سے

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۷۳

[2] کنز الدقائق باب التولیۃ والمرابحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

العلامة البحر فی البحر الرائق لیأتی بحد جامع مانع لا یرد علیه شیئ اصلا فاطال بالاستیعاب شروط الجواز ولم یتم ایضا کما ستعرفه ان شاء الله تعالٰی ووقع ھھنا فی نسخته المطبوعة نقل ما مبلکه بغیر عقد الصلح والھبة بشرط عوض بما یتعین بعین ماقام علیه اوبمثله اوبرقمه [1] الخ.قال محشیه العلامة الشامی فی المنحة قوله بما یتعین متعلق بما مبلکه [2] اھ وھذا یفید انه کذٰلك بالباء فی نسخته وقد یجنح الی تاییدہ قول البحر تحت قول الماتن شرطھما(ای التولیة و المرابحة کون الثمن الاول مثلیا مانصه عبارۃ المجمع اولی وھی ولایصح ذٰلك حتی یکون العوض مثلیا اومملوکاللمشتری،	محفوظ نہیں اور ہم ان اعتراضات کی تفصیل ان کے مالہ،اور ماعلیہ کے درپے نہیں ہیں،علامہ صاحب البحر اس بات پر کمربستہ ہوئے کہ وہ بحرالرائق میں ایسی جامع مانع تعریف لائیں گے جس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو،چنانچہ انھوں نے شروط جواز کا احاطہ کرنے پر طویل کلام کیا مگر وہ بھی تام نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب تو جان لے گا،یہاں پر نسخہ مطبوعہ میں یوں واقع ہے کہ عقد صلح اور ہبہ بشرط عوض کے بغیر جس چیز کا متعین ثمن کے بدلے میں مالک ہوا ہے اس کو بعینہٖ اس ثمن کے بدلے میں جس میں اس کو پڑی یا اس کی مثل کے بدلے میں یا اس پر لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں منتقل کرنا الخ اس کے محشی علامہ شامی نے منحہ میں فرمایا صاحب بحر کا قول "بمایتعین" اس کے قول "ما ملکه" سے متعلق ہے اھ اور یہ اس امر کا مفید ہے کہ محشی کے پیش نسخہ میں بھی عبارت اس طرح ہے یعنی "بما" پر باء کے ساتھ،اور اس کی تائید کی طرف مائل ہے،ماتن کے قول "تولیہ ومرابحہ دونوں کے لئے ثمن اول کا مثلی ہونا شرط ہے" کے تحت وارد ہونے والا بحر کا قول جس میں اس نے نص کی کہ مجمع کی عبارت اولٰی ہے جو یہ ہے کہ تولیہ ومرابحہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عوض مثلی یا مشتری کی

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

[2] منحة الخالق علی البحرالرائق باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

قال ولکن لابد من التقیید بالمعین للاحتراز عن الصرف فانه لایجوز ان فیهما [1] اھ فانه ھھنا فی بیان العوض فاوھم اشتراط ان یکون مبلکه بما یتعین۔	ملکیت میں نہ ہو، صاحب بحر نے کہا کہ لیکن عبارت مجمع کے لئے معین کی قید ضروری ہے تاکہ بیع صرف سے احتراز ہوجائے کیونکہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم و دنانیر میں جائز نہیں اھ، کیونکہ اس عبارت میں یہ قید بیان عوض میں ہے لہٰذا اس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ معین ثمن کے عوض مالک بنا ہو،
اقول: وھو ظاھر البطلان ولاقائل به احد من الناس والا لامتنعت المرابحة والتولیة فی البیاعات المطلقة عن اٰخرھا لکون الاثمان فیها مما لا یتعین وقد قال الامام السمرقندی فی تحفة الفقهاء، وعنها فی غایة البیان اذا باع شیئا مرابحة علی الثمن الاول، فلا یخلوا اما ان یکون الثمن من ذوات الامثال کالدراھم و الدنانیر والمکیل والموزون والمعدد المتقارب، او یکون من الاعداد المتفاوتة، مثل العبید والدور والثیاب والرمان و البطاطیخ وغیرھما اما اذا کان الثمن الاول مثلیا فباعه مرابحة علی الثمن الاول وزیادة ربح فیجوز سواء کان الربح من جنس الثمن الاول اولم یکن بعد ان یکون شیئا مقدارا معلوما نحو الدرھم وثوب مشار الیه اودینار [2] الخ،	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور نہ ہی لوگوں میں اس کا کوئی قائل ہے ورنہ مرابحہ وتولیہ تمام بیاعات مطلقہ میں ممنوع ہوجائیں گی کیونکہ ان میں ثمن غیر معین ہوتے ہیں، امام سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں کہا اور اسی کے حوالے سے غایۃ البیان میں ہے کہ جب کسی نے ثمن اول پر کچھ نفع کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو وہ ثمن دو حال سے خالی نہیں کہ وہ ذوات الامثال میں سے ہے جیسے درہم، دینار، کیلی، وزنی اور عددی متقارب یا وہ عددی متفاوت میں سے ہے جیسے غلام، کپڑے، مکانات، تربوز اور انار وغیرہ، بہر حال اگر ثمن اول مثلی ہو اور اس نے ثمن اول پر کچھ نفع لگا کر بیع کی تو جائز ہے چاہے وہ نفع ثمن اول کی جنس سے ہو یا نہ ہو بعد اس کے وہ معین و معلوم شے ہو جیسے درہم اور ایسا کپڑا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا دینار الخ، میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ "**بمایتعین**"

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۸

[2] تحفۃ الفقهاء کتاب البیوع باب الاقالة والمرابحة دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۰۶

فالصواب عندی ان الباء فی بما یتعین من خطاء النساخ وانما هو مما یتعین ای مامبلکه حال کونه من الاشیاء التی یتعین فی العقود فالتعین شرط فیما مبلکه وهو الذی یرید نقله مرابحة لافی عوضه وقال فی الکفایة"قوله نقل مامبلکه ای من السلع لانه اذا اشتری بالدراهم الدنانیر لایجوز بیع الدنانیر بعد ذٰلك مرابحة [1] اھ وقال فی العنایة بعد ذکر الایرادات علی حد المتن قیل فعلی هذا الاولی ان یقال نقل مامبلکه من السلع بما قام عنده [2] اھ و قال سعدی اُفندی فی حاشیتها المراد بما مامبلکه هو المملوك المعهود الذی کان الکلام الی هنافیه اعنی السلع [3] اھ.قال فی جامع الرموز التولیة ان یشترط فی البیع ای بیع العرض احتراز عن الصرف فالتولیة والمرابحة لم تکونا فی بیع الدراہم ودنانیر کما	پر "با" کاتبوں کی غلطی سے ہے (دراصل) وہ "مما یتعین" ہے یعنی جس چیز کا وہ مالک ہو اورانحالیکہ وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عقود میں متعین ہوتی ہیں چنانچہ تعین اس مملوکہ شے میں شرط ہے جس کو وہ بطور مرابحہ منتقل کرنا چاہتا ہے عوض میں تعین شرط نہیں۔اور کفایہ میں کہا کہ ماتن کا قول کہ منتقل کرنا اس چیز کو جس کا وہ مالک ہوا،اس چیز شے سامان مراد ہے کیونکہ اگر درہموں کے بدلے دنانیر خریدے تو اس کے بعد ان دیناروں کی بیع بطور مرابحہ جائز نہیں اھ عنایہ میں متن پر وارد ہونے والے اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا، کہا گیا ہے کہ اس بناء پر بہتر تھا کہ وہ یوں کہا جاتا کہ اس سامان کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا اس کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ اور سعدی آفندی نے اس کے حاشیہ میں کہا کہ اس چیز سے مراد جس کا وہ مالک ہوا وہی مملوک معہود ہے جس میں یہاں تک کلام ہو رہی ہے یعنی سامان اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ، جامع الرموز میں کہا تولیہ یہ ہے کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ بیع صرف سے احتراز ہے چنانچہ تولیہ و مرابحہ دونوں دراہم ودنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] حاشیہ چلپی کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۳

فی الکفایۃ [1] اھ وقال فی الدارلمختار المرابحۃ بیع ماملکہ من العروض بما قام علیہ وبفضل اھ [2]۔	کفایہ میں ہے اھ درمختار میں کہا کہ مرابحہ یہ ہے کہ سامان مملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا اھ، (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکیلا ہونالازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا اشتری ذھبا بعشرۃ دراہم فباعہ بربح درھم جاز کذافی الحاوی [3]۔	اگر دس درہم کا سونا خریدااور ایک درہم نفع کے ساتھ فروخت کردیاتو جائز ہے، ایساہی حاوی میں ہے۔(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

اذا باع قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار وتقابضا ثم باعہ بربح درھم اوبربح نصف دینار جاز اما اذا باعہ بربح نصف دینار فلانہ یصیر بائعا قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار ونصف وزنہ عشرۃ دراھم بدینار ونصف دینار لان الجنس مختلف فلا یظھر الربح. واما اذا باع بربح درھم فما ذکر من الجواب ظاھر الروایۃ لانہ یصیر بائعا للقلب بدینار ودرھم، وانہ جازلانہ یجعل بازاء الدرھم من القلب مثلہ والباقی من القلب بازاء الدینار، وعن	اگر دس درہم وزنی چاندی کا کنگن سونے کے ایک دینار کے بدلے میں خریدا پھر ایک درہم نفع پر (ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں) یا نصف دینار نفع پر (یعنی ڈیڑھ دینار کے بدلے میں) فروخت کردیا تو جائز ہے، نصف دینار نفع پر بیچنا تو اس لئے جائز ہے کہ وہ چاندی کے ایک ایسے کنگن کو ڈیڑھ دینار میں فروخت کرنے والا ہے، جس کا وزن دس درہم ہے کیونکہ جنس مختلف ہے لہذا نفع ظاہر نہ ہوا، رہا ایک درہم نفع پر بیچنا تو حکم مذکور ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ایک درہم کے عوض کنگن میں سے اس کی مثل یعنی ایک درہم ہوااور

[1] جامع الرموز کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ /۵۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۰

ابی یوسف انہ لایجوز[1] الخ	باقی کنگن دینار کے عوض ہوگیا امام ابویوسف سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں الخ۔ (ت)

نہ بیع کا صرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچنا، یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز، نہ صرف نہ ہونا مطلقاً جواز مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں۔ شرنبلالی علی الدرر میں ہے:

المثلی اذا غیبه الغاصب وقضی علیه بمثله مبلکه ولا یجوز له بیعه بازید منه لکونه ربی[2]۔	غاصب نے مِثلی شے کو غائب کردیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

لواشتری مختوم حنطة بمختومی شعیر بغیر عینهما ثم تقابضا فلاباس بان یبیع الحنطة مرابحة، وکذلك کل صنف من المکیل والموزون بصنف اٰخر اھ[3]، افاد بمفهوم قوله بصنف اٰخر انه لو قوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحة وسنعطیك دلیله ان شاء الله تعالٰی،	اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خریدا پھر باہمی قبضہ بھی کرلیا تو گندم کو بطور مرابحہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم ہے اھ ہندیہ کے قول بصنف اٰخر (یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے ہو تو بیع مرابحہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تجھے اس کی دلیل دیں گے۔ (ت)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو ۲ شرطیں ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱۔ ۲۳۰

[2] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیة درر الاحکام باب المرابحة والتولیة میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب لرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۶۱

شرط اول: وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کرسکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحۃ وتولیۃ ووضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شیئ کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شیئ مملوک سابق پر وارد کا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شی ہے، ولہٰذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحہ نہیں بیچ سکتے۔

کما نص علیه فی التبیین والفتح والعنایة والکفایة والبحر والنهر والظهیریة والخانیة وخزانة المفتین والهندیة وجامع الرموز وغیرهما وان نقل ط عن حاشیة سری الدین علی الزیلعی نقل عن البدائع انه یجوز[1]۔	جیسا کہ تبیین، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، بحر، نہر، ظہیریہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، ہندیہ اور جامع الرموز میں اس پر نص کی گئی ہے اگرچہ ط نے تبیین کے حاشیہ سری الدین سے بحوالہ بدائع نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔(ت)

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یہ اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں آئی تھی وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اشتری دنانیر بدراهم ثم باع الدنانیر مرابحة لایجوز لان الدنانیر لاتتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول[2]۔	ایک شخص نے درہموں کے عوض دینار خریدے پھر ان دیناروں کو بطور مرابحہ بیچا تو یہ جائز نہیں کیونکہ دینار بیع متعین نہیں ہوا کرتے لہٰذا عقد صرف میں جن دیناروں پر قبضہ کیا گیا بعینہٖ وہی بیع اول کا مبیع قرار نہ پائے۔(ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة دار المعرفة بیروت ٣/ ٩٤

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی الاجل نولکشور لکھنؤ ٢/ ٤٠١

فتح القدیر میں ہے:

انما لم تجز المرابحۃ فی ذٰلك لان بدلی الصرف لا یتعینان فلم تکن عین ھذہ الدنانیر متعینۃ لتلزم مبیعا[1]۔	اس میں مرابحہ اسی لئے ناجائز ہے کہ بیع صرف کے بدلین متعین نہیں ہوتے تو بعینہٖ یہی دینار متعین نہ ہوئے کہ ان کا مبیع ہونا لازم ہوتا۔ (ت)

اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃً بیچ سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہوگیا تو عقد سی مملوک اول پر واقع ہوگا۔

کما قدمناہ وبہ ظھر ان مرادہم ھنا بالعرض والسلع کل مایتعین ولم من احد النقدین وبالصرف مالا یتین فیہ البدل الذی حصل فی ملك من یرید بیعہ مرابحۃ وان الاولی قول الفتح المراد نقل ماملکہ مما ھو ببیع متعین بدلا لۃ قولہ بالثمن الاول فان کون مقابلہ ثمنا مطلقًا یفیدان ماملکہ بالضرورۃ مبیع مطلقًا[2] اھ۔	جیساکہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد ہر وہ چیز ہے جو متعین ہوا اگرچہ نقدین میں سے کوئی ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں حاصل ہو جو بطور مرابحہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول اولٰی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس مبیع متعین کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول "ثمن اول" ہے اس لئے کہ اس کے مقابل ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر مبیع مطلق ہے اھ (ت)

فھذا ھو تحقیق الشرط الاول (پس یہ ہے شرط اول کی تحقیق۔ت)

شرط دوم: وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی، یا گیہوں، گیہوں، یا جو جو کو، عالمگیریہ میں ہے:

ان اشتری ذھبا بذہب اوفضۃ بفضۃ لم تجز مرابحۃ اصلا کذا فی التتارخانیۃ[3]۔	اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے خریدا تو اس میں مرابحہ بالکل جائز نہیں۔ یہ تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی فی المرابحۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱

یہ شرط مرابحۃ ووضیعہ اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں اقول: وباللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہوجاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملاہے، اب جو یہ اسے مرابحۃ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں، کمی بیشی کیونکر ممکن عین ربٰو ہے، اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃ ہوئی، نہ جائز ہوسکتی ہے، مرابحۃ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے، یہاں عوض کی جنس بدل گئی،

وبه ظهر سقوط مااعترض به فی العنایة علی تعریف الهدایة و تبعه فی البحر اذ قال واللفظ للاکمل بالاختصار "اعترض علیه بانه مشتمل علی ابهام یجب عنه خلوا لتعریف لان قوله بالثمن الاول اما ان یراد به عین الثمن الاول اومثله لاسبیل لا الاول لان عین الثمن الاول صار ملکا للبائع الاول، ولا الی الثانی لانه لایخلوا ما ان یراد المثل من حیث الجنس او المقدار الاول لیس بشرط لما فی الایضاح والمحیط انه اذا باعه مرابحة فان کان مااشتراه به له مثل جاز سواء جعل الربح من جنس راس المال الدراهم من الدراهم اومن غیر الدراهم من الدنانیر اوعلی العکس اذاکان معلوما	اور اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا اور بحر نے اس کی اتباع کی اختصار الفظ اکمل کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف، (تعریف ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے جس سے تعریف کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے یا اس کی مثل، اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ عین اول تو بائع اول کی ملک ہوگیا اور نہ ہی ثانی کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن کی مثل) دوحال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہونا ہے یا مقدار کے اعتبار سے جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاح اور محیط میں ہے کہ جب اس نے بطور مرابحہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس چیز کی مثل موجود ہے جس کے بدلے میں اس نے اس کو خریدا تھا تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے چاہے اس نے نفع راس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم سے رکھا یا اس کے غیر بھی یعنی دیناروں سے رکھا ہو

یجوز به الشراء لان الکل ثمن والثانی یقتضی ان لایضم الی راس المال اجرۃ القصار والصباغ والطراز وغیرھا [1] الخ والاکمل وان اجاب عنه فانما اختار الشق الاخیر والبحر لم یرضه بل ردہ بما لایفید الایراد الا بعدا۔ **اقول:** و العجب ان المعترض حصر والبطل جمیع الشقق فکیف یعترض بالابھام لم لا یحکم بالبطلان ثم العجب اشد العجب الاستناد بما نقل عن الایضاح والمحیط فانه لامساس له بالمدعی کمانبه علیه العلامة سعدی اٰفندی حیث یقول"لایخفی علیك ان مانقله من ذینك الکتابین انمایدل علی عدم اشتراط مما ثلثة الربح لرأس المال جنسا لا علی عدم شرطبة مماثلة الثمن الثانی للاول فی الجنس [2] اھ.**اقول:**

یااس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال بجائے درھموں کے دینار ہوں) جب یہ معین ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مثلیت مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش ونگار وغیرہ کی اُجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا جواب دیتے ہوئے آخری شق کو اختیار کیا مگر صاحب بحر اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رد کر دیا جو کہ اعتراض میں بعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

اقول: (میں کہتاہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے تمام شقوں کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام کا اعتراض کیسے ہو ابطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو ایضاح اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی آفندی نے یہ کہتے ہوئے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اے مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی مثل ہونا شرط نہیں اھ۔**اقول:** (میں کہتاہوں)

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] حاشیہ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

ولانظر الی مایوھمه التصویر بالدراہم والدنانیر والتعلیل بان الکل ثمن فان الربح یجوز مطلقًا من ای جنس کان ثوبا اوعبدا اوارضا او غیر ذٰلك بعد ان یکون مقدارا معلوما کما قدمناہ عن العنایة عن التحفة ومثله فی عامة الکتب فھذا وجه۔ **و اقول ثانیا:** لئن قطعنا النظر عن ھذا لم یکن فیه مایمنع اشتراط المجانسة وینفیه فقد نصوا ان الدرھم والدینار جنس واحد فی بضع مواضع منھا المرابحة کما فی البحر والدر [1] وغیرھما۔ **اقول ثالثا:** وھو القول الفصل وھادم الاعتراض من الاصل اطبقت الکتب قاطبة ان شرط صحة المرابحة والتولیة کون العوض الی الثمن الاول مثلیا وعلله المعللون کالھدایة و الشروح ومنھا العنایة و التبیین والبحر وغیرھما واللفظ للعنایة بان مبناہما علی الاحتراز عن الخیانة و

دراہم ودنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ ہے نہ ہی وہ تعلیل جو اکمل نے یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے کہ نفع تو مطلقًا جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو بشرطیکہ وہ مقدار معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے بحوالہ تحفۃ الفقہاء پہلے بیان کرچکے ہیں اور اس کی مثل عام کتابوں میں ہے یہ توجیہ ہے **اقول ثانیا:** (میں دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کرلیں تو بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرط مجانست سے مانع ونافی ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار ہوتے ہیں، ان میں سے مرابحہ بھی ہو، جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، **اقول ثالثا:** (میں سہ بارہ کہتا ہوں) جو قول فیصلہ کن اور اعتراض کو سرے سے منہدم کردینے والا ہے کہ تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ تولیہ ومرابحۃ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی شروحات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی علت یوں بیان کی، لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان دونوں (تولیہ ومرابحہ) کی بناء خیانت اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶، بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۳

شبہھا والاحتراز عن الخیانۃ فی القیمیات ان امکن، وقد لایمکن عن شبہھا لان المشتری لا یشتری المبیع الابقیمۃ ماوقع فیہ من الثمن اذ لایمکن دفع عینۃ حیث لم یملکہ ولا دفع مثلہ اذ الفرض عدمہ فتعیت القیمۃ وھی مجھولۃ تعرف بالخرص و الظن فیتمکن فیہ شبھۃ الخیانۃ الااذا کان المشتری باعہ مرابحۃ ممن ملك ذٰلك البدل من البائع الاول بسبب من الاسباب فانہ یشتریہ مرابحۃ بربح معلوم من دراہم او شیئ من المکیل والموزون الموصوف لاقتدارہ علی الوفاء بما التزمہ[1] اھ۔ **اقول:** ولاتنس ماقدمنا ان الربح سائغ مطلقًا ولو ثوبا کما نص علیہ فی التحفۃ وقال فی التحفۃ وقال فی الفتح لوکان مااشتراہ بہ وصل الی من یبیعہ منہ فرابحہ علیہ بربح	شبہ خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں اگرچہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرابحہ میں مشتری مبیع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتا ہے جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس کے لیے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوئی اور وہ مجہول ہے جو کہ ظن و تخمینہ سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب مشتری اول مبیع کو اس شخص کے ہاتھ بطور مرابحہ بیچے جو اس بائع اول سے اس مبیع کے بدل کا کسی سبب سے مالک بن چکا ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس مبیع کو دراہم یا کسی کیلی وزنی شے میں سے معین و معلوم نفع پر خرید رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اس کو مت بھولیں کہ نفع مطلقًا جاری ہوتا ہے اگرچہ کپڑا ہو جیسا کہ فتح میں کہا کہ اگر کسی طرح مبیع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں جس کے ہاتھ اب یہ بیع بطور مرابحہ بیچ رہا ہے اور

[1] العنایہ علی ہامش الفتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

معین کان یقول ابیعك مرابحة علی الثوب الذی بیدك وربح درهم اوکر شعیرا وربح هذا الثوب جاز اه [1] فالقصر علی المکیل والموزون لامفهوم له ومن البین ان اشتراط مثلیة الثمن الاول یوجب المماثلة بینه وبین الثمن الثانی فی الجنس اذ لاہ لعاد علی مقصوده بالنقص فان الشیئ ولومثلیا اذا بدل بخلاف جنسه خرج المثل من البین وآل الامر الی التقویم فهناك قلتم لایمکنه دفع مثله اذا الفرض عدمه وههنا نقول لایمکن دفعه مثله اذ الفرض ان البیع الثانی بخلاف جنسه وهذ اکان شیئا واضحا فی غایة الوضوح فسبحان الذی اذ هل هؤلاء الاکابر من مثله ولاعصمة الالکلام الله وکلام الرسول جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلا یوں کہے کہ میں یہ چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتا ہوں اس کپڑے کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم کے نفع پر یا ایک کُر جو کے نفع پر یا اس کپڑے کے نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے اھ چنانچہ نفع کے کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم نہیں، اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ کوئی شے اگرچہ مثلی ہو جب غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف لوٹ آتا ہے، وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو یہاں ہم کہتے ہیں کہ اس کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی جنس کے غیر بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز ہے، پاک ہے وہ جس نے ان اکابر کو اس جیسی ظاہر چیز بھلادی، خطا سے پاک تو صرف اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (ت)

اور ناجائز یوں ہوئی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالے سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض اول کے مثل ومساوی ہونا محض تخمین واندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی بناء کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ثمن اول کا مساوی

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

بتا کر اس پر نفع باندھے، غیر جنس میں ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہذا مال ربوی جب اپنی جنس کے عوض کیا ہوا سے مرابحۃ بیچنا ناممکن و حرام ہے، یہ وہ شرط ثانی ضروری ولازمی وواجب تھی جس سے بحر الرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت واقع ہوئی،

وهذا ما وعدناك من قبل بان الحد الذی اتی به لم یتم ایضا وکان علیه ان یزید بعض قوله "مایتعین" غیر ربوی قوبل بجنسه ثم العجب من العلامة المحقق ابی الاخلاص حسن الشرنبلالی رحمه الله تعالٰی اذا ورد علی تعریف الدرر المذکور بیع ماملکه بمثل ماقام علیه بزیادة مسئلة المثلی اذا غیبه الغاصب وضمن وملك ولایرابح کما قدمنا عنه، قال ولایرد علی من قال بیع بمثل الثمن الاول [1] ۔**اقول:** صور بضمان الغصب فصدق ماقام علیه ولم یصدق الثمن ولوصور بربوی مبلکه بجنسه کبر ببر لعم الضمان والاثمان وورد علی الکل بالسویة فهذا تحقیق الشرط الثانی وقد تفضل علی المولٰی سبحانه وتعالٰی بهذا المباحث فاتقنها فانك لاتجده فی محل اٰخر ولله الحمد علی تواتر الائه والصلٰوة والسلام علی سید انبیائه محمد واٰله واحبائه۔

یہ وہ ہے جس کا ہم نے آپ کے ساتھ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جو تعریف علامہ بحر نے بیان کی ہے وہ بھی تام نہیں، ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول "**مایتعین**" کے بعد یہ الفاظ بڑھاتے "غیر ربوی قوبل بجنسہ" یعنی وہ چیز مال ربوی کا غیر ہو جس کا مقابلہ اس کی جنس سے کیا گیا ہو، پھر علامہ محقق ابو الخلاص حسن شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی پر حیرت ہے کہ جب درر کی اس تعریف "وہ ملوک چیز کی بیع ہے اس کی مثل کے ساتھ جتنے میں اس کو پڑی مع کچھ زیادتی کے" پر اس مسئلہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوا کہ غاصب دینے پر وہ اس شیئ کو غائب کردیا اور اس کا ضمان دینے پر وہ اس شیئ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے باوجود وہ اس میں بیع مرابحہ نہیں کرسکتا جیسا کہ اس سے نقل کرچکے ہیں، تو علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی نے فرمایا کہ یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا جس نے تعریف میں یوں کہا کہ "**بیع بمثل الثمن الاول**" یعنی ثمن اول کی مثل کے بدلے بیع کرنا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ضمان غصب کے ساتھ صورت بیان کی گئی ہو جو "**ماقام علیه**" پر صادق اور ثمن پر صادق نہیں اگر ایسے مال ربوی کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

[1] غنیه ذوی الاحکام حاشیه درر الاحکام باب المرابحة والتولیة میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

جنس کے بدلے میں مالک ہوا جیسے گندم کے بدلے گندم تو یہ صورت ضمان غصب اور ثمنوں کو شامل ہوتی اور سب پر اعتراض کا ورود برابر ہوتا۔ یہ شرط ثانی کی تحقیق ہے۔ بیشک مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان مباحث جلیلہ کے سبب محمد پر فضل فرمایا اور تو ان کو محفوظ کر کہ انھیں تو دوسری جگہ نہیں پائے گا۔ ان مسلسل نعمتوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے اور درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل واحباب پر۔ (ت)

جب یہ اصل اصیل منقح ہولی اب جواب مسئلہ کی طرف چلئے **فاقول: وباللہ التوفیق** (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) نوٹ میں شرط دوم تو خود موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحد الجنس۔ اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہٖ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اسے متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ متعین نہ ہوگا۔ اور اوپر معلوم ہولیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکار ہے ملک اول کے وقت اور اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بیچی۔ وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کر رہے ہیں ضرور اسے متعین کرلیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** میں ہے۔

وقلت فی الوفاقیة ان المسلم فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها مسلما فیها دلیل علی الابطال[1] اھ **ای ابطال الاصطلاح علی الثمینة القاضیة بعدم التعیین وفی الهدایة فی الخلافیة لهما ان الثمینة فی حقهما باصطلاحهما**	میں نے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں کہا کہ مسلم فیہ کبھی بھی ثمن نہیں ہوسکتا لہذا بائع اور مشتری کا پیسوں کو مسلم فیہ بنانے کا اقدام دلیل ابطال ہے اھ یعنی اصطلاح ثمنیت کا ابطال جو عدم تعیین کا تقاضا کرتی ہے اور ہدایہ میں اختلافی مسئلہ کے بارے میں شیخین کی دلیل یوں بیان کی کہ بائع اور مشتری کے حق میں ثمنیت ان دونوں کی

[1] کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲۔۶۱، کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۷

فتبطل باصطلاحهما [1] اھ وقلت فیها فی هامش الکفل ان الحاجة الی تصحیح العقد تکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینارین بدرهمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتأبی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الرباء کتحققه فما الحامل علیه الاحاجة التصحیح وکم بله من نظیر [2]۔	اصطلاح کی وجہ سے ہے لہٰذا ان دونوں کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی۔اور میں نے اس مسئلہ اختلافیہ کے بارے میں کفل الفقیہ کے حاشیہ پر کہا ہے کہ عقد کو صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اس کا نفس عقد سے ناشی ہونا لازم نہیں جیسے کسی نے ایک درہم اور دو دینار کو دو درہموں اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا۔تو جنس کو غیر جنس کی طرف پھیرتے ہوئے اس کو جواز پر محمول کریں گے باوجودیکہ خود ذات عقد جنس کا مقابلہ جنس سے کرنے سے انکار نہیں کرتی اور سود کا احتمال بھی حقیقت سود کی طرح ہے تو سوائے تصحیح عقد کی حاجت کے اس کا کوئی باعث نہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں۔(ت)

اب نہ رہی مگر وقت میں نظر۔اگر یہ نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ وصیت یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دے دیا یا کسی کا اس کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہو کر تاوان دے کر بیچ لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ کرسکتا ہے کہ اب سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن اصطلاحی ہے،پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بتاکر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ سو روپے کا ہے میں نے تیرے ہاتھ اتنی روپے کے نفع پر بیچا اور پچھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتاکر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے ہاتھ بیع کیا،درمختار میں ہے:

المرابحة بیع ما ملکه ولو بهبة او	مرابحہ اس چیز کی بیع ہے جس کا مالک بنا اگرچہ

---

[1] الهدایة کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۹۴

[2] کفل الفقیة الفاهم امام العاشر حاشیہ نوری کتب خانہ داتادربار لاہور ص ۶۲، کفل الفقیه الفاهم امام العاشر منظمة الدعوة الاسلامیه لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۸

ارث اووصیۃ اوغصب [1]۔	ہبہ، میراث، وصیت یا غصب کے سبب سے مالک بنا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

الغصب اذا ضمنه جازله بیعه مرابحة وتولیة علی ماضمن ومامبلکه بهبة اوارث اووصیة اذا قومه فله المرابحة علی القیمة اذا کان صاد قاًفی التقویم اھ ملتقطاً [2]	غصب کا جب تاوان دے دیا تو اب اس تاوان پر غصب کی بیع بطور مرابحہ یا بطور تولیہ جائز ہے اور جس چیز کا ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے مالک بنا جب اس کی قیمت مقرر کرے تو اس قیمت پر اس مملوک چیز کی بیع مرابحہ کرسکتا ہے بشرطیکہ قیمت مقرر کرنے میں سچا ہو اھ التقاط (ت)

اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

تتعین ای الدراہم والدنانیر فی الامانات والهبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب [3]۔	امانتوں۔ ہبہ، صدقہ، شرکت، مضاربہ اور غصب میں دراہم ودنانیر متعین ہوجاتے ہیں (ت)

یونہی اگر یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا اس پر مرابحہ کرسکتا ہے مثلاً نوے روپے کے بدلے سو کی رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ پر خریدا یہ نوٹ معین ہوگیا **لما قدمنا**۔ (اس دلیل کی وجہ سے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ت) اب نوے روپے اصل ثمن لگاکر اس پر نفع معین کرے سو روپے اصل قیمت کو ٹھہرا کر اس پر نفع لگانا حرام ہوگا یونہی اگر نوٹ اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہٖ اتنے کو بیچا کہ ایسی صریح تصریح سے ثمن اصطلاحی متعین ہوجاتا ہے تو جتنے کو لیا اتنے پر مرابحہ کرسکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہوگا جب تک عاقدین صاف تصریح نہ کریں کہ خاص اس کی ذات سے عقد بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

[2] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹

صح البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین لانها اموال معلومة صارت ثمنا بالاصطلاح فجاز بها البیع ووجب فی الذمة کالدراھم والدنانیر وان عینها لاتتعیین لانها صارت ثمنا باصطلاح الناس وله ان یعطیه غیرہما لان الثمنیة لاتبطل بتعیینها لان التعیین یحتمل ان یکون لبیان قدر الواجب ووصفه کما فی الدراھم، ویجوز ان یکون لتعلیق الحکم بعینها فلا یبطل الاصطلاح بالمحتمل مالم یصرحا بابطاله بان یقولا اردنا به تعلیق الحکم بعینها فحینئذ یتعلق العقد بعینها بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسین باعیانهما حیث یتعین من غیر تصریح لانه لو لم یتعیین لفسد البیع علی مابینا من قبل فکان فیه ضرورة تحریا للجواز وھنا یجوز علی التقدیرین فلاحاجة الی ابطال اصطلاح الکافة [1]۔	رائج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں کیونکہ وہ اموال معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم ودنانیر کا حکم ہے اگر ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہونگے کیونکہ یہ لوگوں کے اصطلاح سے ثمنم بنے ہیں اور تعیین کے باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی تعیین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی کیونکہ تعیین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بایں طور کہ وہ یوں کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ متعین ہوجائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کردی ہے تو اس میں تلاش جواز کی ضرورت ہوئی اور یہاں دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی لہٰذا تمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الصرف المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۱۴۳

ہاں بغیر اس تصریح کے جس طرح عام طور پر نوٹ کی خرید وفروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا بائع کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے اس کے بدلے اور کوئی نوٹ کا سو کا دے دے جبکہ چلن میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا، پھٹ گیا، تلف ہوگیا تو بیع باطل نہ ہوئی کہ خاص اس نوٹ کی ذات اسے متعین نہ تھی دوسرا دے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مرابحہ نہیں کرسکتا کہ وہ معین ہوکر اس کی ملکیت میں نہ آئے، کما بیناہٗ اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مرابحۃ نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے۔ اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لایتعین فی المهر ولوبعد الطلاق قبل الدخول فتردمثل نصفه ولذا لزمها زکوٰته لونصابا حولیا عندها [1] اھ۔ **اقول:** والوجه فیه ان المهر ایضا معاوضة والاثمان لایتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراء ها من التبرعات وفیها الهبة والصدقة ومن الامانات ومنها المضاربة والشرکة والوکالة والودیعة کلها بعد التسلیم اما قبله فلا مطالبة ولا استحقاق وانما النظر فی تعین النفقود وعدمه من	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتے اگرچہ دخول سے قبل طلاق کے بعد ہوں تو اس صورت میں مطلقہ نصف مہر کی مثل واپس کرے گی اسی وجہ سے اس عورت پر اس مہر کی زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہوں اور سال بھر عورت کے پاس رہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں) وجہ اس میں یہ ہے کہ مہر معاوضہ ہے اور ثمن معاوضوں میں متعین نہیں ہوتے جبکہ معاوضوں کے ماسوا یعنی تبرعات، امانات اور عضبات میں متعین ہوجاتے ہیں، ہبہ اور صدقہ تبرعات میں سے ہیں جبکہ مضاربت، شرکت، وکالت اور ودیعت امانات میں سے ہیں۔ ان سب میں تعین تسلیم کے بعد ہوتا رہاہے قبل از تسلیم تو اس صورت میں نہ مطالبہ نہ کوئی استحقاق، نقود کے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹، الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۵۹

هذه الجهة کما فی احکام النقد من الاشباه[1] **اقول:** ولذا لم تتعین فی النذر اذ لیس مطالب الا بما فیه قربة ولاقربة فی خصوص نقد او وقت اوفقیر کما فی جامع الفصولین[2] من الفصل السابع عشر ومن الغصبیات ویلتحق بها المقبوض فی الصرف اذا فسد بالتفریق قبل قبض بدل و فی البیع اذا فسد علی ماهو الاصح لکونه واجب الرد وفی الدعوی اذا ادعی اٰخر مالافقضی له فقبض ثم اقر انه کان مبطلا فیها اما الدین المشترك اذا قبضه احدهما یؤمر برد حصة صاحبه من عین المقبوض۔ **اقول:** ان کان قبضه بحق فامین اولافغاصب فانحصر الامر فیما ابدیت من الضابط والله الحمد اتقنه فانك لاتجده فی غیر هذه	تعین اور عدم تعین میں نظر صرف اسی جہت (بعداز تسلیم) سے ہے جیسا کہ اشباہ کی فصل احکام النقد میں ہے۔ **اقول:** اسی لئے نقود نذر میں متعین نہیں ہوتے کیونکہ مطالبہ صرف اس چیز کا ہوتا ہے جس میں قربت ہو جبکہ نقد یا وقت یا فقیر کے خاص ہونے میں کوئی قربت نہیں جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۱۷ میں ہے، اور بیع صرف میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے وہ عضبیات کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے جبکہ بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے تفریق کی وجہ سے عقد صرف فاسد ہو جائے، اور مذہب اصح کے مطابق بیع فاسد میں بھی غصب سے ملحق ہے کیونکہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور یوں ہی دعوی میں ہے اگر کسی نے دوسرے پر کچھ مال کا دعوی کیا پھر فیصلہ کے حق میں ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد اس نے اقرار کیا کہ وہ اس دعوی میں باطل پر تھا یعنی جھوٹا تھا۔ رہا دین مشترک تو اگر اس پر دو شریکوں میں سے ایک نے قبضہ کرلیا تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عین مقبوض میں سے اپنے شریک کا حصہ اس کو دے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اگر اس نے حق کے ساتھ قبضہ کیا تو امین ہے اور اگر ناحق قبضہ کیا ہے وغاصب ہے۔ چنانچہ جو ضابطہ میں نے بیان کیا ہے معاملہ اسی پر منحصر ہوا۔ اللہ تعالٰی

[1] الاشباہ والنظائر احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۹۔۱۵۸
[2] جامع الفصولین الفصل السابع عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

السطور والحمد للہ علی تواتر الائہ بالوفور۔	کے لئے ہی حمد ہے۔اسے محفوظ کرلو کہ اس کو توان سطور میں کے غیر میں نہ پائیگا۔اور مسلسل وافر نعمتوں کی عطا پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔(ت)

پھر جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے یہ معنٰی ہیں کہ ملک اول کے لحاظ سے نفع مقرر نہیں کرسکتا ابتدائے بیع بے لحاظ سابق کرے جسے مساومہ کہتے ہیں۔تو اختیار ہے جتنے کو چاہے بیچے اگرچہ دس کا نوٹ ہزار کو۔بحر میں ہے:

قید بقولہ لم یرابح لانہ یصح مساومۃ لان منع المرابحۃ انماھی للشبھۃ فی حق العباد لافی حق الشرع وتمامہ فی البنایۃ[1]۔	ماتن نے یہ قید لگائی کہ وہ بیع مرابحہ نہیں کرسکتا کیونکہ بیع مساومہ اس میں صحیح ہے اس لئے کہ مرابحہ کی ممانعت حقوق العباد میں شبہ کی وجہ سے ہے نہ کہ حق شرعی میں۔اس کی پوری بحث بنایہ میں ہے۔(ت)

اور جہاں مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مزکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ مشتری کو بھی اس کی رقم معلوم ہو اور جانے کہ مجموع یہ ہوا اور نہ اگر کسی ناخواندہ کے ہاتھ بیچا ہے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہے اس صورت میں اگر اسی جلسہ بیع میں اسے علم ہوگیا کہ یہ مثلاً سو روپے کا ہے اور مجھے ایک سو چھ روپے چار آنے میں دیا جاتا ہے تو بعد علم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم رہے یا انکار کردے اور اگر ختم جلسہ بیع تک اسے علم نہ ہو تو بیع فاسد وحرام و واجب الفسخ ہوگئی اگرچہ بعد کو اسے علم ہوجائے۔ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر لوکان البدل مثلیا فباعہ بہ وبعشرہ ای بعشر ذٰلک المثلی فان کان المشتری یعلم جملۃ ذٰلک صح والا فان علم فی المجلس خیر والا فسد[2]۔	نہر میں کہا کہ اگر بدل مثلی ہے اور اس نے اس مثلی بدل اور مزید اس کے عشر یعنی اس مثل کے دسویں حصہ کے عوض بیع کی،اس صورت میں اگر مشتری کو اس تمام کا علم ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر علم نہیں تھا مگر اسی مجلس میں اس کو معلوم ہوگیا تو اسے اختیار ہے ورنہ فاسد ہوگی۔(ت)

---

[1] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵۴

ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:

اذ احصل العلم فی المجلس جعل کابتداء العقد وصار کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبعد الافتراق قد تقرر فلا یقبل الاصلاح ونظیرہ بیع الشیئ برقمه[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب مشتری کو مجلس کے اندر ثمن کا علم ہوگیا تو اس کی ابتداء عقد کی طرح قرار دیا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی مثل ہوگیا اور جدائی (تبدیلی مجلس) کے بعد اگر علم ہوا تو اب چونکہ فساد مستحکم ہوچکا ہے لہٰذا یہ بیع اصلاح کو قبول نہیں کرے گی اور اس کی نظیر کسی شے کو اس کی لکھی ہوئی قیمت کے عوض فروخت کرنا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۷۷۔۷۶

باب التصرف فی المبیع والثمن

(مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۰۵: از بڑودہ پائگاہ قام حالہ مرسلہ سیدہ میاں حالہ ۱۹ ربیع الاخر شریف ۱۳۱۰ھ

قدوۃ العلماء عمدۃ الفضلاء اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر طلب کیا، خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت نقد مجھ سے وصول کرلے باقی روپیہ جو رہا مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے بھی باقی رہے قسط بقسط ماہ بماہ دیتا رہوں گا تیرا مہر بہر حال ادا کردوں گا۔ عورت اس بات پر راضی ہوئی، شرع شریف میں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مع مہر، سند کتاب عبارت عربی وترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائے گا اس کا صلہ آپ کو اللہ تعالٰی جل شانہ، عطا کرے گا فقط۔ راقم سید و میاں حالہ از بڑودہ۔

الجواب:

یہاں تین باتیں ہیں: [۱] بعض مہر کا بالفعل زر نقد سے ادا کرنا۔ [۲] بعض کے عوض مکان وزمین نرخ بازار پر دینا۔ باقی ماندہ کی قسط بندی ہونا، یہ تینوں امر شرعا جائز ہیں۔ [۱] اول تو خود ظاہر ہے اگرچہ شرعا خواہ عرفا مہر مؤجل عدت وطلاق یا ایسی اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلاً دس برس بعد دینا ٹھہرا تھا اس نے کُل یا بعض ابھی دے دیا عورت کو جبرا لینا ہوگا کہ اجل حق مدیون ہے۔ اور اسے

اس کے ساقط کرنے کا اختیار،

فی الزیلعی والخانیة والنهایة ثم الاشباہ ثم العقود الدریة الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حول الاجل یجبرا الطالب علی تسلیمه لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطه [1]۔	زیلعی، خانیہ، نہایہ پھر اشباہ پھر عقود الدریہ میں ہے کہ مدیون اگر دین مؤجل کی ادائیگی اجل گزرنے سے پہلے کرے تو طالب (قرض خواہ) پر اس کی وصولی کے لئے جبر کیا جائے گا کیونکہ اجل مدیون کا حق ہے جسے ساقط کرنے کا اسے اختیار ہے۔(ت)

اور ثانی ۲ بھی جائز کہ اگرچہ اصل مقتضائے دین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دی جائے، مثلاً روپے کے روپے ہی ادا کئے جائیں، فی الاشباہ والدروغیرہما الدیون تقضی بامثالها [2] (اشباہ اور درو غیرہ میں ہے کہ قرضے ان کی مثل سے ادا کئے جائیں۔ت) مگر ماورائے سلم وصرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی روا کہ دین کا معاوضہ دوسری چیز کرلیں۔

فی ردالمحتار طالب مدیونه فبعث الیه شعیر اقدرا معلوما وقال خذہ بسعر البلد والسعر لهما معلوم کان بیعا [3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ کسی نے اپنے مقروض سے قرضے کا مطالبہ کیا تو اس نے معین مقدار میں جو بھیجے اور کہا کہ شہر کے بھاؤ کے مطابق لے لو اگر شہر کا بھاؤ دونوں کو معلوم ہے تو بیع ہوگئی۔(ت)

اور ثالث ۳ کا بھی جواب واضح، اگرچہ اس وقت تک قسط بندی نہ تھی کہ برضامندی معجّل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں۔ یعنی جس دین کی نسبت قرار پایا تھا کہ فوراً دیا جائے گا پھر یہ ٹھہرالیں کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا یا اب تک قسطیں نہ تھیں اب قرار دے لیں کہ ماہانہ یا سالانہ قسط سے ادا ہوا کرے گا۔

فی الکنز صح تاجیل کل دین غیر القرض [4]، وفی الاشباہ الحال یقبل التأجیل	کنز میں ہے کہ قرض کے سواہر دین میں میعاد مقرر کرنا صحیح ہے، اور اشباہ میں ہے دین حالی تاجیل

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۸
[2] تتمه فی الفروق من الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶
[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲
[4] کنز الدقائق باب المرابحة والتولیة فصل صح بیع العقار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲۵

الاماقد مناہ[1] اھ یعنی ماذکر فی قولہ لیس فی الشرع دین لا یکون الا حالا الا راس مال السلم وبدل الصرف والقرض و الثمن بعد الاقالۃ ودین المیت وما اخذبہ الشفیع العقار[2]۔	کو قبول کرتا ہے سوائے اس کے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اھ،اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے اس قول میں کیا کہ شرع میں کوئی دین ایسا نہیں جو فقط حالی ہو سوائے بیع سلم میں راس المال،بدل صرف،قرض،اقالہ کے بعد ثمن اور دین میت کے اور وہ جس کے بدلے شفیع نے جائداد لی۔(ت)

مگر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نرخ بازار مردوزن کا معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں،اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپے کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین ومکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی۔وہ کہے میں نے قبول کی،یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہولے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوجائے گی اور زن ومرد دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہونگے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ ایجاب وقبول میں نرخ بازار معلوم ہوجائے تو البتہ بیع صحیح ہوجائے گی۔اور مشتریہ کو بعد علم قیمت اس شیئ کی لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا مگر یہ امر موہوم ومشکل ہے لہذا پہلے ہی دریافت کرکے بیع بطریق مذکور کریں۔

فی الدر فسد بیع ماسکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمۃ[3] اھ ملخصا۔وفی الھندیۃ اما اشرائط الصحۃ فمنھا ان یکون الثمن معلوما علما یمنع من المنازعہ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع الشیئ	در میں ہے کہ جس بیع میں ثمن سے سکوت اختیار کیا وہ فاسد ہے جیسے کسی شے کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں اھ تلخیص،ہندیہ میں ہے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شیئ کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲
[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

بقیمته اھ[1] مختصرا وفیھا من ولی رجلا شیئا بما قام علیه ولم یعلم المشتری بکم قام علیه فسد البیع فان اعلمه البائع فی المجلس صح البیع وللمشری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکه کذافی الکافی انتھی[2] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	کرنا اھ اختصار۔اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ کسی شیئ کی تولیہ کی اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی درانحالیکہ مشتری کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری کو بتادیا تو بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تولے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، یونہی کافی میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ دوسری مجلس میں بائع کا ثمن مشتری کو معاف کردے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاف کرنے کے سبب وہ بیع بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے یا ہبہ ہوجائے گی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اواس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کردے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل نہیں قرار پاسکتا کیونکہ ہبہ یا ابراء جو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ اس جائداد کا، اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کو متقضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کاہے کہ تھا جو معاف کیا گیا،

فی الفتاوی العالمگیریة اذا حط کل الثمن اووھبه او ابرأہ عنه فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد وان کان بعد قبض الثمن صح الحط والھبة ولم یصح الابراء ھکذافی المحیط[3]۔	فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا بری کردیا اگر قبضہ سے پہلے ایسا کیا تو سب صورتیں درست ہیں مگر یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا او اگر ثمن پر قبضہ کے بعد ایسا کیا ہے تو گھٹانا اور ہبہ کرنا درست ہوگا مگر بری کرنا درست نہ ہوگا محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب المرابحة التولیة نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ / ۱۷۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فتلاحق بی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا علی ناضح لنا قد اعیا فلا یکاد یسیر فقال لی ما لبعیرك قال قلت اعیٰ، قال فتخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فزجرہ ودعا لہ فما زال بین یدی الابل قدامھا یسیر فقال لی کیف تری بعیرك قال قلت بخیر قد اصابتہ برکتك قال افتبیعنیہ قال فاستیحیت ولم یکن لنا ناضح غیرہ قال فلقلت نعم قال فبعنی قال فبعتہ ایاہ علی ان لی فقار ظھرہ حتی بلغ المدینۃ فلما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ غدوت علیہ بالبعیر فاعطانی ثمنہ وردہ علی[1] (ملتقطا)۔	انہوں نے کہا کہ میں ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ گیا تو آپ مجھ سے آملے درانحالیکہ میں پانی لانے والے ایک انٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور چلنے سے تقریبًا عاجز ہوگیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تیرے اونٹ کو کیا ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے، آپ نے پیچھے مڑ کر اونٹ کو جھڑکا اور اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اسکو میرے پاس فروخت کروگے تو میں نے انکار سے حیا کیا جبکہ ہمارے پاس اور اونٹ نہ تھا تو میں نے وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کردیا (ملتقطا)۔ (ت)

دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت بھی عطافرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا، یوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کردے اور ثمن بھی نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الاستیذان الرجل الامام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۶، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۹

مسئلہ ۱۰۷: عـــہ

الجواب:

صورت مستفرہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

(۱) شرع مطہر میں عاقدین کی نیات قلبیہ واغراض باطنیہ پر بائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انہوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائل شرع اس پر متفرع۔ اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزم قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح ونافذ رہتا ہے پھر اسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اور اگر عقد نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے،

بنایۃ للعلامۃ العینی کتاب النکاح فصل المحرمات، قال شیخنا زین الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعۃ المحرم اذخرج بالتوقیت فیه اما اذاکان فی تعیین الزوج انه لایقیم معها الاسنۃ او شهرا اونحو ذٰلك ولم یشترط ذٰلك فانه نکاح صحیح[1]۔	علامہ عینی کی تصنیف بنایہ کتاب النکاح، فصل محرمات میں ہے کہ ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں فرمایا کہ نکاح متعہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں معین مدت کا اظہار کرے، اور اگر زوج نے محض اپنی نیت میں تعیین کی ہو کہ وہ اس عورت کو ایک سال یا ایک مہینہ وغیرہ مدت تک اپنی زوجیت میں رکھے گا لیکن بوقت نکاح شرط نہیں لگائی تو بیشک یہ نکاح صحیح یہ ہے۔ (ت)

علٰی ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کردے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کردے تو یہ ہبہ شرعًا ہبہ ہی رہے گا او شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت مبادلہ مال بالمال تھی۔
عالمگیریہ مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۴۹:

یهب البائع الدار من المشتری ویشهد	بائع مکان مشتری کو ہبہ کردے اور اس پر گواہ

عـــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔ جواب سے سوال کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

[1] البنایۃ فی شرح الهدایۃ کتاب النکاح فصل فی نکاح المحرمات المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۲ /۶۷

علیه ثمن الشتری یهب الثمن من البائع ویشهد علیه وذکر فی حیل الاصل ثم المشتری یعوضه مقدار الثمن فاذا فعلا ذلك لاتجب الشفعة لان حق الشفعة یختص بالمعاوضات[1]۔	قائم کردے پھر مشتری ثمن بائع کو ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور حیل اصل میں مذکور ہے کہ پھر مشتری اس پر ثمن کے برابر عوض مقرر کرے، جب بائع او مشتری نے ایسا کرلیا تو اب شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ تو معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔(ت)

اسی طرح اگر کسی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہوجائیگا، تو علماء فرماتے ہیں اس مشاع کواس کے ہاتھ بیع کرے ور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلاعوض بھی حاصل ہوجائے گی، اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعاً بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا، ردالمحتار حاشیہ در مختار مطبوعہ دارالاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۷۷۷:

(فائدة) من اراد ان یهب نصف دار مشاعا یبیع منه نصف الدار بثمن معلوم ثم یبریه عن الثمن بزازیة[2]۔	**(فائدہ)** جو آدھا مکان غیر منقسم ہبہ کرنا چاہے تو وہ آدھا مکان موہوب لہ کے ہاتھ بیچ کر ثمن سے اس کو بری کردے۔ بزازیہ۔ (ت)

مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورت مقدمہ بعینہٖ یہی جزئیہ خاص ہے جس کا حکم فقہاء نے بالتصریح فرمادیا کیونکہ اس کی عرضی دعوی کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھالہذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) وکیل مدعیہ نے جو عبارت در مختار پیش کی کہ **بطل حط الکل**[3] (کل کا گھٹادینا باطل ہے۔ت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ردالمحتار میں اس کے معنی بیان فرمادئے کہ مراد یہ ہے کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ کہ بہ اصل عقد سے ملتحق نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائے گا کہ سرے سے عقد بلاثمن ہوا تھا تاکہ فساد لازم آئے یا بیع ہبہ ہوجائے، بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸

عقد سے ملتحق ہو جاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کر دے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتداء پچھتّر کو بیچا تھا۔ شامی مطبوعہ استنبول ج ۴ ص ۲۵۹:

(قوله)فبطل حط الكل اى بطل التحاقه مع صحة العقدوسقوط الثمن عن المشترى خلافالماتوهمه بعضهم من ان البيع يفسداخذا من تعليل الزيلعى بقوله لان الالتحاق فيه يؤدى الى تبديله لانه ينقلب هبة او بيع بلاثمن فيفسد وقد كان من قصد هما التجارة بعقد مشروع من كل وجه فالالتحاق فيه يؤدى الى تبديله فلايلتحق به اھ فقوله فلا يلتحق صريح فى ان الكلام فى الالتحاق وان قوله فيفسد مفرع على الالتحاق كما صرح به شرح الهداية وقال فى الذخيرة اذا حط كل الثمن او وهب او ابرأعنه فان كان قبل قبضه صح الكل ولا يلتحق باصل العقد وفى البدائع من الشفعة ولو حط جميع الثمن ياخذ الشفيع بجميع الثمن ولا يسقط عنه شيئ لان حط كل الثمن لايلتحق	قولہ یعنی ماتن کا قول کہ "کل کو گھٹا دینا باطل ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کرنا باطل ہے اور باوجودیکہ عقد اور مشتری سے ثمن کا اسقاط دونوں صحیح ہیں، یہ حکم بعض لوگوں کے اس وہم کے خلاف ہے کہ بیع فاسد ہے، ان لوگوں نے زیلعی کی تعلیل سے استدلال کیا جو اس نے اپنے اس کلام میں بیان کی کہ یہ الحاق اصل عقد کی تبدیلی تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے بیع یا تو ہبہ بن جائے گی یا بیع بلا ثمن تو اس طرح وہ فاسد ہو جائے گی، حالانکہ ان دونوں کا ارادہ ایسے عقد کے ذریعے تجارت تھا جو ہر لحاظ سے مشروع ہو او الحاق چونکہ اس میں تبدیلی کا موجب ہے لہذا یہ عقد کے ساتھ ملحق نہ ہوگا اھ اس کا قول "فلا یلتحق" صریح ہے اس بات میں کلام لاحق ہونے کے بارے میں ہے اور اس کا قول "فیفسد" اسی لحوق پر متفرع ہے جیسا کہ شرح ھدایہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اور ذخیرہ میں کہا کہ جب بائع تمام ثمن گھٹا دے یا ہبہ کرے یا مشتری کو ثمن سے بری کردے اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہے تو سب درست ہے اور یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔ بدائع میں شفعہ کی بحث میں ہے کہ اگر بائع نے تمام ثمن گھٹا دیئے تو شفیع تمام ثمن کے بدلے لے سکتا ہے اس سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ تمام ثمنوں کا

باصل العقد لانه لو التحق لبطل البیع لانه یکون بیعا بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ زادفی المحیط لانه لاقی دینا قائما فی ذمته و تمامه فی فتاوی العلامة قاسم [1]۔	گھٹانا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر یہ لاحق ہو تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ بیع بلا ثمن بن جائے گی، چنانچہ شفیع کے حق میں کل ثمن کا گھٹانا صحیح نہیں البتہ مشتری کے حق میں صحیح ہے اور یہ اس کو ثمن سے بری کرنا ہوا اھ۔ اور محیط میں زیادہ کیا کہ وہ اس دین کے مقابل ہوا جو اس کے ذمہ کے ساتھ قائم ہے، اس کی پوری بحث علامہ قاسم کے فتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملۃ والدین محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تحقیق انیق ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل و مبرہن ہے اور وہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر نصوص صریحہ نقل فرمائیں جن سے صاحب در مختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً وخلفاً استناد کرتے آئے ہیں ___ ذخیرہ کہ ایک عمدہ مستند فتاوی ہے۔ بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جس کی نسبت علماء فرماتے ہیں ھذاالکتاب جلیل الشان لم ارله نظیر فی کتبنا (یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ ت)، محیط جس کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے، فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الہمام، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زیلعی، شرح الہدایۃ اور ان کے سوا اور کتابتوں میں بھی یہ مسئلہ یونہی لکھا ہے جیسا علامہ محقق نے تحقق فرمایا، **مجمع الانہر** شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول جلد ۲ صفحہ ۷۵:

صح التصرف فی الثمن ببیع وھبة وتملیك ممن علیه بعوض وغیرعوض قبل قبضه، والحط منه ویثبت الحط فی الحال ویلتحق باصل العقد استنادا وفیه اشارة الی ان حط کل الثمن غیر ملتحق	ثمن میں قبض سے قبل تصرف صحیح ہے جیسے بیع، ہبہ، اور جس پر ثمن لازم ہے اس کو کچھ عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنانا، اور ثمن میں سے کچھ گھٹا دینا، اور یہ گھٹانا فی الحال ثابت ہوتا ہے اور اصل عقد کی طرف منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام ثمن کا گھٹانا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

بالعقد اتفاقا[1] اھ ملتقطا۔	اصل عقد کے ساتھ بالاتفاق لاحق نہیں ہوتا اھ اختصار۔ (ت)

شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳۰:

صح التصرف فی الثمن والحط عنه، ای صح للمشتری القاء کل المبیع او بعضه عن البائع، وللبائع القاء کل الثمن او بعضه عن المشتری وان لم یبق المبیع ولم یقبض الثمن فصح ان یقول حططت کله او بعضه عنك اووهبته منك او ابرأتك عنه(الٰی قوله)وان لم یلتحق باصل العقد[2]۔	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا درست ہے یعنی مشتری کے لئے کل یا بعض مبیع بائع سے گھٹانا اور اسی طرح بائع کے لئے کل یا بعض ثمن مشتری سے ساقط کردینا درست ہے اگرچہ مبیع باقی نہ رہا ہو اور ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے تجھ سے کل یا بعض گھٹادیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کردیا(اس کے اس قول تک)اگرچہ یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔(ت)

خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع فصل ۱۳:

ولووھب کل الثمن لایلتحق باصل العقد ولو وھب بعض الثمن یلتحق[3]۔	اگر کل ثمن ہبہ کردیے تو اصل عدکے ساتھ ملحق نہ ہونگے اور اگر بعض ثمن ہبہ کئے تو ملحق ہوجائیں گے۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸:

اذاحط کل الثمن اووھبه او ابرأہ عنه فان کان ذلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد[4]۔	جب کسی نے کل ثمن گھٹادیئے یا ہبہ کردیے یا مشتری کو اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب صورتیں درست ہیں لیکن یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ان سب کتابوں سے صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی درمختار میں صدہا جگہ استناد کیا ہے

---

[1] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب البیوع فصل فی بیان البیع قبل قبض المبیع، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۸۱۔۸۰

[2] شرح النقایہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثالث عشر فی الثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۹۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷۳

سوا فتاوٰی ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف درمختار سے متاخر ہے تو اب کالشّمس فی النصف النہار روشن ہوگیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ درمختار شامی کا کیا اعتبار، کتنی بے محل بات ہے، قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تحقیقات لائقہ اور تدقیقات فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہما میں دیکھی ہیں وہ ایسا لفظ ہرگز نہیں کہہ سکتا، اور علاوہ اس سے کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ درمختار ہرچند معتبر کتاب ہے مگر جب تک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتوٰی دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اس کی اکثر مقامات پر ایسی چیستاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے جب اس قدر اکابر ائمہ مستندین صاحب درمختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابق ہے تو اس لفظ کا کون سا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارت درمختار سے ظاہرًا جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور جماہیر ائمہ کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم اس کے مفاد کو دعوٰی مدعیہ سے کیا علاقہ، اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبہ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد و قابل فسخ ہے جیسا کہ دعوٰی مدعیہ ہے کاش یہ عبارت کہیں سے پیدا کی جاتی کہ **بطل البیع بحط الکل** (کل ثمن گھٹا دینے سے بیع باطل ہوگئی۔ت) تو شاید قابل التفات ہوتی۔

(۴) وکیل مدعیہ نے جو عبارت عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبہ ثمن قبل قبول واقعہ ہوا تو عقد صحیح نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

فتاوٰی خلاصہ کتاب البیوع فصل ۲:

فی مجموع النوازل رجل قال بعت منك هذا العبد بعشرة دراهم ووهبت منك العشرة وقال الاٰخر اشتریت لایصح البیع کما لو باع بدون الثمن، وفی النوازل الشراء جائز ولم تجز الهبة[1]۔	مجموع النوازل میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ یہ غلام میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض بیچا اور میں نے تجھ دس درہم ہبہ کئے دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے خریدا تو بیع صحیح نہ ہوگی جیسا کہ وہ بغیر ثمن کے بیچے، اور نوازل میں ہے کہ خریداری جائز ہے اور ہبہ ناجائز ہے۔(ت)

اور امام علامہ فقیہ النفس مالک التصحیح والترجیح فخر الملۃ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے فتاوٰی میں روایت صحت پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل ہی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل و مبرہن کیا۔

قاضیخاں مطبوعہ العلوم جلد ۲ ص ۲۴۹ و ۳۴۴:

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۴

نظیرہ مالو قال بعتك ھذاالشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع،ولا یبرأ المشتری عن الثمن لان الثمن لا یجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب فلایصح[1]۔	اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ دس درہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تیرے لئے دس درہم ہبہ کئے، پھر مشتری نے بیع کو قبول کرلیا تو بیع جائز ہے اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن تو قبول بیع کے بعد ہی واجب ہوتے ہیں، اگر اس نے قبول سے پہلے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوا لہٰذا صحیح نہ ہوگا۔(ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے۔ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ پنجم صفحہ ۶۵۲:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[2]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار مطبوعہ بولاق دارالسلطنت مصر جلد ۴ ص۳۲۱:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[3]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل و مبرہن کرنا بھی اس کی ترجیح کی دلیل ہے، فتاوٰی حامدیہ مع التنقیح مطبوعہ مطبع سرکاری مصر جلد اول ص۱۶:

التعلیل دلیل الترجیح [4] وفیھا ھوالمرجح اذ ھو المحلی بالتعلیل[5]۔	کسی کی علت بیان کو نا اس کی ترجیح کی دلیل ہے، اور اسی میں ہے کہ وہی راجح ہے کیونکہ وہ بیان دلیل سے مزین ہے(ت)

پس دو وجہ سے ثابت ہوا کہ امام قاضی خاں نے صحت بیع پر اعتماد فرمایا اور اسی کو ترجیح دی اب علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس امام اجل کا ارشاد زیادہ اعتبار و اعتماد کے لائق اور ان کی تصحیح و ترجیح فائق ہے کہ انہیں رتبہ اجتہاد حاصل تھا، حاشیہ جامع الفصولین للعلامہ خیر الدین الرملی

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۲۱

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

استاد صاحب الدر المختار:

علیك بما فی الخانیة فان قاضی خان اھل التصحیح الترجیح[1]۔	جو خانیہ میں ہے اس کو قبول کرنا تجھ پر لازم ہے کیونکہ امام قاضی خاں ترجیح و تصحیح والوں میں سے ہیں۔(ت)

تصحیح القدوری للعلامہ قاسم:

مایصححہ قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[2]۔	جن اقوال کی تصحیح قاضی خان کردیں وہ مقدم ہوتے ہیں ان اقوال پر جن کی تصحیح دوسرے کریں کیونکہ امام قاضی خاں فقیہ النفس ہیں(ت)

حاشیہ سید احمد طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم ص۲۵:

الذی یظھر اعتماد مافی الخانیة قولھم ان قاضی خان من اجل مایعتمد علی تصحیحاتہ[3]۔	جو خانیہ میں ہے اس پر اعتماد ظاہر ہے فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ قاضی خان ان جلیلہ القدر لوگوں میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(ت)

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر مطبوع مطبع مصطفائی دہلی ص۲۷۵:

ھذا القول صححہ قاضی خان فینبغی اعتمادہ[4]۔	اس قول کو قاضی خان نے صحیح قرار دیا ہے للذا اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔(ت)

عقود الدریۃ مطبوعہ مصر جلد دوم ص۵۷:

مایصححہ قاضی خان مقدم علی مایصححہ غیرہ[5]۔	جس کی تصحیح قاضی خان فرمادیں وہ اس پر مقدم ہے جس کی تصحیح کوئی دوسرا کرے۔(ت)

---

[1] الآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حشیۃ جلیلۃ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۵

[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵

[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارات حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندھار افغانستان ۲/ ۱۰۳

اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے، پس ثابت ہوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب والقبول واقع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی عالمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے، اسی کی جلد سوم ص ۷۴ پر بحوالہ خانیہ مرقوم:

لو قال بعت منك بكذا على ان حططت منك كذا او قال على ان وهبت لك كذا اجاز البيع [1]۔	اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اتنے کے عوض بیع کرتا ہوں اس شرط پر کہ میں تجھ سے اتنے گھٹاؤں گا یا کہا اس شرط پر کہ میں تیرے لئے اتنا ہبہ کروں گا تو بیع جائز ہے (ت)

بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محل استدلال نہیں رہا یہ کہ ہبہ بھی صحیح ہوا یا نہیں؟ یہ دعوی مدعیہ سے جدا بات ہے۔

(۵) بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصل اختلاف فریقین کا یہ ہوگا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقعہ ہوا یا بعد۔ اب یہ دیکھا چاہئے کہ ایسی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں اور جو بعدیت کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو۔ اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی صفحہ ۶۰:

الاصل اضافة الحادث الى اقرب اوقاته [2]۔	اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جائے۔ (ت)

فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں، تمثیلاً ایک عرض کیا جتا ہے، ایک عورت نصرانیہ ایک مسلمان کے نکاح میں تھی، اس مسلمان کا انتقال ہوا عورت نے دار القضا میں آکر دعوی کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہنوز دم نہ نکلا تھا کہ میں اسلام لے آئی تھی مجھے اسکا ترکہ ملنا چاہئے، ورثہ نے کہا تو اس وقت مسلمان ہوئی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچتا، علماء فرماتے ہیں قول ورثہ کا معتبر رہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جب تک اول کا ثبوت بینہ سے نہ ہو۔ ہدایہ مطبع مصفائی جلد دوم ص ۱۳۲:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۴

لومات المسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته وقالت اسلمت قبل موته وقالت الورثه اسلمت بعد موته فالقول قولهم ۔[1]	اگر کوئی مسلمان فوت ہوا اس حال میں کہ اس کی ایک نصرانی بیوی تھی جس اس کی موت کے بعد مسلمان تھی اور آئی اور کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے اسلام لائی تھی جبکہ ورثاء میت کا کہنا ہے کہ یہ اسکی موت کے بعد اسلام لائی ہے تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

بنایۃ العلامۃ العینی میں ہے:

لان الاسلام حادث والحادث يضاف الى اقرب الاوقات ۔[2]	ورثاء کا قول اس لئے معتبر ہے کہ اسلام حادث ہے اور حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جاتی ہے۔ (ت)

تو یہاں بھی ثمن حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہبہ بعد تمامی بیع واقع ہوا، نہ **مابين الايجاب والقبول**۔

(۶) خود مسئلہ پیش کردہ مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہبہ بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے ورنہ نہیں، تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ مدعیہ وجود شرط مفسد کا دعوٰی کرتی ہے مدعا علیہم اس کا انکار کرتے ہیں اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اسکا معتبر ہے جو شرط فاسد کا انکار کرتی ہے۔ خانیہ مطبوعہ العلوم جلد دوم ص۲۵۱ میں ہے:

لوادعى عبدا فى يد رجل انه اشتراه منه بالف درهم وقال البائع بعتك بالف دراهم و شرطت ان لاتبيع ولا تهب او ادعى المشترى ذٰلك وانكر البائع كان القول قول من ينكر الشرط الفاسد	اگر کسی شخص نے ایک غلام جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے کہ بارے میں دعوٰی کیا کہ میں نے اس سے یہ غلام ہزار درہم کے عوض خریدا ہے، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ہزار درہم کے عوض فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ تو اس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہبہ کرے، یا مشتری نے اس شرط کا دعوٰی کیا اور بائع نے اس کا انکار کیا

[1] الہدایۃ شرح البدایۃ کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳/ ۳۰۴

والبینة بینة الاٰخر، وکذٰلك لو کان مکان الشرط الفاسد شرط الخمر والخنزیر [1]۔	تو اس کا قول معتبر ہوگا جو اس شرط فاسد کا منکر ہے اور گواہ دوسرے کے مقبول ہوں گے اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر اس شرط فاسد کی جگہ خمر وخنزیر کی شرط ہو۔(ت)

(۷) یہ بھی تسلیم کیا کہ نفس ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی ومستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا تو ناجائز او بصیغہ ماضی تھا تو جائز، اور ظاہر ہے کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بعوض حقوق فرزندی معاف کیا۔ فتاوٰی قاضیخاں جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے:

لوقال علی ان اھب لك من ثمنه کذا لا یجوز، ولو قال بعت منك بکذا علی ان حططت عنك کذا وعلی ان وھبت لك کذا جاز البیع اھ ملخصا [2]۔	اگر کہا اس شرط پر تیرے ہاتھ بیع کی کہ تجھے اس کے ثمن سے اتنے ہبہ کروں گا تو بیع جائز نہ ہوگی وار اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ کاتنے کو بیع کی اس شرط پر تجھ سے اتنا گھٹا دیا یا تجھے اتنا ہبہ کیا تو بیع جائز ہے اھ تلخیص۔(ت)

اور اسی طرح نوازل میں مذکور ہے اور اس سے خلاصہ میں یونہی نقل کیا اور خود عالمگیری مستند وکیل مدعیہ سای طرح روایت کرکے مقرر رکھا **کمامر** (جیسا کہ گزرا۔ت) اور سب میں بلا ذکر خلاف۔

(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت وعدم صحت سے سوال ہو تو اسے صحت پر حمل کیا جائیگا اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائط صحت مجتمع تھیں تاوقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا۔ فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ تصنیف امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحب درمختار مطبوعہ مطبع میری مصر دوم صفحہ ۹۴:

الاصل صحته ففی البزازیة لو سئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذا المطلق	اصل عقد کی صحت ہے چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع فاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی الشروط المفسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۴

یحمل علی الکمال الخالی عن الموانع للصحۃ واللہ اعلم[1] وفیھا جلد دوم ص۳۵:اذا رفع السوال ببیع مال باعہ ذوالمال جاز بلا مرأمع انہ کان مجنونا فلا احد یقول بانہ صح الشراء[2]۔وفیھا النظر الی العمل بعبارۃ المکلف اولی من اھدارھا والحاقہ بالحیوانات وکلامہ بجوارھا واللہ تعالٰی اعلم[3]۔	اس کی صحت کا فتوٰی دیا جائیگا کیونکہ مطلق کو موانع صحت سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور اسی میں جلد دوم ص ۳۵ پر ہے: اگر ایسے مال کی بیع کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے منعقد کیا ہے تو بلا شبہہ یہ جائز ہے اس کے باوجود کہ اگر وہ مجنون ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔ اسی میں ہے کہ مکلّف کی عبارت کو قابل عمل بنانے پر نظر کرنا اس کو لغو قرار دینے اور مکلّف کو حیوانوں اور اس کے کلام کو حیوانوں کے ڈکارنے کے ساتھ لاحق کرنے سے اولٰی ہے،اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

ملاحظہ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اصل صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتوٰی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولٰی واحق ہوگا، خصوصًا یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصد تملیک کا ہونا ظاہر، تو موانع صحت سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدیم میں صحت وفساد کی اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے۔ فتاوٰی قاضی خان جلد دوم ص۲۵۱:

اذا اختلف المتبائعان احدھما یدعی الصحۃ والاخر الفساد بشرط اسد اواجل فاسد کان القو قول مدعی الصحۃ والبینۃ بینۃ مدعی الفساد باتفاق الروایات، وان کان مدعی	جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو ان میں سے ایک صحت عقد کا جبکہ دوسرا کسی شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کا دعوی کرے تو قول صحت کے مدعی کا بہتر ہوگا اور گواہ فساد کے مدعی کے معتبر ہوں گے،اس پر تمام روایات میں اتفاق ہے۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوکالۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۷

الفساد یدعی الفساد لمعنی فی صلب العقد بأن ادعی انه اشتراہ بألف درہم ورطل من خمر والاٰخر یدعی البیع بألف درہم، فیه روایتان عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی ظاھر الروایة القول قول من یدعی الصحة ایضاً والبینة بینة الاٰخر کما فی الوجه الاول وفی روایة القول قول من یدعی الفساد[1]۔	اگر فساد کا دعوی کرنے والا اصل عقد میں پائی جانیوالی کسی خرابی کے سبب سے فساد کا دعوی کرے مثلاً اگر وہ دعوی کرے کہ اس نے یہ شے ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض خریدی ہے جبکہ دوسرا دعوی کرے کہ اس نے ہزار درہم کے عوض فروخت کی، تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے دو روایتیں منقول ہےں، ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قول مدعی صحت کا اور گواہی دوسرے کے معتبر ہیں جیساکہ پہلی صورت میں بیان ہوا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فساد کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں نقل کیا جلد ۳ ص ۵۲۔ خلاصہ کتاب البیوع فصل ۴:

لو ادعی احدھما فساد العقد والاخر الصحة القول قول من یدعی الصحة[2] الخ۔	فتاوٰی صغری میں ہے اگر بائع اور مشتری میں سے ایک نے فساد عقد کا جبکہ دوسرے نے صحت عقد کیا دعوی کیا تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

قابل لحاظ ہے کہ جب اسل بائع دعوی فساد کرتا تو اس کا قول تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکر ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائق التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبہ ثمن بر سبیل اشتراط یا بلا اشتراط مابین الایجاب والقبول خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے، کیونکہ اس تقدیر پر مورث کا بیع وہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضی دعوی و اظہار حلفی کے بالکل مناقض ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مناقض دعوی قابل تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلا معارض ولائق قبول ہے **واللہ تعالٰی اعلم وحکمه جل مجدہ احکم**

مسئلہ ۱۰۸: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید نادر حسین صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمٰی کے ہاتھ جس سے پسر ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زر ثمن کے سلمٰی پر اس بیع سے واجب ہوا تھا سلمٰی کو بخوشی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹،۴۸

معاف کردیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہو کر رجسٹری ہو گئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجی سید سعادت علی صاحب ساکن رام پور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چنیں وچناں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وہاب میں نے بحالت صحت نفس و ثابت عقل بلا اکراہ واجبار بطوع ورغبت اپنی سے جمیع حقوق ومرافق بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ سلمی بیگم بنت سید نادر حسین صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسب خواہش میری سید سکندر شاہ پسر بطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے،

اور مکان مبیعہ پر مشتریہ مذکورہ کو مثل اپنی ذات کے مالک و قابض کردیا میں نے، اور زر ثمن تمام کمال مشتریہ سے وصول پایا میں نے، یعنی ثمن اسکا بوجہ محبت فطری سید سکندر شاہ مذکور کے سلمی بیگم مشتریہ کو معاف کیا اور بخشا میں نے اب مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض بدلین واقع ہوا اب مجھ بائعہ کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جوابدہ میں بائعہ ہوں فقط، اس صورت میں یہ بیع شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی رد واعتراض ہے یا نہیں؟ او یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ یا اسکے ورثہ کو اس معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافی دونوں میں صحیح وتام وکامل ہیں ہندہ خواہ اس کے کسی وارث قائم مقام کو نہ اس بیع و معافی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذاحط کل الثمن اووھبه اوابرأہ عنه فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل [1]۔	اگر پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب جائز ہے (ت)

نقایہ وشرح نقایہ میں ہے:

صح التصرف فی الثمن والحط عنه ای صح للمشتری القاءکل	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا صحیح ہے یعنی مشتری کے لئے درست ہے کہ وہ بائع سے پورا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

المبیع او بعضه عن البائع و للبائع القاء کل الثمن او بعضه عن المشتری [1]۔	یا بعض مبیع ساقط کردے او بائع کیلئے درست ہے کہ وہ مشتری سے پورا یا بعض ثمن ساقط کردے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوحط جمیع الثمن صح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ [2] بتلخیص۔	اگر بائع نے پورا ثمن گھٹا دیا تو مشتری کے حق میں یہ صحیح ہوگا اور یہ **بائع کی** طرف سے مشتری کو ثمن سے بری کرنا قرار پائیگا اھ تلخیص (ت)

اشباہ والنظائر و غمز العیون میں ہے:

واللفظ له بخلاف الابراء فانه لارجوع فیه سواء وجد فیه مانع من موانع الرجوع فی الهبة اولا [3]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	لفظ غمز کے ہیں بخلاف ابراء کے کیونکہ اس میں رجوع کا حق نہیں کوئی رجوع سے مانع ہو، جیسے ہبہ یا منع نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

بکر کمھار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا، کمہار دو چار لوٹے پر زیادہ کردیتا ہے، اور اگر مسجد کا نام نہ لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے، اور اگر بھاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے کیسا ہے؟

الجواب:

اگر وہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں، مگر کمہار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے مانگنا نہ چاہئے کہ گویا مسجد اور مسلمان پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] شرح النقایة

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی المبیع والثمن دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[3] غمز عیون البصائر الفن الثالث مافترق فیه الهبة والابراء ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

مسئلہ ۱۱۰: آمدہ از دکان حمیدہ اللہ و عبدالرحمٰن جفت فروش دہلی بازار فتح پوری ۹رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خریدتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کر دیا گیا ہے اس صورت میں یہ بیع شرعًا جائز ہے یا ناجائز؟ صورت ثانی اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور اگر ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیشہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتی ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتا کر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی، یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناراضی کی حالت میں حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔(ت)

اور رضا سے ہو یا ناراضی سے، مال جتنے کو اسے پڑا اس سے زیادہ کو بتانا جائز نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از ریاست رام پور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵صفر ۱۳۳۶ھ

مبیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بحسب اثمان و آجال مختلف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب:

درست ہے مع الکراہۃ اور اختلاف تراضی عاقدین پر۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از شہر محلّہ عقب کوتوالی مرسلہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب

کلکتہ سے میں نے ایک بیوپاری کو (مالص عہ/) مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں درج کرنے سے رہ گیا قریب دو سال کے اس بیوپاری نے ہم سے اب کہا کہ قریب (مالص عہ/) کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہوئی ہے اور تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں، اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری، اس سے بہتر کہ روپیہ ہم سے لے مگر اس کو اپنے مصر میں نہ لانا خدا کی راہ میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

وعدہ کرلیا کہ یہ رقم ہم خیرات کردیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات نہ کروگے تو تمہارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب:

اگر اس رقم کا واجبی ہونا معلوم نہیں جب تو اس کا اپنے تصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں سب خیرات کردیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ ہماری یہ رقم اس پر آئی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگر وہ اس کا مال ہے اور اپنے صرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کرچکا ہے تو اس سے پھرنا سخت شامت کا موجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ تعالٰی نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب وہ اس کو ملیں گے اس سبب سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اس وعدہ کی جو انہوں نے اللہ تعالٰی سے کیا تھا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیمت مبلغ چار سو روپے کی فروخت کی اور ایک سو پچاس روپیہ کی بابت بیعانہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کردی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا، سوال یہ ہے کہ آیا شرعًا بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زر ثمن بکر کے ذمہ دین رہا یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے زر ثمن کے اور قرار داد مہلت ادائے ثمن بہر حال مفسد بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفسد ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کتاب بحر الرائق وفتاوٰی خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بجہالت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں، بحر الرائق میں ہے:

صح بثمن حال وباجل معلوم قید بعلم الاجل لان جهالته تفضی الی النزاع فالبائع	بیع ثمن حالی کے بدلے اور میعاد معلوم کے ساتھ صحیح ہے ماتن نے اجل کے ساتھ معلوم ہونے کی قید لگائی اس لئے کہ اجل کی جہالت جھگڑے کا

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

یطالبه فی مدة قریبة والمشتری یأباها فیفسد[1]۔	سبب بنتی ہے چنانچہ بائع قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس سے انکار کریگا تو اس طرح فساد آئے گا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع آخر جملا باثنین و ثلاثین غرشا مؤجلة علیه الی ثلث خیارات کل خیار ثلث الثمن فطلع الاخیار ودفع له ثلثه ویطالبه بثلثیه قبل طلوع الخیارین مدعیا ان الاجل المذکور غیر صحیح وانه یستوجب کل الثمن عاجلا فالحکم فی ذٰلك (اجاب) البیع المذکور فاسد[2]۔	ایک ایسے شخص کے بارے میں کیا گیا جس نے دوسرے کے ہاتھ بتیس ۳۲ غرش (دو آنے کے برابر ایک سکہ) کے عوض اونٹ بیچا اور اس پر تین خیاروں تک اجل مقر کی ہر خیار میں تہائی ثمن دے گا پس ایک خیار کے طلوع ہونے پر اس نے بائع کو ثمن کا ایک تہائی دے دیا اور بائع دوسرے دو خیاروں کے طلوع سے قبل ہی باقی دو تہائی ثمن کا مطالبہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ اجل مذکور درست نہیں اور اس بیع میں تمام ثمن معجّل طور پر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے (تو جواب دیا کہ) بیع مذکور فاسد ہے۔(ت)

اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل ہے اس کا کیا جواب ہے:

عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت

بقواعد شرعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیو ہے اس لئے کہ مدعی نے دعوی میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعانہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کردوں گا، پس وعدہ ادائے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسب دعوی مدعی قرار داد ہوا وہ بقید تاریخ معین مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہو سکتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے فقط۔

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۳۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع تام و صحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرار داد مہلت ادائے ثمن کسی طرح مفسد بیع نہیں، نہ بعد تمامی عقد، **وان قلنا بالتحاقه باصل العقد** (اگرچہ ہم اس کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کا قول کریں۔ ت) نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لئے خود وہی عبارت بحرالرائق منقولہ تجویز کافی ہے کہ **صح بثمن حال وباجل معلوم**[1] (بیع درست ہے ثمن حالی کے ساتھ اور معلوم میعاد کے ساتھ۔ ت) اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا عرفاً لغتہً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شے معین ہے نہ کہ مجہول، اسی بحرالرائق میں اسی بحث میں ہے:

وفی السراج الوهاج الأجال علی ضربین معلومة و مجهولة فالمعلومة السنون والشهور والایام[2] **الخ۔**	السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ میعادیں دو طرح کی ہیں، معلوم اور مجہول۔ معلوم میعاد دیں سال، مہینے اور دن ہیں الخ (ت)

آغاز وعدہ سے اختتام سال تک مشتری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تاجیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے **کما فی الهدایة وغیرہ** (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان تمام اجزاء کو شامل تو بائع ہر جز میں طلب کر سکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کر چکا تو جب تک سال کے اندر ہے اسے اختیار مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے **وقد لزم التاجیل من جهته فلا یقدر ان یطالبه** (تحقیق اس کی طرف سے میعاد لازم ہو چکی ہے اب وہ ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ت) ہاں جب سال سے باہر جائے اس وقت اسے اختیار مطالبہ ہوگا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا پھر نزاع کہاں، اور خود عبارت بحرالرائق منقولہ تجویز سے ظاہر کہ اجل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو عبارت خیریہ کو یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شے معین نہیں بخلاف سال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: از اردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خان　　　۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھاؤ

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۸۰

بازاری ۲۰ ثار ہے اور لوگوں کو ۱۶ ثار کے حساب سے دیتا ہے اس قرض دینے میں سود تو نہیں ہوتا؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

یہ سود نہیں، نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو، اور اجل یعنی میعادادا معین کردی جائے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔(ت)

غرض یہ بیع بلا کراہت ہے، ہاں خلاف اولویت ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لا کراھۃ الاخلاف الاولی فان الاجل قابلہ قسط من الثمن[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اجل کے مقابل ثمن کا ایک حصہ ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

بابُ القرض

(قرض کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سو روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ پچیس روپے سالانہ منافع مقررہ بلا نقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کروگے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کردوں گا، جس شخص نے اس شرط کو قبول کرکے روپیہ دے دیا اس پر خود سود خوری کا حکم ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قطعی سود اور یقینی حرام وگناہ کبیرہ خبیث ومردار ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃً فھو ربٰو [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھیرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ، **کما نص علیہ الامام الحلبی فی الغنیۃ** [2] (جیسا کہ اس پر امام حلبی نے غنیہ میں نص فرمائی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴-۵۱۳

مسئلہ ۱۱۶: ۵ شوال ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپلے مجھے کسی سے قرض لادے، ملازم ایک مہاجن سے پچاس وپے یہ کہہ کر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلا تصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے لکھ دیا بعدہٗ روپیہ آقا کو ادا کر دیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپناد ستخطی لکھ کر دے آیا ہوں، بعد چندے زید نے وہ (م ۵۰/) اس ملازم کو دے دیئے، بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ ملازم نے خود اپنے تصرف میں کرلیا اور ملازم سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا، اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا، اس صورت میں وہ (م ۵۰/) مکرر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ اور یہ (م ۵۰/) کہ نوکر نے تصرف کرلئے اسے دینا آئیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین بعث رجلا یستقرضہ فاقرضہ فضاع فی یدہ فلو قال اقرض للمرسل ضمن مرسلہ، ولو قال اقرضنی للمرسل ضمن رسولہ، و الحاصل ان التوکیل بالقراض جائز لابالاستقراض و الرسالۃ بالاستقراض تجوز، ولواخرج وکیل الاستقراض کلامہ مخرج الرسالۃ یقع القرض للاٰمر،	جامع الفصولین میں ہے کسی نے ایک شخص کو قرض لینے کے لئے بھیجا اس نے قرض لیا ور اس کے ہاتھ سے ضائع ہوگیا، اگر اس نے قرض لیتے وقت یوں کہا کہ بھیجتنے والے کے لئے قرض دے تو بھیجنے والا ضامن ہوگا، اور اگر کہا کہ بھیجنے والے کے لئے مجھے قرض دے تو اب قاصد ضامن ہوگا۔ حاصل یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز نہ کہ قرض لینے کے لئے، اور قرض لینے کے لئے قاصد بھیجنا جائز ہے، اور اگر قرض لینے کے وکیل نے بطور قاصد کلام کیا تو قرض آمر کے لئے ہوگا اور

ولو مخرج الوکالة بان اضافه الی نفسه یقع للوکیل وله منعه عن آمره اھ،**قلت** والفرق انه اضاف العقد الی الموکل بان قال ان فلان یطلب منك ان تقرضه کذا صار رسولا و الرسول سفیر ومعبر بخلاف ما اذا اضافه الی نفسه بان قال اقرضی کذا اوقال اقرضی لفلان کذافانه یقع لنفسه ویکون قوله لفلان بمعنی لاجله،وقالو اانما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی وھو لایصح، **قلت** ووجهه ان القرض صلة وتبرع ابتداء فیقع للمستقرض اذلا تصح النیابة فی ذلك فھو نوع من التکدی بمعنی الشحاذة ھذا ماظھر لی اھ [1]۔	اگر ساس نے بطور وکیل کلام کیا بایں اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں قرض خود وکیل کے لئے واقع ہوگا اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قرض آمر کو نہ دے اھ **میں کہتا ہوں** ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب اس نے عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ فلاں تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو اس کو قرض دے تو اس صورت میں وہ قاصد ہوگیا اور قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے،بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اپنی طرف نسبت کی اور کہا مجھے اتنا قرض دے یا کہ کہ مجھے فلاں کے لئے اتنا قرض دے تو یہ قرض خود اس کے لئے واقع ہوا اور اس کے قول "فلاں کے لئے" کا مطلب ہوگا کہ فلاں کی وجہ سے۔اور علماء نے کہا کہ قرض لینے میں وکیل بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ یہ گداگری میں وکیل بنانا ہے جو کہ صحیح نہیں۔میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً صلہ اور احسان ہے چنانچہ قرض مانگنے والے کے لئے واقع ہوگا کیونکہ اس میں نیابت درست نہیں تو اس طرح وہ تکد بمعنی گداگری کی ایک قسم ہوگا، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اھ (ت)

پھر اس صور میں جبکہ نوکرنے وہ روپے جو حقیقۃً اس کی ملک ہوچکے تھے لاکر آقا کو دے دیے اور اس نے اپنے صرف میں کئے،اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض ووجوب تقاضا وادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمہ رہا۔

لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافته الی نفسه وقد اعطی علی وجه التقاضی	کیونکہ قرض لینا اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے خادم پر نافذ ہوگیا اور اس باہمی رضامندی سے وجوب تقاضا کے طور پر اپنے آقا کو

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۵

دون الهبة وبالتراضی صار کفضولی شری مضیفا الی نفسه حتی نفذ علیه ثم اعطاه من اشتری له واخذمنه الثمن حیث لایکون هذا اجازة للعقد السابق لان الاجازة انما تلحق الموقوف دون النافذ بل یکون عقدا جدیدا بینهما بالتعاطی[1] کما فی الهدایة والدر المختار وغیرهما من الاسفار وذلك لکون الدفع بجهة البیع دون الهبة۔	دے دیا نہ کہ ہبہ کے طور پر، تو اس طرح وہ نوکر اس فضولی کیہ طرح ہوگیا جس نے اپنی ذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی چیز خریدی یہاں تک کہ خریداری اس پر نافذ ہوگئی پھر وہ چیز نوکر نے اس شخص کو دے دی جس کے لئے اس نے خریدی اور اس سے ثمن وصول کرلئے، یہاں یہ عقد سابق کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ اجازت تو عقد موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ نافذ کو، بلکہ یہ باہمی لین دین سے ان دونوں کے درمیان ایک نیا عقد ہوگا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ کتاب میں ہے، ور یہ بطور بیع دینے کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور ہبہ۔(ت)

اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہنچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا،

لانه مال هلك قبل الوصول الی الطالب او الی وکیله فلامعنی للقضاء وبراءة الذمة۔	اس لئے کہ وہ مال طالب یا اس کے وکیل تک پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا تو اب قرض کی ادائیگی اور اس سے بری الذمہ ہونے کا کوئی معنی نہیں۔(ت)

اب اگر واقع صورت اولٰی تھی مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے کہ زید نے نوکر کو ادائے دین کے لئے دئے اور اس نے اپنے صرف میں کرلئے اس کا تصرف بیجا اور حرام ہے اور نوکر پر اس تاوان لازم،

لکونه امینا خان و اتلف وتعدی علیه فیما تصرف فصار ضمینا بعدان کان امینا۔	کیونکہ وہ امین تھا اس نے خیانت کی اور امانت میں بیجا تصرف کرکے زیادتی کی تو اب وہ ضامن ہے جبکہ اس سے قبل وہ امین تھا۔(ت)

اور اس کا یہ عذر کہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا محض نامقبول کہ جب آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیچ میں لے لینے والا کون تھا، اور اگر واقع صورت ثانیہ تھی تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بربنائے مذکور اپنے

[1] بحرالرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۴۹

سمجھ کر اٹھالئے بجا کئے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید سے اسی کو ملنا چاہئے تھا **فکان دائنا ظفر بجنس حقہ** (وہ ایسا قرضخواہ ہوا و اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ت) اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہوگیا **لانہ استوفی ماکان لہ** (کیونکہ اس نے اپنا حق پورا وصول کرلیا۔ت) پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اگر نوکر یہ کہہ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے زید پر قائم اور زید کے پچاس روپے نوکر پر لازم، اور اگر یہ کہہ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پچاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہوگئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پچاس روپے کا مطالبہ ہے، پہلی صورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا، اور زید پر پہلی صورتمیں مہاجن کا مطالبہ ہے دوسری میں کسی کا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بھاؤ بکتا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکتا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید نے مول لیا۔

الجواب:

اگر زید نے بیچتے وقت شرط کرلی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لوں گا بلکہ روپیہ کے عوض فصل کے بھاؤ سے ناج لوں گا، تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا اس نے کہا روپیہ تو میرے پس نہیں اس کا اناج لے لو، تو یہ جائز ہے جبکہ وہی ناج نہ ہو جو زید سے خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلّہ سیاہی گراں مرسلہ جناب حاجی عیسٰی خان محمد صاحب رضوی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا، قرضدار نے اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے نوٹ دئے (وہی نہیں دیئے) تو جائز یا کیا؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سود ہے ہاں اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زرِ ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ

زر ثمن کے بدلے لے لو، اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دے دئے تو یہ جائز ہے **وھی مسئلۃ شراء القرض من المستقرض** (یہ مقروض سے قرض خریدنے کا مسئلہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از پکسرانواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے،

عملا بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقًا وقد تعمل بہ الناس وشاع بینھم استقراض الحنطۃ وزنا، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام ابویوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیاء میں مطلقًا عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند و عظمت والے معبود کی طرف سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ الف خان مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوار یاست کوٹہ راجپوتانہ بروز یکشنبہ ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ یک صد یا پانصد روپے کے قریبًا پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع کرنا شرعًا درست ہے کہ نہیں؟ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شیئ تجارت کو ہمراہ روپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہا نوٹ کو بھی اصلی قیمت سے زیادہ ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

(۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شے زیادہ قیمت کو اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے،

لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع و شرط[1]۔	کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع ور شرط سے منع فرمایا ہے۔(ت)

خواہ یہ شرط نصاً ہو یا دلالۃً لان المعروف کالمشروط[2] (کیونکہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ت) اور اگر عقد قرض پہلے ہو اور یہ بیع اس میں نصًا یا دلالۃً مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل قرض جر منفعۃ فھو ربو[3] (جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ت) لہٰذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے وار قرض کا نام ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو، اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کا نوٹ سو کو بیچے، اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال وار سود کو حرام کیا۔(ت)

مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ تعالٰی اعلم وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[5]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔(ت)

اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحالت قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولٰی نہیں، درمختار میں ہے:

شراء شیئ بثمن غال لحاجۃ القرض	کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں

---

[1] نصب الرایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴ /۱۷

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحہ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۳۴

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الریاض ۴/ ۴

یجوزویکرہ۔[1] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	خرید نا جائز اور مکروہ ہے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب سوئلہ جناب شکور محمد صاحب خانساماں ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس، عرصہ دو سال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے کر واپس لے گا اور دو سال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کرکے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا، گیہوں اور مکا وغیرہ، توجو فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے، اور سرکاری لگان بھی ہم دیں گے جو اس کی باقی ہے، اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپے واپس دے کر اپنا کھیت واپس لے لے گا، اب ازراہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہوا؟ اگر بیان ہوگیا تو نہ رکھوں اور اگر بیاج نہ ہوا ہو تو رکھ لوں۔ خوب اچھی طرح سمجھا کر تحریر کردو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہوگیا، اب آپ کیہ رائے پر ہے یہ معاملہ، اگر بیاج ہوگیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب:

یہ نہ شرعاً رہن ہے نہ کسی طرح سود رہنکے لئے ضرور یہ ہے کہ وہ شیئ رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو گیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتی، یہاں یہ دونوں صورتیں، ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکار کی ملک نہیں زمیندار کی ملک ہے اور زمیندار نے اسکے رہن کی اجازت نہ دی کہ اسکی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اجرت یعنی لگان لے گا **والرھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان** (رہن اور اجارہ دو ایسے عقد ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔ت) تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کردے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان دوں گا وہ اجازت دے دے گا اب یہ کاشت اور اس کا محاصل سب بلاشبہہ حلال ہوگا، پہلے کاشت کار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد نہ لے تو یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

مسئلہ ۱۲۳ تا ۱۲۴: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

سوال اول: خراب اناج کھلانا اور فسل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں ؟

سوال دوم: چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے فصل نہ ہوئی تو اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کرکے یعنی جب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگا لینا جائز یا نہیں ؟**فقط**

الجواب:

(۱) اگر اس نے ناج ناقص کر دیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرضدار نے اپنی خوشی سے عمدہ ناج دے دیا سا ای قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا، تو یہ ناجائز ہے،

لکونه خلاف حکم الشرع من ان الدیون تقضی بامثالها ولم یجز التنقیص ایضا لان الشرط المساواة قدرا والجید والردی فیه سواء۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار سے مساوات شرط ہے، عمدہ اور گھٹیا اس میں برابر ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ناج رپ روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انہیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے، تو نرا وعدہ ہے جس کا وفا کرنا ناج ولاے پر لازم نہیں اور اگر یوں ہے کہ اتنا ناج اس بھاؤ سے اتنے روپیہ کا خریدا تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہر حال جب وہ ناج نہ دے سکے تو اس قرار داد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی شے لینا قطعی حرام ہے،

لحدیث لاتأخذ الا سلمك او راس مالك [1] ،واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	اس حدیث کی وجہ سے بیع سلم کی مبیع یا راس المال کے علاوہ مت لے،واللہ تعالٰی علم وعلمه اتم واحکم۔(ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹، تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعة الکبری بولاق مصر ۴ /۱۱۸

مسئلہ ۱۲۵: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ شیخ شان الٰہی ۱۵جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سود کا اطلاق ہوسکتا ہے نہیں اور زید و عمرو گنہگار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی تو بیشک سود و حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسے کے مثل ملعون ہے اگر بے ضرورت شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [1]۔ رواہ الحارث ابی اسامۃ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ الکریم۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سُود ہے۔ (اسے حارث بن اسامہ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ ت)

متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اٰکل الربو مؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ [2]۔ رواہ احمد وابوداؤد و الترمذی وابن ماجۃ بسند صحیح عن ابی مسعود واحمد و النسائی بسند صحیح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنھما وھو عند مسلم عنہ بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اللہ کی لعنت سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہ پر۔ (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رویات کیا، اور امام احمد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام احمد علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا مگر اس میں لفظ شاہد کے بدلے مانع صدقہ کے لفظ ہیں اور

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۳، سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی اکل الربا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷، جامع الترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی اٰکل الربو امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۵

اٰکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	یہ امام مسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔(ت)

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ ادا کیا جائے گا، پھر عمرو کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احسانًا بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز واحسان ہے یا زید نے مثلًا اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر نوٹ عمرو خرچ کرچکا تو بالاتفاق بال شبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسہ میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہوجائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دئے تو ہمارے امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مطلقًا ناجائز ہے کہ عقد باطل ہے، زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے، ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے تصور وخیال میں نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین ودین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں، درمختار میں ہے:

یملك المستقرض القرض بنفس القبض عندھما الامام ومحمد خلاف للثانی، فجاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراھم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بزازیۃ [2] اھ ملخصًا۔	مقروض محض قبضہ کرنے سے ان دونوں یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قرض کا مالک ہوجاتا ہے، بخلاف امام ابو یوسف کے، لہذا (طرفین کے نزدیک) مقروض کا دراہم مقبوضہ کے بدلے میں قرض دہندہ سے قرض کو خرید نا جائز ہے اگر قرض موجود ہو اگر وہ دونوں شخص دراہم مذکورہ پر قبضہ سے قبل جدا ہوگئے تو یہ خریداری باطل ہوگی کیونکہ یہ دین سے جدا ہونا ہے، بزازیہ، اھ تلخیص۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰۔۳۹

ردالمحتار میں ہے:

بیان ذلك انه تارۃ یشتری مافی ذمته للمقرض وتارۃ مافی یدہ ای عین مااستقرضه فان کان الاول ففی الذخیرۃ اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لابعقد صرف ولا سلم، فان کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه ملکه بالاستهلاك و علیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندهما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجو لانه لایملکه مالم یستهبلکه فلم یجب مثله فی ذمته. فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الٰی معدوم فلا یجوز اھ وهذا مافی الشرح وان کان الثانی ففی الذخیرۃ ایضاً استقرض من رجل کراو قبضه ثمن اشتری ذلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه ملکه بنفس القبض فیصیر مشتریاً	اس کا بیان یہ ہے کہ مقروض کبھی تو اس چیز کو خرید تا ہے جو قرض دہندہ کے لئے اس کے ذمہ پر ہے اور کبھی بعینہٖ اس قرض کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ میں موجود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں ہے کہ مقروض نے قرض دہندہ سے سو دینار کے عوض کر (غلہ) خریدا قرض دہندہ کے لئے مقروض کے ذمہ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس پر دین ہے جو کہ عقد صرف اور عقد سلم کے سبب سے نہیں ہے پھر اگر مقروض نے بوقت شراء قرض ہلاک کر دیا ہے تو اس صورت میں سب نے جواز شراء کا قول کیا ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے کے سبب سے قرض کا مالک ہوگیا اور بلاخلاف اس کی مثل اس کے ذمے لازم ہے اور اگر بوقت شراء قرض مقروض کے پاس موجود ہے تو بھی طرفین کے نزدیک یہی حکم (جواز) ہے جبکہ امام ابویوسف کے قول پر مناسب ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک جب تک وہ قرض کو ہلاک نہ کرے مالک نہیں ہوگا لہٰذا اس کی مثل مقروض کے ذمہ پر لازم نہ ہوگی اھ، یہ وہ ہے جو شرح میں ہے، اور اگر دوسری صورت میں ہے تو اس کے بارے میں بھی ذخیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے ایک کر قرض لیا پھر اس پر قبضہ کرکے بعینہٖ وہی کر اس مقروض نے قرض دہندہ سے خرید لیا تو طرفین کے قول پر جائز نہیں کیونکہ وہ مقروض محض قبضہ کرنے سے قرض کا مالک ہوچکا ہے

ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف فالکُر باقٍ علی المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیرہ فیصح[1]۔	تو اب وہ اپنی ہی ملک کا خریدار ہوگیا لیکن امام ابویوسف کے قول پر چونکہ وہ کر قرض دہندہ کی ملک پر باقی ہے، چنانچہ مقروض ملک غیر کا خریدار ہوا للذا یہ خریداری صحیح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی البزازیة من اٰخر الصرف، اذاکان له علی اٰخر طعام او فلوس فاشتراہ من علیه بدرہم وتفرقا قبل قبض الدراہم بطل وھذا ممایحفظ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ باب الصرف کے آخر میں ہے کہ اگر کسی کا دوسرے کے ذمے اناج یا پیسے لازم ہیں پھر مقروض نےاس سے کچھ دراہم کے بدلے وہ اناج یا پیسے خرید لئے اور دراہم پر قبضہ سے پہلے ہی یہ دونوں شخص متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہے، یہ بات قابل حفظ ہے۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: ازالہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی برادر مولانا مفتی اسد اللہ خان صاحب مرحوم ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضہ یا فتنی مورثکے منجملہ سے بری کردیا، مطابق شرع مذہب اہل سنت وجماعت دیگر وارثان کو وارث مذکوراس جو خریدار جائداد مدیون ہے بقدر حصہ رسدی زرقرضہ یافتنی مورچ کے نقد دلایا جائے گا یا جائداد خریدہ وارث مذکور متروکہ متصور ہوکر دیگر وارثان کو بھی بقدر سہام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائیگا۔بینوامشرحا ومدللا مع سند الکتاب توجرواعنداللہ الملك العزیز الوھاب(تفصیل سے مدلل اور حوالہ کتب کے ساتھ بیان فرمائیں اللہ تعالٰی بادشاہ غالب بہت عطافرمانے والے کے ہاں اجر دئے جاؤگے۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے ان میں ہر ایک بقدر اپنے حصہ کے جائداد بعوض دین پالے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو او مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیانۃً اس سے بھی یہی امید کہ تنہا اپنے ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقع بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارت سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اسے مستلزم نہیں کہ مشتری لہ بھی تنہا وہی ہو، یوں ہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملک غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شرا مشترک یا غیر کے لئے ہو،

فی الخیریۃ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ باپ کے مال سے کسی شیئ کو خریدنے سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔(ت)

لہٰذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کام عاقدین مختلف واقع ہوا یعنی بائع نے اپنی براءت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتریہ نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی، مثلاً اس نے کہا میں نے یہ جائداد تم سب کے ہاتھ تمہارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوئی کہ ایجاب وقبول متخالف رہے،

فی البحر الرائق عن فروق الکرابیسی لو قال اشتریت لفلان بکذا و البائع یقول بعت منك بطل العقد فی اصح الروایتین والفرق انه خاطب المشتری والمشتری یسترد لغیرہ فلایکون جوابا فکان شطر العقد[2]۔	بحرالرائق میں فروق الکرابیسی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے کے عوض یہ شیئ فلاں کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کی، تو دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق عقد باطل ہوگا، فرق یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو مخاطب بنایا جبکہ مشتری اس کو غیر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے تو یہ مشتری کا جواب نہ ہوا تو اس طرح یہ آدھا عقد ہوا (یعنی دو۲ میں سے صرف ایک رکن پایا گیا)(ت)

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب البیوع فصل فی القرض دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] بحرالرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین اس پر قائم، صرف مشتری کہ بری کرچکا، اگر اس کا ابرا اس عقد سے جدا واقع ہوا یعنی دین بطور خود معاف کردینا چاہا ہو، اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہوا اسی شرائے جائداد بعوض دین کی بناء پر دعوی سے اسے بری کیا ہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا وقد اوضحناہ وفصلناہ فی المداینات من فتاوٰنا (اس کی وضاحت وتفصیل ہم اپنے فتاوٰی میں مداینات کی بحث میں بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر مشتری نے اپنے ہی لئے خریدی اور بائع نے بھی اس کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہوگئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں، ہاں زر ثمن میں اس دین کا محسوب ہونا ان کی اجازات جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا، جو اجازت دے گا اس کے حصہ دین سے بائع بری، اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ کے لئے لازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصہ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوئی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد، عقد تو بامشتری تام ونافذ ہولیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف اس بناء پر کہ یہ من وجہ شراء ہے اور شراء مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہوجاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر غیر نافذ وموقوف، تو جہاں من کل وجہ شرا ہے اس کا مشتری پر نفاذ اوضح واجلی ہے،

فی البحر الرائق ان کان الثمن عرضا کان مملوکا للفضولی واجازۃ المالك اجازۃ نقد لا اجازۃ عقد لانه لما کان العوض متعینا کان شراء من وجه والشراء لایتوقف بل ینفذ علی المباشر ان وجد نفاذا، فیکون ملکا له وباجازۃ المالك لاینتقل الیه، بل تاثیر اجازته فی النقد لافی العقد ثمن یجب علی الفضولی مثل المبیع ان کان مثلیا والا فقیمته الخ[1]۔	البحر الرائق میں ہے ثمن اگر سامان ہو تو فضولی کا مملوک ہوگا اور مالک کی اجازت اجازت نقد ہے نہ کہ اجازت عقد، کیونکہ عوض جب متعین ہے تو یہ من وجہ شراء ہے اور شراء موقوف نہیں ہوتی بلکہ مباشر پر نافذ ہوجاتی ہے اگر وہ نفاذ کی راہ پائے تو یہ مشتری کی ملک ہوا اور مالک کی اجازت سے ت یہ مشتری کی ملک ہو اا ور الک کی اجازت سے یہ مالک کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ اس کی اجازت نقد میں اثر کرے گی نہ کہ عقد میں، پھر فضولی پر مبیع کی مثل واجب ہوگی اور اگر وہ مثلی ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی الخ (ت)

[1] البحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۸/۶

اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار ہے کہ اپنے تمام حصہ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصہ دین مشتری نے بذیعہ شراء وصول پایا اسے جمیع سہام پر تقسیم کرکے بقدر اپنے سہم کے روپے کا مطالبہ مشتری اور باقی کا مدیون سے رکھے، مثلاً نوے روپے دین تھے، اور زید، عمرو، بکر تین بیٹے وارث زشید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خریدلی تو اس نے اپنے تیس روپے پالئے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے مدیون سے لے خواہ ازانجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پالیا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے باقی بیس کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعوٰی نہیں کرسکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کرلے،

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما شیئا منه شارکه الاٰخر فیه ان شاء او اتبع الغریم، فلو اشتری بنصفه شیئا ضمنه شریکه الربع لقبضه النصف بالمقاصة او اتبع غریمه لبقاء حقه فی ذمته [1] اھ مختصرا وفی الھندیة ولو اشتری بنصیبه ثوبا فللشریك ان یضمنه نصف ثمن الثوب ولا سبیل له علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشرکة فی الثوب فذلك جائز کذا فی السراج الوھاج [2]۔	درمختار میں مذکور ہے دو شخصوں میں سبب واحد سے مشترک دین ہو جیسے دین موروث ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ دین مشترک وصول کرلیا تو دوسرا اگر چاہے تو اس میں شریک ہوجائے یا پھر مدیون کا پیچھا کرے، اور دونوں میں سے ایک شریک نے نصف دین کے بدلے مدیون سے کوئی چیز خریدی تو یہ خریدنے والا شریک دوسرے کو دین کے چوتھائی کا تاوان دے کیونکہ اس نے نصف دین پر قبضہ کیا ہے دین کے ثمن میں مجرا ہونے کے سبب سے یا پھر دوسرا شریک مدیون کا پیچھا کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمے پر باقی ہے اھ مختصرا۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شریک نے اپنے حصے کے بدلے میں مدیون سے کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو آدھے کپڑے کے ثمن کا ضامن ٹھہرائے اور کپڑے پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں کپڑے کی شرکت پر متفق ہوجائیں تو یہ جائز ہے السراج الوہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۳۷

اور اگر یہ عقد شراء سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مدیون نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دین مشتری نے کہا میں نے سب کی طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی، یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف عقد کے لئے بس ہے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو،

فی البزازیة والبحر وغیرہما الصحیح انه اذااضیف العقد فی احدالکلامین الی فلان یتوقف علی اجازته اھ[1] واما عدم التخالف فقدمناہ عن البحر عن الفروق ان الاصح عند التخالف البطلان قلت وھو مراد وجیز الکردری بقوله لو قال اشتریت لفلان وقال بائع بعت منك الاصح عدم التوقف[2] اھ وقد عرض ھھنا وھم للعلامة الشامی فی ردالمحتار نبھنا علیه فیما علقنا علیه وباللّٰه التوفیق۔	بزازیہ اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے صحیح یہ ہے کہ جب دو کلاموں میں سے صرف ایک میں عقد کی اضافت فلان کی طرف کی گئی ہو تو عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، رہا مخالفت کا نہ ہونا تو ہم بحر سے بحوالہ فروق پہلے بیان کرچکے ہیں کہ بائع ومشتری کے کلاموں میں مخالفت کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عقد باطل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ وجیز الکردری کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اگر مشتری نے کہا میں نے فلاں کے لئے خریدا اور بائع نے کہا میں نے تیرے ہاتھ بیچا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ عقد موقوف نہیں ہوگا اھ یہاں پر علامہ شامی کو ردالمحتار میں ایک وہم عارض ہوا، ہم نے ردالمحتار پر اپنی تحریر کردہ تعلیقات میں اس پر تنبیہ کردی، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایۃً یا ولایۃً یا وکالۃً اس شراء کا اختیار رکھتا تھا جب تو ظاہر کہ عقد تمام وکمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانه تصرف من له التصرف فتم ونفذ من دون توقف (کیونکہ یہ اس کا تصرف ہے جس کو تصرف کا اختیار ہے تو بلا توقف تام ونافذ ہوگیا۔ت) ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصد ایسا ہے جس پر کسی کو اس شراء کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آج کل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ، نہ دادا نہ ان کا وصی، نہ وصی الوصی، نہ ان بلاد میں قاضی شرع، نہ سلطان اسلام، اور ان کے سوا

[1] البحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

[2] الفتاوٰی البزازیة علی ہامش الفتاوٰی الھندیة کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۸۳

ماں بھائی چچا وغیرہ یتیم کے لئے جائداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرف اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے وعقد ایسا صادر ہو کہ وقت عقد جس کا مجیز نہیں ہو باطل ہوتا ہے،

فی الدر کل تصرف صدر منہ ولہ مجیز ای من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا وما لا مجیز لہ حالۃ العقد لاینعقد اصلا[1]۔	در میں مذکور ہے ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہوا اور عقد کے وقت اس کا کوئی مجیز یعنی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی اجازت دے سکتا ہے تو اس عقد کا انعقاد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جس تصرف کا بوقف عقد کوئی مجیز موجود نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔(ت)

تو مشتری کا اس نابالغ کی طرف سے قبول، نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم، تو ایجاب سب کے لئے تھا اور قبول بعض کی طرف سے نہ پایا گیا، یا یوں کہئے کہ ایجاب کل مبیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا، بہر حال ایجاب وقبول مختلف ہو کر عقد راسًا باطل ہوگیا کل جائداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولیٰ قائم۔

فی ردالمحتار عن البحرالرائق الموجب اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق بقبول احدھما بائعا کان الموجب او مشتریا وعلی عکسہ لم یجز القبول فی حصۃ احدھما[2] اھ وفیہما شرط العقد موافقۃ الایجاب للقبول فلو قبل غیرما او جبہ او بعضہ او بغیر ما او جبہ او بعضہ لم ینعقد الا فی الشفعۃ[3] الخ۔	ردالمحتار میں البحرالرائق کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایجاب کرنے والا اگر ایک ہو اور مخاطب متعدد ہوں تو تفریق جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک قبول کرے، چاہے ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری ہو، اور اگر اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے ایک کے حصہ میں قبول جائز نہیں اھ انہی دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ قبول کا ایجاب کے موافق ہونا شرط ہے بایں طور کہ مشتری اسی چیز کو قبول کرے جس کا بائع نے ایجاب کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کو قبول کرے یا جو ثمن بائع نے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۹، بحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۶۸۔۲۶۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵، بحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۸

ایجاب میں ذکر کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کے بدلے قبول کرے تو سوائے شفعہ کے منعقد نہیں ہوا الخ۔(ت)
اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورچہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف نافذ، تو شراجق مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول نافذ ہے نافذ ولازم باقی ورثہ کے لئے خود ان کی خواہ ان کے وصی یا وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دے گا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ھو شان عقد الفضولی (جیسا کہ عقد فضولی کی شان ہے۔ت) اب بحالت رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض مبیع رہی اور بعض مبیع سے نکل گئی اس میں اس پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہو سکتا،

اما التفریق فظاھر و کذا کونہ قبل التمام فکیف تتم صفقۃ موقوفۃ قبل الاجازۃ الاتری ان للمشتری لہ الرد بدون قضاء ولارضاء ولذاکان خیار الشرط مانعا تمامھا کما نص علیہ فی الفتح[1] وغیرہ، قال فی الدر المختار الاصل ان ردالبعض یوجب تفریق الصفقۃ وھو بعد التمام جائز لاقبلہ فخیار الشرط و الرؤیۃ یمنعان تمامھا وخیار العیب یمنعہ قبل القبض لابعدہ[2] الخ قلت والدین لازم بیعہ ممن	لیکن تفریق ظاہر ہے یونہی اس کا قبل از تمام ہونا کیونکہ اجازت پر موقوف عقد اجازت سے قبل کیسے تمام ہو سکتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے خریداری ہو اس کو قضاء ورضاء کے بغیر ہی رد کا اختیار ہے، اسی لئے خیار شرط تمامیت صفقہ سے مانع ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں منصوص ہے۔ درمختار میں ہے اصل یہ ہے کہ بعض کو رد کرنا تفریق صفقہ کا موجب ہے اور وہ تمامیت صفقہ کے بعد جائز ہے نہ کہ اس سے پہلے، چنانچہ خیار شرط اور خیار رؤیت تمامیت صفقہ سے مانع ہیں جبکہ خیار عیب قبضہ سے پہلے مانع ہے قبضہ کے بعد مانع نہیں الخ **میں کہتا ہوں**

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۴۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۷۰
[2] درمختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵

ھو اصیل وفضولی الردمن شری له بل تحتمل الاجازۃ فلم یتحقق من البائع الرضی بتفریق الصفقة والرد معیبا بعیب الشرکة۔قال فی الھدایة اذا اشتری لرجلان غلاما علی انھما بالخیار فرضی احدھما فلیس لاٰخر ان یردہ،لان المبیع خرج من مبلکه غیر معیب بعیب الشرکه فلوردہ احدھما ردہ معیبا به وفیه الزام ضرر زائد ولیس من ضرورۃ اثبات الخیار لھما الرضا برد احدھما لتصورا اجتماعھما علی الرد [1] اھ مختصرا وفی الدر المختار لیس لاحدھما الانفراد اجازۃ اورد اختلافا لھما،مجمع [2]۔	لازم دین کو فروخت کرنا اس شخص سے جو اصیل ہے اور فضولی بھی، فضولی ہونے کی حیثیت سے جس کے لئے خریدا اس کو رد کرنے بلکہ جائز کرنے کا اکتیار ہے تو اندریں صورت بائع کی طرف سے سودے کے متفرق ہونے اور شرکت عیب کے ساتھ رد کرنے پر رضا نہ پائی گئی، ہدایہ میں فرمایا کہ جب دو شخص نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ دونوں کو خیار شرط حاصل ہوگا پھر ان میں سے ایک راضی ہوگیا تو دوسرے کو رد کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ غلام مبیع بائع ملک سے اس حال میں نکلا تھا کہ اس میں عیب شرکت نہیں تھا،اب اگر دونوں میں سے ایک اس کو واپس کرے تو اس حال میں واپس کریگا کہ اس میں شرکت کا عیب موجود ہے اور اس میں بائع پر ضرر زائد لازم کرنا ہوا،اور بائع کی طرف سے ان دونوں کو خیار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان میں سے ایک کے رد کرنے پر راضی ہو کیونکہ ان کے رد پر جمع ہونے کا احتمال موجود ہے اھ مختصر،درمختار میں ہے دونوں میں سے ایک کو انفرادی طور اجازت یا رد کا اختیار نہیں بخلاف صاحبین کے، مجمع۔(ت)

لہٰذا اسے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے خواہ اس ضرر تفریق کو گوارا کرکے جس نے رد کیا اس کا حصہ پھیر لے باقی میں بیع مقبول رکھے اس تقدیر پر جنہوں نے رد کیا انہیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے اپنے حصص دین کا مطالبہ

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۰۔۳۹

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳

مدیون سے رکھیں خواہ ان پانے والے شریکوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد بفعل مشتری خواہ ان کے یا ان کے اولیا یا اوصیا کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بمعاوضہ جائداد وصول پالیا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں سے کریں باقی کا اصل مدیون سے رکھیں کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید وعمرو بعوض دین دو ثلث جائداد کے مالک ہوئے بکر نے کہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تیس پورے مدیون سے لے خواہ دس دس زید وعمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پاچکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون پر رکھے، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۲۷: ازالہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعالی خدمت جناب مولٰنا المجد دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو فتوٰی آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں، بسبب علالت طبیعت، میں استخراج عبارت مذکورہ من الکتب کی طرف متوجہ نہ ہوسکا اور لڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں مجبورانہ خدمت گرامی بکمال تمنا ملتمس ہوں کو براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمائیے کہ عبارت عبارات مذکور کس باب وفصل میں ہیں ممنون منت ہوں گا، **والتسلیم!**

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما [1] الخ(ملخصا) فی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریك ان یضمنہ [2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ دین مشترک جو سبب واحد کے ساتھ ہو جیسے دین موروث، پر دونوں میں سے ایک شریک جب قبضہ کرلے الخ ہندیہ میں ہے کہ جب ایک شرک نے مدیون سے اپنے حصہ کے بدلے میں کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ضمان لے الخ (ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت درمختار کتاب الصلح

[1] الدر المختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۳۷

فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات میں ہے والسلام۔

مسئلہ ۱۲۸: ۲۸ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے قرض لئے لیکن غلہ بہم نہ کرسکا تو دائن نے اس سے بجائے غلہ کے زر نقد بحساب نرخ بازار لے لیا تو یہ شرح بازار قرضہ پر جوافزود ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائزاور حرام قطعی اور نراسود ہے،

فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچے سود ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

باب الرّبٰو

(سُود کا بیان)

مسئلہ ۱۲۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو باختیار اپنے خلاف بازار نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چونے یا غلے کے عوض بیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے مال کو بہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وعدہ پر بیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اندازہ شرعی جو دربارہ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورت اولٰی: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے، مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا، تو ایسی دو۲ چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو، اور اگر ایسی دو چیزیں ایک یا دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں، اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا

یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربٰو قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ: جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل ووزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شما رسے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج، جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تل کر بکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں کہ شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک دونوں کا دین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ: جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گیہوں جو کے ساتھ، یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل روا، اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انہیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا چونا زعفران وغیرہ ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں

صورت رابعہ: جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل ونسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ: سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفعہ ہوسکتا ہے کہ ان پر قبضہ کرلیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہوگئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہوگئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔

فائدہ: چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے:

(۱) گیہوں **(۲)** جو **(۳)** چھوہارے **(۴)** نمک۔

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انہیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے۔اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی ــ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر ہے، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج عـــہ۔

مسئلہ ۱۳۰: ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سود کا ایک روپیہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں:

حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اکل درھماً من ربٰو فھو مثل ثلث و ثلثین زنیۃ، ومن نبت لحمہ من السحت فالنار اولٰی بہ [1] رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ایک درہم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے (اس کو طبرانی نے معجم اوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث (۲و۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللہ من ثلثۃ وثلثین زنیۃ یزینھا فی الاسلام [2]۔ رواہ الطبرانی	بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ (اس کو طبرانی نے

عـــہ: جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۹۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۵۴۱

[2] الدر المنثور بحوالہ طبرانی تحت آیۃ ۲/ ۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/ ۳۶۷، الترغیب والترہیب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الربا دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۱۷

فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود ایضا عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۴) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

درھم ربا یأکلہ الرجل وھو یعلم اشھد عنداللہ من ستۃ وثلثین زنیۃ[1]۔رواہ احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ۔	سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالٰی کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہےت (اس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالٰی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین زنیۃ یزنیھا الرجل[2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والبیھقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ تعالٰی کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے۔(اس کو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی مذمت میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۶) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم ربا اشد جرما عنداللہ من سبع وثلثین زنیۃ[3]۔رواہ الحاکم فی الکنی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	بیشک سود کا ایک درہم اللہ عزوجل کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے۔(اس کو حاکم نے کنیتوں کے باب میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۷) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح	سود ستر گناہ ہے جن میں سب سے آسان تر اس شخص

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۷۰۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۳۳۰، مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ ذم الغیبۃ، والبیھقی باب الترہیب من الربا مصطفی البابی مصر ۳ /۷

[3] کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنی حدیث ۹۷۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۹

امه [1]،و فی روایة سبعون بابا ادناها کالذی یقع علٰی امه [2]،رواہ ابن ماجة وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابن جریر ورواہ البیہقی بسند لاباس به باللفظ الثانی کلهم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	کی طرح ہے جو اپنی ماں سے نکاح کرے۔(اور ایک روایت میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں جن میں ادنٰی یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر پڑے۔ت) (اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں ساتھ لفظ ثانی کے تمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث(۸) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا ابواب، الباب منه عدل سبعین حوبا ادناه فجرة کاضطجاع الرجل مع امة [3]۔رواہ ابن مندة وابونعیم عن الاسود بن وهب بن عبد مناف بن زهرة الزهری القرشی خال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ورضی الله تعالٰی عنه۔	بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ برابر ستر گناہ کے ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہونا(اس کو ابن مندہ اور ابونعیم نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماموں حضرت اسود بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہری القرشی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث(۹) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا احد وسبعون بابا او قال ثلثة وسبعون حوبا ادناها مثل اتیان الرجل امه [4]۔رواہ عبدالرزاق عن رجل من الانصار	سود اکہتر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے جماع کرنا(اس کو امام عبدالرزاق نے انصار کے

[1] سنن ابن ماجه باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۴

[3] الاصابة فی تمیز الصحابة بحواله ابن مندة ترجمہ ۱۷۲ اسود بن وہب دار صادر بیروت ۱/ ۴۶

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	ایک مرد سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

حدیث (۱۰) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امه[1]۔رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا (اس کو طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ معجم اوسط میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ابواب الربا اثنان وسبعون حوبا ادناھا کالذی یاتی امه فی الاسلام [2]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا (اسی کو طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۲) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امه[3] رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرطھا و البیھقی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے (اس کو حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے اس کو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا نیف وسبعون بابا اھونھن بابا مثل من اتی امه فی الاسلام	سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں ان میں سب سے ہلکا ایسا ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرنا

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۹۷۵۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۵

[3] المستدرك کتاب البیوع دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷، شعب الایمان للبیھقی حدیث ۵۵۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴

ودرہم من ربا اشد من خمس و ثلثین زنیة[1]۔رواہ البیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور سود کاایک درم پینتیس زنا سے سخت تر ہے۔(اس کو بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۴) سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا سبعون بابا اھونہا مثل نکاح الرجل امہ[2]۔رواہ ابن عساکر بسند صحیح۔	سود ستر دروازے ہیں ان میں آسان تر اپنی ماں سے زنا کے مثل ہیں۔(اس کو ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ت)

حدیث (۱۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا اثنان وسبعون حوبا اصغرھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا اشد من بضع وثلثین زنیة[3]۔رواہ ابن ابی الدنیا والبغوی وغیرہما وصدرہ عند عبدالرزاق بلفظ بضعة وسبعون[4]۔	سود بہتّر گناہ ہے سب سے چھوٹا بحالت اسلام اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کاایک درہم کئی اوپر تیس زنا سے سخت تر ہے۔(اس کو ابن ابی الدنیا اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا، اور امام عبدالرزاق کے ہاں لفظ بضع وسبعون کے ساتھ ہے۔ت)

حدیث (۱۶) سیدنا عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

الربا ثلث وسبعون حوبا ادناھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا کبضع وثلثین زنیة[5]۔	سود میں تہتّر گناہ ہیں سب سے کم ایسا جیسے اسلام میں اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا ایک درہم چند اور تیس زنا کی مانند ہے(اس کو

---

[1] الدر المنثور بحوالہ البیہقی فی الشعب تحت آیۃ ۲/۲۷۹ منشورات قم ایران ۲/ ۹۶، الترغیب والترہیب بحوالہ البیہقی فی الشعب الترھیب من الربا حدیث ۱۶ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸

[2] المنتقی لابن الجارود عن ابی ہریرۃ حدیث ۶۳۷ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ص ۲۱۸

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا والبغوی حدیث ۱۲ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۳/ ۷، شرح السنۃ للبغوی باب وعید آکل الربا حدیث ۲۰۵۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۵۴

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

[5] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رواہ عبدالرزاق۔	امام عبدالرزاق نے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۷) کعب احبار فرماتے ہیں:

لان ازنی ثلثا وثلثین زنیۃ احب الی من ان اٰکل درھما ربا یعلم اللہ انی اکلتہ حین اکلتہ ربا[1]۔رواہ الامام احمد عنہ بسند جید۔	بیشک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ سود کا ایک درہم کھاؤں جسے اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سود کھایا ہے۔(اس کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی،اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۱: ۲۷ رجب روز دوشنبہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے،پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اٰکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ[2]۔رواہ احمد وابوداؤد	اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷،سنن ابو داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷) (جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵،سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۶،مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود دارالفکر بیروت ۱/ ۳۹۳ و ۴۰۲ و ۴۰۹ و ۴۵۳،مسند احمد بن حنبل عن علی کرم اللہ وجہہ دارالفکر بیروت ۱/ ۸۳ و ۱۰۷ و ۱۳۳ و ۱۵۰،سنن النسائی کتاب الزینۃ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۸۰

والترمذی وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر وزادوھم یعلمون[1] کلھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه احمد والنسائی عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھه سند اھما صحیحان وبمعناہ عند مسلم فی صحیحه وزادو ھم سواء[2]۔	کرنیوالے پر (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں یہ زیادہ کیا کہ وہ جانتے ہوں کہ یہ سود ہے ان تمام ائمہ نے اس کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام احمد اور نسائی کے نزدیک اس کی مثل سیدنا حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے اور ان دونوں کی سندیں صحیح ہیں اس کے ہم معنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ سب برابر ہیں۔ ت)

مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ ت) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

فی الاشباہ والنظائر وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3] اھ قال فی الغمز و ذلك نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا[4] اھ	الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے اھ (ت)

اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا نوسو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سودوسو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلٰی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر، باب ماجاء فی الرباء، دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۱۸
[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶
[4] غمز عیون البصائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وللہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت عــه ومطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، باینہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے،

فی الدرالمختار لاباس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ (عبارۃ المجتبی لمن یخاف) والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ (فقد روی الخطابی فی الغریب عن عکرمۃ مرسلا قال اتی شاعر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا بلال اقطع لسانہ عنی فاعطاہ اربعین درھما) ومن السحت مایاخذہ شاعر	درمختار میں ہے کہ جب کسی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو اس کے لئے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں (مجتبٰی کی عبارت میں ہے جسے خوف ہو) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاعروں کو اور جن کی زبان درازی کا خوف ہوتا ان کو عطا فرماتے تھے (خطابی نے غریب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً روایت کیا عکرمہ نے کہا کہ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اے بلال! اس کی زبان مجھ سے قطع کرو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کو چالیس درہم

عــه: ظاہر ہے کہ یہ ذلت پہنچے گی کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲منہ۔

لشعر (لانه انما یدفع له عادة قطعا للسانه فلو کان ممن یؤمن شره فالظاہر ان مایدفع له حلال بدلیل دفعه علیه السلام بردته للکعب لما امتدحه بقصیدته المشهورة تأمل[1]) اھ ملخصا مختلطا برد المحتار۔	دے دئے) حالانکہ شاعر جو کچھ شعر کی وجہ سے لیتا ہے وہ حرام ہے (کیونکہ عادتاً جو کچھ اس کو دیا جاتا ہے وہ اس کی زبان درازی روکنے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شاعر ایسا ہو جس کے شر سے امن ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو جو کچھ دیا جائے وہ حلال ہے اس پر دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمانا ہے جب حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا) اھ تلخیص باختلاط ردالمحتار (ت)

اور اگر اس مفلس قرضدار کی قرضخواہ کی طرف اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو مہلت دے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر قرضدار تنگدست ہو تو اس کی کشادگی اور آسانی مہیا ہونے تک مہلت دو۔ (ت)

اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے ادا کی نیت رکھے مفلسی کو پروانہ معافی نہ ٹھہرالے کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا، جب ایسی سچی نیت رکھے گا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہو گئی نہ کرے گا تو اس سے زیادت شرع اسے تکلیف نہیں دیتی،

قال اللہ تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ (ت)

پھر اگر اسی حال پر مر گیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین جل جلالہ درگزر فرما کر

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا۔ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللہ عنه، و من اخذیرید اتلافھا اتلفه اللہ[1]۔اخرجه احمد و البخاری وابن ماجة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو لوگوں کے مال بہ نیت ادالے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کردینے کے ارادے سے لے اللہ تعالٰی اسے ہلاک کردے۔(امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من ادان دینا ینوی قضائه اداه اللہ یوم القیٰمة[2]۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن میمونة بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہا باسناد صحیح۔	جو کوئی دین لے کہ اسکے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے گا(طبرانی نے معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تخریج فرمائی۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائه ثم مات قبل ان یقضیه فانا ولیه[3]۔رواہ احمد باسناد جید و ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	میرا جو امتی کسی دین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کئے مرجائے تو میں اس کا ولی و کفیل کار ہوں (اس کو امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ اور ابویعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳/ ۴۳۲ وحدیث ۷۲، ۷۳ ۲۴/ ۲۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشه رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۴، ۱۵۴، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۹۳۳۴ مکتبة المعارف الریاض ۱۰/ ۱۵۸

من تداین بدین وفی نفسه وفاؤه ثم مات تجاوز الله عنه وارضی غریمه بماشاء [1]۔الحدیث۔رواہ الحاکم و بنحوہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی دین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مرجائے تو اللہ تعالٰی اس سے در گزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کردے الحدیث (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اس کی مثل طبرانی نے معجم کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بیشک سودی قرض لینا جائز طریقہ ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق دے دے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالٰی سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے،

فی الغنیة الزوج له ان یضرب زوجته علی ترك الصلوة وان لم تنتہ عن ترکها بالضرب یطلقها ولو لم یکن قادرا علی مهرها ولان یلقی الله تعالٰی ومهرها فی ذمته خیرله من ان یطأ امرأة لاتصلی [2]۔	غنیہ میں ہے کہ شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز چھوڑنے پر مارے اور اگر مارنے کے باوجود وہ نماز چھوڑنے سے باز نہیں آتی تو طلاق دے دے اگرچہ اس کو مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملنا کہ اس کی بیوی کا مہر اسکے ذمہ پر ہو بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت سے صحبت کرے جو نماز نہیں پڑھتی۔(ت)

دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت وتنبیہ کسی طرح نہیں مانتی بایںہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا، تو سودی قرض لینا کہ جو خود اس کا گناہ ہے کیونکر گوارا کیا جائے گا اور قرضدار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہوگا **اھذا کله ماظهر لی وارجوان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی** (یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ **ان شاء اللہ تعالٰی** یہ درست ہوگا۔ت) رہی ضمانت وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعاً جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب البیوع باب من تداین بدین الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۲

[2] غنیة المستملی احکام المساجد مسائل شتی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۲۱

مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے اب گناہگار زیادہ کون ہے؟ وہ شخص جس نے سود پر دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے تو یہ توبہ اسکی قبول ہوگی یا نہیں؟ اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کہے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے، اور حدیث صحیح میں: **ھم سواء** [2] فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ہیں، اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزوجل سے آئندہ کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے، جو ایسا کرے گا اس کی توبہ بیشک قبول ہوگی "هُوَالَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ" [3] (وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ت) اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوجائے گا **التائب من الذنب کمن لاذنب لہ** [4] (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۸: از شاہجہان پور محلّہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ:

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مرگیا اب ورثا زید کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[4] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشھادات دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۵۴، سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

(۲) زید نے روپیہ قرض سود پر دے کر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسب ضابطہ کچہری ۸ فیصدی سود تا ادائے روپیہ اور بھی ڈگری میں لکھا جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثاء اسکے دونوں قسم کا سود لے سکتے ہیں اور شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے پرامیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا تھا زید مرگیا ورثاء زید کو حسب ضابطہ کچہری اول سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے ورثاء نہ سود نوٹوں کا پاسکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کرسکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب تین ہزار روپیہ کے کچہری میں صرف ہوگا ورثاء زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کردیں یعنی گورنمنٹ سے لے کر پھر اسی کو واپس کردیں پس ورثاء زید تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلق ناجائز ہے؟

(۴) عمرو نے پرامیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرامیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فی صدی سالانہ سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے اور نرخ نوٹوں کا بھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے آجکل سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ ایک سو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمرو بھی ایک لاکھ روپیہ کے پرامیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے یا نرخ سے دو روپیہ زیادہ نفع پر بیچ ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی شخص نے دو ہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جس میں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود، وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعوض بارہ سو کے وہ ڈگری فروخت کرڈالے تو کیسا ہے؟

(۶) اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کل یا بعض لے کر مدرسہ اسلامیہ میں دے دی جائے تو شرعًا کیا اس کی حالت ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حرام قطعی ہے،

قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ(۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	مولا سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو تو خبردار ہو جاؤ خدا اور رسول کے لڑنے سے یا اعلان کردو

مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[1]	اللہ و رسول سے لڑائی کا۔

یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کارہ گیا تھا مسلمانوں نے خیال کیا یہ تو حرمت سے پیشتر ہے اسے لے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہا ہم میں خدا اور سول سے لڑنے کی طاقت نہیں، وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ **معاذاللہ** یہ بقیہ شقیہ کے سرے سے بعد تحریم الٰہی کے لینا دینا ٹھہرا، اور اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار اور اس کے رسول جلیل جبار جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کرلے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا اور رسول عزمجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** (اللہ کی پناہ جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ت) ورثہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث کی ملک اور اس کا ترکہ ہو یہ سود نا مسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے **واللہ الهادی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

(۲) کسی قسم کا نہیں لے سکتے، دونوں قطعی حرام ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کے ستر، اور ایک حدیث میں بہتّر، اور دوسری میں تہتر دروازے ہیں، ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ[2]، الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل	حاکم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سود کے تہتر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمترین ایسے ہے جو کوئی مرد اپنی ماں سے

[1] القرآن الکریم ۲ /۷۹-۲۷۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲ /۳۷

امه[1]. ابن ماجة والبیھقی باسناد لاباس به واللفظ له عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الربا سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امه[2]۔	زنا کرے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے ایسی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے(ت)

توجو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مانتا ہے تو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستر ستر بار زنا کرنا، واللہ الھادی۔

(۳) سود لیناحرام قطعی وکبیرہ وعظیمہ ہے جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے،

وھذا مسألة جلیلة دقیقة لایتنبه الا بتوفیق اللہ تعالٰی وسنفصلھا یوما ان شاء الملك العلام جل و علا۔	یہ بڑی جلالت وعظمت کا حامل دقیق مسئلہ ہے سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس پر آگاہی نہیں ہوسکتی، ہم ان شاء اللہ تعالٰی کسی دن اس کو مفصل بیان کریں گے۔(ت)

(۴و۵) زائد، برابر کم کسی مقدار کو اصلاً بیع نہیں کرسکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعًا باطل ہے۔ اشباہ میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولو باعه من الدین او وھبه جاز[3]۔ واللہ تعالٰی	دین کی بیع جائز نہیں اور اگر کوئی مدیون پر دین کو بیچے یا اس کو ہبہ کردے تو جائز ہے، واللہ تعالٰی

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۷۴

[2] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۳۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔	اعلم وحکمہ سبحانہ احکم (ت)

(۶) جوابات سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں، یہ قول کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود لینانہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے،

لاطلاق قولہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰواؕ"[1] اما یؤخذ من الحربی فی دار الحرب فمال مباح لیس بربا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس ارشاد باری تعالٰی کے اطلاق کی وجہ سے کہ "اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا" لیکن جو کچھ دارالحرب میں حربی سے لیا جائے تو وہ مباح مال ہے سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: مرسلہ محمد عنایت حسین سررشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بنئے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدرت نہ تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق کو وصول کرنے کے لئے اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ماہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے ہوئے میں مجرا سمجھتا جائے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے، اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے، اسی طرح بادشاہ یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگزاری یا اسٹام یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ پر لیا ہو جو شرعًا ناجائز یا حد شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنے ذاتی روپیہ یا عام مسلمانوں کے چندہ کا روپیہ شاہی بنک میں جمع کرکے حقدار مذکور اس سے نیت وصول حق کے ساتھ بے نیت سود حاصل کرے، اور پہلی صورت میں اسے اپنے صرف خاص اور چندہ کی صورت میں ان مصارف مسلمین میں جن کے لئے وہ چندہ وصول کیا گیا تھا صرف کردے تو یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور اور اسے سود لینا کہیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

سود حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روانہیں ہوسکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا، اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہوسکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انہیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیر موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعہ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد ونیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا، شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی ربا و محرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی، وللہذا علماء فرماتے ہیں:

لاربا بین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملك لمولاہ فلا یتحقق الربا[1] وکذا لاربا بین شریکی المفاوضۃ وکذا العنان[2] کما فی الھدایۃ والدر وغیرہما من الاسفار الغر۔	مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ مالک کی ملک ہوتا ہے لہٰذا سود متحقق نہیں ہوتا اسی طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان بھی سود نہیں ہوتا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ روشن کتابوں میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

الاصل ان المستحق بجھة اذا وصل الی المستحق بجھة اخری اعتبر واصلا بجھة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه [1]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ایک جہت سے مستحق ہو جب وہ شخص مستحق کو پہنچے دوسری جہت سے تو وہ جہت مستحقہ سے واصل سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق علیہ کی طرف سے مستحق کو پہنچی ہو (ت)

یہاں تک کہ علماء نے تحصیل مال مباح جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلہ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہا جائز رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کی رضامندی سے برتا گیا یعنی غدر سے پاک وجدا ہو،

کما نصواعلیه فی ربا المستامن و مقامرة الاسیر فی ردالمحتار عن السیر الکبیر و شرحه اذادخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منھم اموالھم بطیب انفسھم بای وجه کان لانه انما اخذ المباح علی وجه عری عن الغدر فیکون طیبا له والاسیر و المستامن سواء حتی لو باعھم درھما بدرھمین او میتة بدراھم او اخذمالامنھم بطریق القمار فذٰلك کله طیب له [2] اھملخصًا۔	جیسا کہ فقہاء نے مستامن کے سود اور قیدی کے جوا کے بارے میں اس پر نص فرمائی ہے، ردالمحتار میں سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے مذکور ہے جب کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے کسی بھی طریقے سے لے کیونکہ اس نے مال مباح ایسے طریقے سے لیا جو کہ دھوکہ سے خالی ہے لہٰذا یہ اس کے لئے حلال ہے، قیدی اور مستامن برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان پر دو درہموں کے عوض ایک درہم بیچا یا کچھ درہموں کے عوض مردار بیچا یا جوئے کے ذریعے ان کا مال لے لیا تو یہ سب اس کے لئے حلال ہے اھ تلخیص۔ (ت)

اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط باجازت حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعًا روا نہیں، دلیل واضح ہے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

کہ نام ناجائز امر جائز کو ناجائز نہیں کر دیتا،

کما افادہ فی الفتح وغیرہ نقلا عن المبسوط مستدلا لمذھبنا فی ھذا الباب۔	جیسا کہ مبسوط سے نقل کرتے ہوئے فتح وغیرہ میں اس کا فائدہ دیا ہے اس باب میں ہمارے مذہب سے استدلال کرتے ہوئے۔ (ت)

تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمّٰی کے باعث کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے،

ھذا مایعرفہ کل فقیہ والمسئلۃ مسئلۃ الظفر المنصوص علیھا فی الوھبانیۃ والقنیۃ والدر وغیرھا۔	یہ وہ ہے جس کو ہر فقیہ جانتا ہے اور مسئلہ تو مسئلہ ظفر ہے جس پر وہبانیہ، قنیہ اور در وغیرہ میں نص کی گئی ہے (ت)

زیادت ایضاح مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ کہ الفاظ پر، مثلاً اگر کوئی شخص زید سے اپنا آتا ہوا لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہو جائے گا یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلا رضا لے لیا کرے تو وہ بھی ہر گز ربا نہیں ہو سکتا اگرچہ بلفظ ربا تعبیر کرے کہ حقیقت ربا یعنی **فضل خالی عن العوض مستحق بالعقد** (وہ عوض جو ایسی زیادتی سے خالی ہو جس کا استحقاق بذریعہ عقد ہو۔ ت) اس پر صادق نہیں، ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اسے حقیقت ربا سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سود لینے کا اس پر گناہ نہیں کہ جو اس نے لیا وہ سود عنداللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں معصیت جداگانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الٰہی کا خلاف ہی کر رہا ہے، ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بہ نگاہ بد اس کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانی خدا پر اقدام کر رہا ہے، **میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز** میں ہے:

لو نظر انسان الی ثوب موضوع فی طاق علی ظن انہ امرأۃ اجنبیۃ فانہ یحرم علیہ[1]۔	اگر کسی انسان نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھا تو یہ اس کے لئے حرام ہے (ت)

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو رہا نرا نام، تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہو ولعب وہزل

---

[1] میزان الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

ہو مکروہ ہونا چاہئے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہوجائے گی،

"اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ"[1]	نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا۔(ت)

نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگئی،

ابوداؤد فی سننه عن ابی تمیمة الهجیمی ان رجلا قال لامرأته یااختی فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اختك هی فکره ذٰلك ونهی عنه[2]. قال فی الفتح الحدیث افاد کونه لیس ظهارا حیث لم یبین فیه حکما سوی الکراهة والنهی[3]۔	امام ابوداود نے اپنی سنن میں ابوتمیمہ ہجیمی سے روایت کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اے میری بہن، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے، آپ نے اس کی اس بات کو ناپسند جانا اور اس سے منع فرمایا۔ فتح میں کہا کہ حدیث اس قول کے ظہار نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی اور ممانعت کے سوا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا۔(ت)

ہاں صرف اتنی قباحت ہوگی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا،

کما قال الله تعالٰی "وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ"[4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک وہ بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔(ت)

پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی،

کقول سیدنا ابراہیم علٰی نبینا الکریم وعلیه وعلٰی سائر الانبیاء افضل الصلٰوة	جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم کا فرمانا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابوداود کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامرأته یا اختی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] فتح القدیر باب الظهار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۹۱

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

والتسلیم لسیدتنا سارۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا اختی[1]۔	کہ بیشک یہ میری بہن ہے، ہمارے نبی کریم، حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء کرام پر بہترین درود وسلام ہو۔ (ت)

پھر علماء نے تو یہاں مصلحت اخذ مباح تک معتبر رکھی نہ کہ مصلحت احیائے حق وازالہ مظالم کے بالبداہۃ اس سے ازید واتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تاہم اس مال کے حل وطیب میں اصلاً شک نہیں،

کما علمت وقد انتظمہ اطلاق قولہم لاربا بین المولٰی وعبدہ ولا بین شریکی المفاوضۃ والعنان کما لا یخفی۔	جیسا کہ تو جان چکا ہے، اور تحقیق فقہاء کے اس قول کا اطلاق اس کو شامل ہے کہ مالک وغلام کے درمیان اور مفاوضہ و عنان کے دو شریکوں کے درمیان کوئی سود نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی والشرکاء (جیسا کہ مالک اور شریکوں کے مسئلے اس پر گواہ ہیں۔ ت) صرف انتفائے حقیقت وقصد ربا، درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عنداللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفت شرع پر اقدام، علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثم ای فی دارالحرب قید بہ لانہ دخل دار نا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا ط عن المسکین[2]۔	ماتن کا قول "وہاں یعنی دارالحرب، یہ قید اس لئے کہ اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان لے کر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے ط نے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منہم لان مالہ	مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں کوئی سود نہیں بخلاف حربی مستامن کے کیونکہ

---

[1] الدر المنثور بحوالہ ابو یعلی عن ابی سعید تحت آیہ بل فعلہ کبیرھم منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۲۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

صار محظورا بعقد الامان اھ[1] ملخصا۔	عقد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہوگیا اھ تلخیص (ت)

فتح القدیر میں مبسوط سے ہے:

اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذاکان بطریق الغدر فاذالم یاخذ غدر فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ برضا، بخلاف المستامن منھم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا[2]۔	نصوص کا اطلاق ممنوع مال میں ہے حربی کا مال مسلمان پر صرف اس صورت میں حرام ہوتا ہے جب وہ دھوکے سے لے، چنانچہ جب اس نے دھوکہ کے بغیر لیا چاہے جس طریقے سے لیا ہو تو اس کے لئے حلال ہے بشرطیکہ اس حربی کی رضامندی سے لیا ہو۔ بخلاف حربی مستأمن کے دارالاسلام میں کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے ممنوع ہوگیا للہذا اسکو اگر جائز طریقے کے علاوہ لیا ہو تو دھوکہ ہوگا۔ (ت)

بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا (جیسا کہ تو نے ابھی سنا ہے۔ت) اور مال اصحاب دیون و مظالم بقدر دیون و مظالم محظور اگر جنس حق سے ہو جیسا کہ اکثر صور مستفسرہ میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتی بہ لفساد الزمان،

درمختار میں ہے:

لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی وھو الاوسع[3]۔	صاحب حق کے لئے روا نہیں کہ اپنے حق کی جنس کا غیر لے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور اس میں زیادہ وسعت ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وجوزہ الشافعی قدمنا فی کتاب الحجر ان عدم الجواز کان فی زمانھم اما الیوم فالفتوی علی الجواز اھ[4] وفیہ من کتاب الحجر	ماتن کا قول کہ "امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا" ہم اس کو کتاب الحجر میں بیان کرچکے ہیں کہ عدم جواز انکے زمانے میں تھا لیکن آج کل فتوٰی جواز پر ہے اھ، اور اسی میں کتاب الحجر

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۱

عن العلامۃ الحموی عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الجمال الاشقر عن الامام الاخصب انہ قال فی شرح القدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتھم العقوق[1] اھ۔	میں علامہ حموی سے منقول ہے انہوں نے علامہ مقدسی سے انہوں نے اپنے دادا جمال اشقر سے انہوں نے امام اخصب سے نقل کیا انہوں نے شرح قدوری میں کہا کہ تحقیق غیر جنس سے حق لینے کا عدم جواز ان کے زمانے میں تھا حقوق میں ان کی پاسداری کی وجہ سے جبکہ آج کل فتوٰی جواز پر ہے جب کسی بھی مال سے لینے پر قادر ہو خصوصًا ہمارے شہروں میں بسبب ان کی دائمی نافرمانی کے اھ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال ظفر بما وجد لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ[2]۔	جس کا بیت المال میں حق ہو اور اس نے بیت المال کا مال پایا دیانت کے اعتبار سے اس کو لینا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وللمودع صرف ودیعۃ مات ربھا ولاوارث لنفسہ او غیرہ من المصارف[3]۔	جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے وہ ودیعت کو اپنی ذات یا دیگر مصارف میں صرف کرسکتا ہے جبکہ ودیعت رکھنے والا فوت ہوگیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عن شرح الوھبانیۃ عن البزازیۃ عن الامام الحلوانی لانہ لو اعطاھا لبیت المال لضاع لانھم	شرح وہبانیہ میں بحوالہ بزازیہ امام حلوانی سے منقول ہے، اس لئے کہ اگر اس نے ودیعت بیت المال کو دے دی تو وہ ضائع ہوجائیگی

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

لایصرفون مصارفه فاذا کان من اهله صرفه الی نفسه وان لم یکن من المصارف صرفه الی المصرف [1] اھ۔	کیونکہ بیت المال والے مصارف میں خرچ نہیں کرتے لہٰذا اگر وہ خود مصارف میں سے ہے تو اپنی ذات پر صرف کرے اور اگر وہ خود مصارف میں سے نہیں ہے تو کسی اور مصرف میں خرچ کرے اھ (ت)

ان تقریروں سے خوب روشن ہوگیا کہ حاش ﷲ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ہر گز کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افتراء ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ یہ کہ وہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت و مصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو، ولہٰذا علماء ان مسائل میں لاربا (کوئی سود نہیں۔ت) فرماتے ہیں نہ لایحل الربا (سود حلال ہے۔ت) **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے متبین ہوا کہ مسلم و حربی میں دارالحرب میں نفی ربا بربنائے انتفائے عصمت ووجود اباحت ہے نہ بربنائے انتفائے شرف دار مگر ہم تتمیم فائدہ کو اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں **فاقول: وباللہ التوفیق** (پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ت) اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دارالحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود، ولہٰذا وہاں غصب و ربا حلال و موجب ملک ہے تو بداہۃً باطل، احکام الٰہیہ دارٍ دون دارٍ (ایک ملک سوائے دوسرے ملک کے۔ت) پر موقوف نہیں، نہ اختلاف زمین کسی حرام شیئ کو حلال کرسکتا ہے،

فان العباد ﷲ والبلاد ﷲ والحکم ﷲ والملك ﷲ، "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝" وقال اللہ تعالٰی "وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ" [2]،	کیونکہ تمام بندے اور شہر اللہ تعالٰی کے ہیں، حکم اور بادشاہی اللہ تعالٰی کی ہے، برکت والا وہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کرنیوالی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرسنانے والا ہوجائے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جہاں کہیں تم ہو اپنے

[1] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

شَطْرَهٗ "[1] "وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ"[2] وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم جعلت لی الارض مسجدا و طهورا فايما رجل من امتی ادركته الصلاة فليصل[3]۔	چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنیوالی بنادیا گیا ہے چنانچہ میری امت کے کسی شخص پر جب نماز کاوقت ہوجائے تو نماز پڑھے (جہاں بھی ہو)۔(ت)

یہاں تک کہ مذہب معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں

حتی العبادات اداء واعتقادا فيعذبون علی ترك الاداء ايضا لقوله تعالٰی قالوالم نك من المصلين الی قوله تعالٰی وكنانكذب بيوم الدين[4]۔	یہاں تک کہ عبادات کی ادائیگی اور اعتقاد کے اعتبار سے چنانچہ ادائیگی چھوڑنے پر بھی ان کو عذاب دیا جائے گا بدلیل اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے کہ وہ کفار کہیں گے ہم نمازی نہیں تھے (اس لئے عذاب میں مبتلا ہیں) اللہ تعالٰی کے ارشاد " اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے "تک (ت)

آخر دارالحرب میں غدر بالاجماع حرام یونہی زنا لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع (کیونکہ شرمگاہوں میں اباحت جاری نہیں ہوتی۔ت) فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ منقول،

وبخلاف الزنا ان قيس علی الربا لان البضع لا يستباح بالاباحة بل بالطريق الخاص اما المال فيباح بطيب النفس به واباحته[5]۔	بخلاف زنا کے اگر اس کو سود پر قیاس کیا جائے کیونکہ فرج (شرمگاہ) اباحت سے مباح نہیں ہوتی بلکہ خاص طریقے (نکاح) سے، رہامال تو وہ خوشدلی سے دینے کے سبب سے اور اباحت سے مباح ہوجاتا ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ باب اینما ادرکتك الصلوٰۃ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۳

[4] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۳ تا ۴۶

[5] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

ولہذا مسلم مستامن سے عقد ربا قطعًا حرام اگرچہ شرف دار منتفی ہے **لوجود العصمة** (عصمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اور مسلم غیر مہاجر سے حلال **لانعدام العصمة** (عصمت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ت) در مختار میں ہے:

وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یهاجر کحربی فللمسلم الربٰو معه خلافا لهما لان ماله غیر معصوم فلو هاجر الینا ثم عاد الیهم فلا ربا اتفاقا، جوهرة[1]۔	جو شخص دارالحرب میں اسلام لایا اور ہجرت نہ کی اس کا حکم حربی والا ہے یعنی مسلمان اس سے سود لے سکتا ہے۔ بخلاف صاحبین کے، کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں، اگر وہ ہجرت کرکے ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آگیا پھر ان کی طرف یعنی دارالحرب میں لوٹ گیا تو اب بالاتفاق سود نہیں (یعنی سود جائز نہیں) جوہرہ (ت)

توہر زمین و بقعہ بالیقین محل جریان احکام الٰہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دارالحرب بلکہ دار البغی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت وحرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہوسکتی، ولہذا علماء نے جہاں حکم قضا کی نفی فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا،

فی الدر ادانه حربی او بعکسه او غصب احدهما صاحبه وخرجا الینا لم نقض لاحد بشیئ ویفتی المسلم برد المغصوب دیانة لاقضاء لانه غدر، وکذا الحکم فی حربیین فعلا ذٰلك ثم استامنا لما بینا اھ[2] ملخصا۔	درمختار میں ہے: حربی نے مستامن کو مدیون کیا یا اس کے برعکس یعنی مسلمان مستامن نے حربی کو مدیون کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا اور دونوں ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں نکل آئے تو ہم ان میں سے کسی کیلئے کسی شے کا حکم نہیں کرینگے اور مسلمان کو رد مغصوب کا فتوی دیا جائیگا دیانت کے اعتبار سے نہ کہ قضاء کے اعتبار سے، کیونکہ دین کی عدم ادائیگی دھوکہ ہے، اور یہی حکم ان دو حربیوں کا ہے جنہوں نے فعل مذکور کیا پھر (دارالاسلام میں داخل ہوکر) مستامن ہوگئے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا اھ تلخیص (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان القضاء یستدعی الولایة ویعتمدها	کیونکہ قضاء ولایت کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر

---

[1] درمختار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] درمختار باب المستامن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

ولاولایۃ وقت الادانۃ اصلا اذ لا قدرۃ للقاضی فیہ علی من ھو فی دار الحرب [1] الخ۔	اعتماد کرتی ہے جبکہ ادانت (مدیون بناتے) وقت کی ولایت تو یہاں بالکل نہیں کیونکہ اس میں قاضی کو اس شخص پر قدرت نہیں جو دار الحرب میں ہے الخ (ت)

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہو سکتا اور دار الحرب میں کسی شے کی حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی، رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہر گز اس بناء پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت و محظوریت پر مبنی **کما نص علیہ فی المبسوط کما تقدم** (جیسا کہ اس پر مبسوط میں نص کی گئی ہے جیسے گزر چکا ہے۔ت) اور وہ وہاں معدوم تو حقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگرچہ مجرد صورت و اسم باقی ہو اور حکم حقیقت پر ہے نہ کہ اسم و صورت پر **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور اگر یہ مقصود کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام و صورت ہی حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بداہۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ کہ اسم بے مسمّٰی، ورنہ معاملہ مولی و عبد و شرکاء مفاوضہ و شرکاء عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود، ہر گز جائز نہ ہوتا، نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر و اخذ خفیہ کی اجازت ہوتی کہ صورت غصب و سرقہ یقینا ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سابقہ میں گزرا اور صورت غصب کی حلت یہ ہے:

قال فی الدر وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ [2]۔	در میں کہا جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دائن اپنے فقیر مدیون کو اپنی زکوۃ دے پھر دین کے عوض اس سے وہی دی ہوئی زکوۃ لے لے اگر مدیون رکاوٹ ڈالے تو اسکا ہاتھ پکڑے اور جبراً لے لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر کامیابی ہے۔ (ت)

وبالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی ایسے اسم بے مسمّٰی کو حرام نہیں فرماتی، تصریحات بے شمار سے واضح آشکار، تو ما نحن فیہ میں تفرقہ بین دار و دار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔ یونہی صورت غصب و سرقہ و نام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد العلم و صورت محرم ہو تو غصب و سرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غصب و سرقہ تو عقد فاسد سے اشد و اخبث ہیں کہ یہ بعد

[1] تبیین الحقائق باب المستامن المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۳/ ۲۶۶

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

قبض مفید ملک ہو جاتے ہیں اگرچہ بروجہ خبیث، اور وہ اصلاً مورث ملک نہیں، ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدت معینہ پر قرض لئے اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سود وغیرہ کانہ ہوابلکہ زید نے صاف کہہ دیا کہ بلاسودی لیتاہوں اور وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کردیئے، تو یہ روپے جو زیادہ دیئے یہ سود میں داخل ہیں یا طریقہ سنت کا ہے یا مستحب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ زیادہ دینانہ لفظاً موعود نہ عادۃً معہود، تو معنی ربا یقیناً مفقود خصوصًا جبکہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود، بلکہ یہ صرف ایک نوع احسان وکرم ومروت ہے اور بیشک مستحب وثابت بہ سنت

لحدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم وعن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی [1] **(ملخصا) ولحدیثھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سن من الابل فجاءہ یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدوا لہ الا سنا فوقھا**	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرمادیا اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اور ان دونوں کی اس حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمت اقدس میں آیا اور قرض کا تقاضا کرنے لگا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو،

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲۲/۱

فقال اعطوہ فقال او فیتنی او فاك الله فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان خیارکم احسنکم قضاء [1] و لحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لوزان زن و ارجح [2] رواہ احمد والاربعة وابن حبان والحاکم عن سوید بن قیس العبدی رضی الله تعالٰی عنه قال الترمذی حسن صحیح وقال الحاکم صحیح وھذا الوزان فی مکة و رواہ الطبرانی فی الاوسط [3] وابو یعلی فی المسند وابن عساکر عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه وھذا الوزان فی المدینة۔	تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا اونٹ نہ ملا مگر اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا، تو آپ نے فرمایا کہ یہی اونٹ اس شخص کو دے دو، اس شخص نے کہا آپ نے مجھے بھرپور عطا فرمایا اللہ تعالٰی آپ کو بھرپور عطا فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہے۔ اور اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وزن کرنیوالے سے فرمایا کہ وزن کر اور ترازو کو جھکا (یعنی قدرے زیادہ دے) اس کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے سوید بن قیس عبدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ صحیح ہے اور یہ وزن کرنے والا مکہ مکرمہ میں تھا، اور اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، ابویعلٰی نے مسند میں اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور یہ وزن کرنے والا مدینہ منورہ میں تھا۔ (ت)

مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دیئے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کرنے کے لائق نہیں یا قابل تقسیم ہو تو جدا کرکے دے، مثلاً دس آتے تھے وہ دے کر ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہو جائے گی، اور اگر قابل تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط و مشاع دی مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیئے دس آتے میں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہوگا نہ بکر اس زیادت کا مالک۔ عالمگیری میں ہے:

رجل دفع الی رجل تسعة دراہم وقال	ایک مرد نے دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ١/ ٣٢٢
[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سوید بن قیس رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ٤/ ٣٥٢، جامع الترمذی ابواب البیوع ١/ ١٥٦ والمستدرک کتاب البیوع ٢/ ٣٠
[3] المعجم الاوسط حدیث ٦٥٩٠ المکتبة المعارف الریاض ٧/ ٣٠٧

ثلثة قضاء من حقك وثلثة ہبة لك وثلثة صدقة فضاع الكل يضمن ثلثة الهبة لانها ہبة فاسدة ولايضمن ثلثة الصدقة لان صدقة المشاع جائزة الا فی روایة کذا فی محیط السرخسی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تین تیرے حق کی ادائیگی ہیں تین تیرے لئے ہبہ اور تین صدقہ ہیں، پھر سب ضائع ہوگئے تو ہبہ کے تین درہموں کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ فاسد ہبہ ہے اور صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ مشاع جائز ہے سوائے ایک روایت کے، محیط سرخسی میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۴: از موضع دیورنیاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سود دینا مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

(۲) ہنود سے سود لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) دستاویز میں سود تحریر کرانا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ہرگز درست نہیں مگر جب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سود دیئے چارہ نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہندو مسلمان کسی سے درست نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۹ جمادی اولٰی ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے اسامیان کو کچھ غلہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیا اور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کردیا گیا مگر اس وقت میں اسامی سے یہ امر طے نہ کیا گیا کہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلہ جو آئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائیگا، فصل پر وہ غلہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت ہوئی اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵ سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی، آیا یہ کارروائی جائز ہوئی یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طریقہ برتا جائے اور کس نرخ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۹

سے غلہ لیا جائے کہ وہ جائز ہو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہوا تھا، نہ بعد کو کسی جبر و تعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا دے دیا تو لینا جائز ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۶: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سود لینا قطعاً حرام ہے، اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[1]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا، اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہوا یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے والتفصیل فی فتاوٰنا (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: از مارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۶ھ

بنک سے سود لینا جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

سود لینا مطلقاً حرام ہے، قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: ۸/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عہ ۱۰ روپے کا مال اپنے روپیہ سے عمرو کو دلوا دیا اور کہا کہ میں تم سے لہ عہ ۱۱/ لوں گا اس میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

نرا سود اور حرام ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۹: از اوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خان صاحب ۲۴/شعبان ۱۳۱۵ھ

جب جنس و قدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ و فضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گیہوں ایک من گیہوں سے دست بدست بیچے تو اس تجارت میں بائع و مشتری کو کیا فائدہ ہوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گیہوں یا جو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو ایک من گیہوں وغیرہ بطریق ادھار دے دے میں تجھ کو چند روز میں دے دوں گا تو یہ بھی سود میں داخل ہوگیا اور یہ ضرورت ہر کس و ناکس کو پیش آتی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا، بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے روپیہ خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر و جنس دونوں موجود اور فضل و نسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ" [1] الاٰیۃ۔	اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (ت)

اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے ولہٰذا ان کا جید و ردی یکساں ہے اور اختلاف اوصاف اختلاف اغراض وحاجات ناس کا باعث ہوسکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس اس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شیئ عمرو کے پاس ہے اسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یکساں برابر مبادلہ کرکے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معہذا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے منہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گیہوں جو اپنے پاس ہیں نہ کھائے گا اب اگر وہ ان گیہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدل لے

---
[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

توقسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئے گا۔علاوہ بریں شرع نے دست بدست برابر بیع کرنا واجب تونہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگران چیزوں کی باہم بیع کرنی ہو تو یوں کرو جسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب تونہیں۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰: ازلاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نصارٰی سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بیاج لینا نادرست ہے،ایسے خیال والوں کے پیچھے نمازپڑھنی درست ہے یانہیں؟

الجواب:

سود مطلقًا حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔(ت)

ہاں جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر اور بدعہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ بہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اسکے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی،**لکل امرئ مانوی**[2](ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)پھر بھی جس طرح برے کام سے بچنا ضرور ہے برے نام سے بچنا بھی مناسب ہے **ایاك وبالسوء الظن**(بدگمانی سے بچ۔ت)ان تمام احکام میں مشرک ومجوسی وکتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی ومستامن ہوں نہ غدر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے،**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۵۱: ازقصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ محمد شیر علی خان مورخہ ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دو فریق کہ باہمی رضامندی پر سود(بیاج)کہاں تک جائز ہے یانہیں،اور اگرنہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟مفصل تحریر فرمائیے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

الجواب:

اگر باہمی رضامندی سے سود جائز ہوسکے گا تو زنا بھی جائز ہوسکے گا اور سور بھی جائز ہوسکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ ورسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل، صحیح حدیث میں ہے فرمایا کہ سود کھانا تہتر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کیا باہمی رضامندی سے ماں کے ساتھ ۷۳ باز زنا جائز ہوسکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سود ہو جاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سولے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہٰذا سود حرام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ اختر حسین طالبعلم ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی پنواڑی یا سرمہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جب تک میرا روپیہ تمہارے ذمہ رہے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کردوگے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب:

یہ صورت خاص سود اور حرام ہے، سود کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴ تا ۱۵۵: از بریلی مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر ۲۷/شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یونہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب ۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ما/ دوں گا اور خالد نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا، بکر نے کہا میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت (۱۰ما/) کا نرخ لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا لے گئے اور فروخت کرکے دس دس روپے اپنے صرف میں لائے، اب زید کو فصل پر فی روپیہ (۱۵ما/) گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ (۱۲ما/) گندم نرخ بازار دیتے ہوئے یہ بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے، ڈھائی من گیہوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرالیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دیں تو یہ شرط باطل تھی، زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا اور اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہاں پور محلّہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خان صاحب ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کرکے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے

ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا جبکہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرضکہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچتے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہوجائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند و وثیقہ خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ و مندرجہ اشتہار ملے گی، پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا؟ اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی واخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقا متفرقا ہوں یا اس معنی میں نہیں، پھر یہ بیع باندراج شرائط مذکورہ بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے بینوا توجروا عنداللہ۔

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہے: قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن واچ کمپنی کمرشیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ تم کو یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایمان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ فروخت کرو اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہوسکے، اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ کے جو تم نے فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجوگے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے تم مستحق ہوگے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوں گی ہم بھیجیں گے، شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جسکے ہاتھ تم نے ٹکٹ

فروخت کئے ہیں بھیجوگے۔ شرط دوسری ان میں سے ہر ایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کے واسطے کہ آیا تم نے ان شخصوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں۔ تیسری شرط وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انہوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجیں گے، اگر تم یا تمہارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کرسکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہوگے اگرچہ چار یا تین یا دو یا صرف ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالاکے فروخت ہوا ہو خوب غور کرلو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کرکے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالاکے اپنے آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی جیبی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہوگی ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کروگے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان، برما، سیلون میں جانچ کراکے اطمینان کرالو۔

ترجمہ اس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے: تیس روپیہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جن کو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت کرنا چاہئے بعدہ ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چک کے بھیجنا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ کے لفظ کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرار نامہ لکھا ہے، **فقط**،

الجواب:

معاملہ مذکورہ محض حرام و قمار، ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ وانبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ ناپیدا کنار، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ملمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انہیں اور ان کے باندھنے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل

وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ "[1]	جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انہیں کمانا ہے۔

آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں، مثلاً صورت مسئولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی یا گہنا وغیرہ اور کوئی "خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ "[2] (دنیا وآخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔ت) کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا،

"قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ "[3]	اے نبی! تو ان لوگوں سے فرما کیا اللہ نے تمہیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔

یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افتراء ہی ہے،

"اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ "[4]	کیاان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنہوں نے ان کو وہ دین گھڑ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان کے فریب سے بچائے، آمین! اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ ہے کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش وٹکٹ خراں ہرگز بیع وشرا وغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید وفروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شیئ کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ وعقد میں زمین وآسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ، سند تو خود مع قیمت واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں علماء نے صبی **لایعقل البیع والشراء** (وہ بچہ جو بیع وشراء کی سمجھ نہیں رکھتا۔ت) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے **فیعلم انك لایعرف معنی المبادلة وما البیع الا المبادلة** (پس معلوم ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ۔ت) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتادیا کہ یہ مبیع نہیں ایک

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۳۔۱۱۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۱

اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنیوالے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے درپے آیا کرینگے نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کرینگے انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نو گرفتار پانچ میں ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا، گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صدہا مفت بچ رہے، بہر حال اپنا احمق کہیں نہیں گیا تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں یہاں تک نری طمع تھی اب کہ روپیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہو گیا اور ہر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو، دوسرے سوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یونہی یہ امید و بیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دوچار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور مت کھاؤ۔(ت)

یہی غرر و خطر و ضرار و ضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے، یہ معاملہ چھٹی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار و گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کیلئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار و غش سب کچھ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

لیس منا من غشنا[1] رواہ مسلم، احمد وابوداؤد و ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ضمیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں (اس کو امام مسلم، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام حاکم نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

لیس منا من غش مسلما اوضرہ او ماکرہ[2] رواہ الامام الرافعی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔	ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے (اس کو امام رافعی نے سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے۔ ت)

احادیث اس باب میں حد تواتر پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) حقیقت امر تو یہ تھی اور صورت الفاظ پر نظر کیجئے تو ٹکٹ کی خرید وفروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے، کشف الکبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ[3]۔	مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان کریں اور اس کو حاجت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ (ت)

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلۃ مال

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰، مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۱۷، سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی حدیث ۹۵۰۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۶۰

[3] بحر الرائق کتاب البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۶

بمال[1] کما فی الکنز والملتقی وغیرہما (اس لئے کہ بیع تو ایک مال کے بدلے دوسرا مال لینے کا نام ہے جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل ہے،

وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع وشرط[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔(ت)

تو عقد بوجوہ فاسد ہوا اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلہ غش و فساد وحرام، تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگر مستمر چلا، ادھر ایسے جو تیس کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر منتہی ہوگیا اور اس وعدہ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں، یہ ہرگز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجوہ خود فاسدہ اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے، غرض اس معاملہ حرام در حرام کے مفاسد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں، ایسے شدید گناہوں اختراعی راہوں کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام بلکہ تحسین حرام ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہذا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۵۹: از بدایوں سوتہنہ محلّہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

جناب مولٰنا و مقتدانا حامی سنت دامت برکاتہم، بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ سوالات مندرجہ ذیل کا جواب باصواب جو مطابق احکام شریعت ہو مرحمت فرمایئے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دو شخصوں نے اپنا لعہ/ کا مملوکہ مال واسباب اتنے ہی حصص میں تقسیم کیا جس قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہو چکا اس کو ایک چٹھی دے دی گئی اور سب چٹھیاں جمع ہو جانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی لکھنے والے کو عہ/ کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور تیسرے کو صہ/ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸/ کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع

---

[1] ملتقی الابحر کتاب البیوع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۵

[2] نصب الرایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض الشیخ ۴/ ۱۷

موافق احکام شریعت ہے یا نہیں؟

(۲) ڈاک خانہ سرکاری کے سیونگ بنک میں یا دوسرے انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بہ شرح معینہ اس کو گورنمنٹ نے یا تاجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکام شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت قطعی حرام ہے اور نرا قمار اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) سود مطلقاً حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا تھا اس نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا غدر و بلا ارتکاب جرم برضامندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لے لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاوٰی فقیر میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: از بریلی محلّہ کنگھی ٹولہ مرسلہ محمد رضا علی ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے پچیس ما/ گندم لیں گے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کرلی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے پچیس (ما/) گیہوں لیں گے اور نرخ بازار پچیس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود اور سخت حرام ہے حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربٰو[2]۔	جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اور اگر گیہوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۲۳۸

ادا کرلی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گیہوں ٹھہر جائیں ورنہ حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۱: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

زید نے کچھ روپے قرض واسطے تجارت کے عمرو کو دئے اور آپس میں یہ ٹھہرالیا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اس میں سے نصف ہمارا اور نصف تمہارا، تو یہ سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سود اور حرام قطعی ہے، ہاں اگر روپیہ اسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفا نصف، تو یہ جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۲: از پٹیالہ مارواڑ محمد عبدالرحمٰن سوداگر چرم ۲۱/ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا دینا مطلقًا حرام ہیں، **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"** [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت)

حدیث صحیح میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وقال ھم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ" [3]	اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح مسلم باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۶

جسے اللہ تباہ وبرباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

مبادا دل آن فرومایہ شاد　　　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کیا۔ت)

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقینا تباہی وخسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انہیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاوٰی اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے، مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعًا حرام واستحقاق نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہوجائے تو بلاشبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: از شہر بریلی محلّہ ملوک پور مسئولہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم چار سو روپیہ دے دو میں بقال کو ادا کردوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کرالو میں تم کو کرایہ میں کمی کردوں گا اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ہمیشہ کے لئے کمی کردے اور صاف صاف قرض میں تحریر کردیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائیگا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے میں احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: از ریودر براہ آبو مرسلہ ٹھیکیدار آنول موسی منشی صاحب ۱۴/ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکی ایک من دوماہ پہلے دی بعد میں دوماہ کے ایک من گندم لیتے ہیں، اس شرط سے لین دین یہاں کے مسلمان کرتے ہیں، یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایک ناج دوسرے ناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی جائز ہے اور ایک طرف سے اب دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم کے شرائط کا محتاج ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از جوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ بازار سہ پوئٹہ فی روپیہ است اکنوں شخصے بمیعاد تا۳ سہ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار دو پوئٹہ فی روپیہ فروخت میکند آیا جائز است یا مکروہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ بازار کا بھاؤ تین پوئٹہ فی روپیہ ہے، اب ایک شخص تین ماہ یا زیادہ کی میعاد پر بازار کے بھاؤ سے کم دو پوئٹہ فی روپیہ کے حساب سے فروخت کرتا ہے، کیا شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ (ت)

الجواب:

جائز است۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** جائز ہے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۶۶: از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علی خاں صاحب مورخہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ساہوکار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑھت پر کرلے تو مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے سود ہونے سے بچالے گا، نہ حرمت میں فرق آئے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷ تا ۱۷۰: عبدالحکیم خان دکاندار محلّہ کٹکور ریاست رامپور

(۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴ روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲ روپیہ تو بکر نے اسی وقت دے دئے ۱۲ کا وعدہ کیا چنانچہ دو چار روز کے بعد وہ بھی دے دئے۔

(۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت دے دئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دے دیں۔

(۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دے کر پیسے مانگے، بکر نے ایک اٹھنی اس وقت دے دی باقی کے بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸/ کے پیسے دے دئے۔

(۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا، بکر نے کہا کہ اسوقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر لے لینا، بکر کو زید نے روپیہ دے دیا اور دو روز کے بعد باقی کے پیسے لے لئے، ان سب صورتوں میں کوئی صورت ربا کی ہے یا نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔

(۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دے دیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دے دئے اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی تو جائز ہے کہ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے **کما حققناہ فی کفل الفقیہ الفاھم** (جیسا کہ ہم نے **کفل الفقیہ الفاھم** میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور اگر زید ہی نے روپے کے ۸/ پیسے اور دو چونیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے **لاشتراط الصرف یدا بید** (کیونکہ بیع صرف میں ہاتھوں ہاتھ لینا شرط ہے۔ت)

(۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہوگیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔

(۴) یہ بھی بدلیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ ۱۷۱: از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خان صاحب پسنجر سپرنٹنڈنٹ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فدوی ریلوے میں بعہدہ پسنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے اور ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتوٰی ہم لوگوں کے

واسطے قابل وثوق نہیں ہے لہذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم وکافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**ؕ"[1] (اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا۔ت) تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقًا اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کارخیر میں لگائے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: سائل حافظ محمد نور الحق محلّہ پنجابیاں پیلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی ومکرمی جناب مولانا احمد رضاخان صاحب دام مجدہ بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمّٰی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں کے دو لڑکیاں نابالغ اس نے چھوڑیں، اس کے مال میں چار سو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں ملا وہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے امانتًا اس سے اس وعدہ پر لیا کہ ہم تم کو پانچ روپیہ ماہوار اس روپیہ کا منافع دیتے رہیں گے، اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے بالعوض رہن کردیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چار سو روپے معرفت مسماۃ بنے بیگم ہمارے پاس امانتًا یا فتنہ ہر دو نابالغہ کے جمع ہوئے ہیں جو تابلوغ ہر دو نابالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ زر امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے منجانب ہمارے کہ مسماۃ کے پاس نہیں ہیں، لہذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ زر مذکورہ تابلوغ ہر دو مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سود بشرح فیصدی (۴ عہ /) ماہواری کے حساب سے نابالغان کو ماہ بماہ بلاعذر وحیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان زر مذکور کے ایک مکان مستغرق ومکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تابیباق زر مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے، اگر کریں تو ناجائز ہو، لہذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھ دیں کہ سند ہو۔

تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان اپنا روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چار سو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہوگیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان نابالغان کو یا اس کے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ماہوار سود دیا گیا ہے وہ بھی سمجھی ہوئی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہے لے لیں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ عنداللہ گنہگار تو نہ ہوں گی، اور یہ بھی امر قابل تحریر ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ اسے لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب:

وہ روپیہ ہر طرح سود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہوسکتا ہے، سود لکھا گیا تو حرام ہے، منافع سمجھا تو سود ہے۔ مکان کا کرایہ جانا تو باطل ہے، مالک مکان غیر مالک سے کرایہ پر لے اس کے کوئی معنی نہیں بہر حال وہ سود ہے، ہاں اگر وہ جس شخص نے یہ روپیہ امانتًا لیا اور اس پر پانچ روپے ماہوار دینا مقرر کیا ہندو وغیرہ اقوام سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: از کتھیل ضلع کرنال مرسلہ فضل قدیر صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

گورنمنٹ کی نگرانی میں پنجاب ومدراس کے دیہات میں زرعی بنک کھولے جاتے ہیں زراعتی بنک کی غرض سے سود خوری نہیں ہوتی بلکہ سود خور مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے دس روپیہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسب ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں مگر قرض لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہر گز ہر گز نہیں دیا جاتا مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دے گا وہ رقم بحصہ رسد اس مقروض کے حصہ میں بھی آئے گی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو سود بہت کم یا بالکل موقوف کر دیا جاتا ہے، یہ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام، حرام، حرام قطعی یقینی حرام، دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہوسکتا، احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]	اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانیوالے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنیوالوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (ت)

یہاں تک کہ سود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو براہ شامت نفس اس کا ارتکاب کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالٰی، ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ بیع نوٹ کا اجراء کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلادقت اس حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آج فکر کسے ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾[2] (مگر وہی جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق وعبدالغفور خیاطان ۱۷/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل السنۃ والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصارٰی وہنود ورافضی وخارجی سے سود لے اور کفار مذکور کی رضا سے لے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت میں کسی مسلمان سے سود نہ لیا جائے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلاتاویل بلا خوف ملامت علمائے خاص وعام ارسال فرمایا جائے، فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا: "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[3] اللہ نے سود حرام کیا۔ اس میں تخصیص مسلم، کافر، سنی، بدمذہب کسی کی نہیں۔ سود لینا کسی سے حلال نہیں، جو حلال ہے وہ سود نہیں، اور جو سود ہے وہ حلال نہیں، کافر غیر ذمی کا مال بلا غدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھ کر لینا حلال ہے سود جان کر لینا حرام،

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

قصد معصیت خود معصیت ہے، مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خریدا اور قیمت دبالی یا دھوکا دے کر کھوٹے دام دئے یہ ناجائز ہے کہ خلاف معاہدہ ہوا،

قال اللہ تعالٰی " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو (ت)

اور اگر چاندی کا دو سو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپے ہوگئے باقی کافر کا مال بلاغدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی مستامن نہ ہو، اس کی تفصیل ہمارے فتوی ۱۳۱۱ھ میں ہے جو آپ کے خوف ملامت سے بیس سال پہلے لکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۶: از فتح آباد ضلع امر تسر تحصیل ترنتارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صابری و محمد اسمٰعیل چشتی صابری قادری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک بنک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ (عہ /) پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ (۱۲/) کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب (۱۲/) سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بنک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کرا کر سود لیتے ہیں وہ کیوں کھاتے ہیں وہ جائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۱

الجواب:

وہ بنک حرام قطعی ہے، اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے، اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

توامام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ وحرام ہوا،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے:

من مشٰی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام [3]۔	جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی (ت)

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اسکے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے ولہٰذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تواس کارکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق واستکبار ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ ور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم، پھر اگر بلاضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷، شعب الایمان حدیث ۷۶۷۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۲۲

اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الٰہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت وضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنٰی ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنافرمادئے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوااللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ" [1]، وقال تعالٰی "لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا" [2]۔	اللہ نے فرمایا: اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس قدر تم استطاعت رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح [3]۔	محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔ (ت)

مگر اس کو سند بناکر سود خوروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الٰہی سے بچا سکتی ہے لہذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۷: از قصبہ بیلپور محلّہ درگاہ پرشاد از مکان فخرالدین صاحب رئیس وممبر چنگی مرسلہ حافظ شمس الدین ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے؟ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بنک میں روپیہ جمع کرکے ان سے سود وصول کرنا موجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کرکے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکڑہ کا سود دینگے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود جان کر نہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہوں وہ نفع حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے، بنک سے ہو یا تاجر سے جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھالینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے، اس میں یہ نیت کرلینا کہ سود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اسے سود ہی سمجھ کر دے مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کردیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کرکے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے تو اسمیں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۸: ولو اشتری مکیلا کیلا حرم بیعہ واکلہ حتی یکیلہ (اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کرلینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ

حضور! ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹوار یا تہنیت اسامیوں سے سود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ اس سے اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہہ کر سود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ کیا کروگے تو تم سے اس کا سود لیا جائے گا، تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع کرنا لازم ہوگا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہوجاتا ہے اور کوئی دقت اسے پیش نہیں آتی، سود کے خوف سے اسامی فوراً روپیہ وصول کردیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے کو نہیں دیتے اور جب وہ نالش کرتا ہے تو فوراً کچہری میں روپیہ اسی روز داخل کردیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کرواتے ہیں، ان پریشانیوں سے بچنے کی کوئی

صورت حضور عطافرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب:

اسامیان مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعاً حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصاً جب اپنے نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر، اور اگر اسامیان یہاں کے مشرکین ہیں کہ ذمی نہیں، نہ سلطنت اسلام سے مستامن، تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی، اس پر ہر مہینہ اتنا حرجہ لیا جائیگا **وتحقیق الکلام فی فتاوٰنا** (تحقیق کلام ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) اسے بھی سود سمجھ کر لینا جائز نہیں **لقولہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) بلکہ ان کی ایذارسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھ کر لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی ۷/جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت خرچ تجہیز و تکفین کے، خرچ فاتحہ و سویم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا، عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کرکے تم اس فرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ، زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا، ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سن کر خاموش ہو رہا، زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کرکے روپیہ لائیں، خالد زید کے ہمراہ چلا، زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں، محمود بھی ہمراہ ہولیا، یہ تینوں شخص دکان مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کرکے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کار برآری کی، کرسکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اور ان چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

فاتحہ سوم یالڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لیناحرام ہے، زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا، یونہی عمرو بھی جس نے اس حرام کے لئے زیور دیا، یونہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہہ کر اپنے ساتھ لیا، رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا مگر وہاں جاکر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدددی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱ تا ۱۸۲: ازجلاپور دھئی ڈاکخانہ خاص ضلع رائے بریلی مرسلہ منشی علی حسین خان پوسٹ ماسٹر ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) تبادلہ گیہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ رواج اعتبار ہند شکر قند وآلو و میوہ من حیث قدر وزنی ہے، اعتبار عند الفقہاء کیا ہے، گیہوں وغیرہ باعتبار فقہاء من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر ہے تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے؟

(۲) گیہوں کو گیہوں سے یا جو سے یا جو کو جو سے اور گیہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دے دے اور ربیع میں وصول کرے، کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) گیہوں جو، چنے سے آلو شکر قند، میووں کی خرید وفروخت کم بیش کو بلاشبہہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گیہوں اور جو سے قدر بھی یقینا مختلف، اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی، اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کمی بیشی کو مباح کرتا ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب "بدلین" دو مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہے فروخت کرو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جو کی جو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام، اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام، اور گیہوں کی جو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقاً حرام،

فان احدی العلتین من القدر والجنس تحرم النسیئۃ واجتماعھما والتفاضل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دو علتوں یعنی قدر و جنس میں سے ایک علت کا وجود ادھار کو اور دونوں کا پایا جانا زیادتی کو حرام کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۳تا۱۸۴: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مسئولہ قاضی یعقوب محمد سب انسپکٹر پولیس ۸/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ:

(۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد؟ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہندو کافر کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلاً ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گڑ اور شکر میں نقصان کی صورت نہیں ہوا کرتی ہے الاشاذ ونادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دو روپیہ فیصد ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دکان سے خواہ نقد یا سامان خوردنی لیتا رہوں گا، اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر اور عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور راس المال محفوظ سمجھ کر بعوض نفع حسب قرار داد وشرط باہمی اشیائے خوردنی وپوشیدنی لیتا رہے اور مابقے نفع کا حساب کرکے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہوگا تو سود ہوگا یا کیا؟

(۲) اسی طرح کافر کو اگر مال دو مہینہ کا وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بھی کھاتے میں لکھوالے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد (۸/ یا عہ /) ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ یوم الحساب** (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اللہ تعالٰی کی طرف سے یوم حساب کو اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

بوہرے رافضی مرتد ہیں اور ہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم، یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام وجزیہ گزار ہو کر رہے، نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دارالاسلام میں آئے، اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر وبدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے

نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے، **وقد فصلناہ فی فتوٰنا بمالامزید علیه** (ہم اس کو اپنے فتاوی میں تفصیل سے بیان کرچکے ہیں جس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) ہدایہ وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

ان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذمالامباحا اذالم یکن فیه غدر[1]۔	کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہٰذا ان کا سوائے دھوکا کے جس طریقے سے بھی مسلمان نے لیا اس نے مال مباح لیا(ت)

دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں میں یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نافہمی کے سبب ایسی صورتوں میں **معاذ اللہ** سود خور مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے برے کام سے بچنا ہے یونہی برے نام سے بچنا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۸۶: ازاودے پور میواڑ بڑا بازار مسئولہ چھیپا بخشاجی محمود ۸/رمضان ۱۳۳۹ھ

بعالی خدمت فیضدرجت، غوث دوران، قطب زمان، مجدد ہذاالاوان، حضرت مولٰنا الحاج مولوی مفتی احمد رضاخان صاحب مدظلہ العالی! **ماقولکم ایھا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالٰی** (اے علماء کرام، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ت)

(۱) کفار ہنود کو ہزار دوہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اسلئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے، جائز ہوگا ناجائز؟

(۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کرکے دئے گئے، وہ نوٹ تو اس کے کام میں آگئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

الجواب:

(۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے **لانھم غیر اھل ذمۃ ولامستامن** (کیونکہ نہ تو وہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ت) مگر یہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور ہو جائز ہے،

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذما لامباحا اذالم یکن فیہ غدر کما فی الھدایۃ[1] وغیرہا۔	اس لئے کہ کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہٰذا جس طریقے سے بھی مسلمان نے اس کو لیا تو اس نے مباح مال لیا بشرطیکہ دھوکا بازی نہ ہو، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سود ہے،

لان کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو مہینہ بھر کے وعدہ پر بیچا تو حلال ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (ت)

پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک نوٹ سو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ ہو جو اس نے بیچا تھا **لان شراء ماباع باقل مما باع قبل نقد الثمن لایجوز** (کیونکہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی شے کو ثمن کی ادائیگی سے قبل اس ثمن سے کم پر خریدنا جس پر پہلے فروخت کی ناجائز ہے۔ت) ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کردیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس واپس آیا اور اب وہی نوٹ بائع کو دیتا ہے لینا جائز۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

ولو خرج عن ملك المشتری ثم عاد الیه بحکم ملك جدید کاقالة او شراء او ھبة او ارث فشراء البائع منه بالاقل جائز لاان عاد الیه بما ھو فسخ بخیار رؤیة او شرط قبل القبض او بعدہ بحر عن السراج [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مبیع مشتری کی ملک سے خارج ہوگیا پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس لوٹا جیسے اقالہ، خریداری، ہبہ یا میراث کے طور پر۔ اب بائع کا اس سے پہلے ثمن سے کم پر خریدنا جائز ہے، اور اگر مبیع دوبارہ مشتری کی ملک میں خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے پر واپس آیا چاہے قبضہ سے پہلے یا بعد، تواب بائع کے لئے جائز نہیں کہ پہلے ثمن سے کم پر اس سے خریدے۔ بحر نے سراج سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۷: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی ۲۷صفر ۱۳۳۸ھ

شریعت غرا کا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سود لیتا رہے تو اس کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال وجائز ہے اور اس کے اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیا جارہا ہے آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج ہے۔

الجواب:

سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ طیب لایقبل الاطیبا [2]۔	بیشک اللہ پاک ہے، پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (ت)

حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں ورنہ حرام خوری وحرام کاری میں کیا فرق ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ ربٰو تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے، بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا:

الربٰو ثلثة وسبعون بابا ایسرھا	ربٰو تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۴

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

مثل ان ینکح الرجل امه [1]۔ رواہ الحاکم فی المستدرك بسند صحیح عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی ماں سے زنا کرے۔(اس کو امام حاکم نے مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مال حرام دیا ہے اور اس کے لئے دعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور تجدید نکاح کریں۔ محیط وعالمگیریہ وجامع الفصولین وغیرہا میں ہے:

تصدق علی الفقیر شیئا من المال الحرام ویرجو الثواب کفر ولو علم به الفقیر ودعاله وامن المعطی کفرا [2]۔	کسی نے مال حرام میں سے کچھ فقیر پر صدقہ کیا اس حال میں کہ وہ اس سے ثواب کی امید کرتا ہے تو کافر ہوگیا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اس کے باوجود اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہوگئے۔(ت)

زر حرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہذا دفع خبث وتکمیل توبہ کے کئے فقراء کو دینا ضرور ہوا اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس (حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا) کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] المستدرك علی الصحیحین کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[3] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

مسئلہ ۱۸۸: ازوروڈاکخانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنے یاساڑے سولہ آنے ٹھہرا کر دو چار روز میں لینا کیسا ہے؟

الجواب:

روپیہ قرض دیااور یہ ٹھہرالیا کہ سواسولہ آنے لیں گے، یہ سود و حرام قطعی ہے اور اگر روپیہ سترہ آنے یا سولہ آنے کا برضائے مشتری بیچا اور قیمت چار دن یا دو دن یا دس برس بعد دینی ٹھہری تو یہ جائز ہے جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیا گیا ورنہ بیع باطل ہوجائے گی،

لکونه افتراقا عن دین بدین ویکفی قبض احد الجانبین کما حققناه فی کفل الفقیه۔	کیونکہ افتراق ہے دین سے دین کے بدلے میں اور ایک جانب سے قبضہ کا پایا جانا کافی ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیه میں کردی ہے۔ (ت)

اور اگر روپے کے سترہ آنے یا سولہ آنے خریدے اور پیسے چار دن بعد دینے ٹھہرے تو یہ ناجائز ہے کہ یہ بیع سلم ہوئی اور بیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقرر کرنی جائز نہیں **به یفتی زیلعی ودر وهو المعتمد بحر وهو المذهب نهر** (اسی پر زیلعی اور در فتوی دیتے ہیں اور یہی معتمد ہے (بحر) اور یہی مذہب ہے (نہر)۔ت) ہاں ایک مہنے یا زیادہ کی مدت مقرر کریں اور روپیہ اسی جلسہ میں دے دیں اور باقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمد حسن خان صاحب ۲۳/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو تجارت پارچہ کی کرتا ہے، اس کا پارچہ کا روپیہ زید کے ذمہ چاہئے تھا، عرصہ جس کو دو ڈھائی برس کا ہوگیا تھا بلا سودی، عمرو سود نہیں کھاتا ہے، عمرو کو بے حد ضرورت لاحق ہوئی، عمرو نے زید سے طلب کیا، زید نے انکار کیا اور وعدہ چار ماہ کا کیا، عمرو نے کہا کہ اگر آپ اب مجھے نہ دوگے تو میری ذات رسوائی ہوگی تب کیا نتیجہ ہوگا۔ زید کا بڑا بھائی خالد تھا اس سے سفارش کرائی تب زید نے کہا کہ بکر جو میرا عزیز ہے اس سے میں نے ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ۴۲ سو روپیہ دستاویز لکھ کر قرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے ادا کردیا حسب معاہدہ بلاسود رسیدات آگئی ہیں دستاویزات انہی کے پاس ہیں، اگر وہ دے دیں تو رسیدیں واپس دے دوں دستاویز وہی پھر برقرار رہے گی وہ تم کو روپیہ دے دیں عمرو خالد کو ہمراہ لے کر بکر کے پاس گیا بکر سے کہا وہ راضی نہ ہوا تب عمرو نے کہا

آپ دو سو مجھے کم دے دیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے، میں ۲۶ سو لے کر ۲۸ سو کی رسید لکھنے کو تیار ہوں، یہ آپ کو فائدہ ہو جائیگا، بکر نے کہا تم کہیں اور اسے لے لو میں ضمانت کر دوں گا۔ عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کے واسطے ۲۶ سو روپے دے دے وہ سو روپیہ سود کے طلب کرتا تھا، عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دے دیں ۲۵ سو روپے اور رسید ۲۸ سو کی لیں میری ضرورت بہت شدید ہے اور خوشامد درآمد کی، خالد نے کہا سنا بکر راضی ہو گیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھ دے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کروں گا اگر نہ دوں تو مع سود کے چار ماہ میں دوں گا، اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھ دیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہو تو پانچویں ماہ مجھ کو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی۔ چنانچہ زید نے رقعہ تاوانی باضابطہ لکھ دیا بکر کو، اور خط معاہدہ کا بھی، اور رسیدات واپس دے دیں، بکر نے عمرو کو ۲۵ سو دیا ۲۸ سو کی رسید لی، دو سو کمی کے کاٹے اور سود سو روپے، جملہ تین سو اور چودہ سو نقد زید کو دے دئے یا کسی سے دلا دیئے، اس نے پورے چودہ سو نقد دئے بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸ سو کی رسید ۱۴ سو نقد، یوں ۴۲ سو ہو گئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں یہ سو روپے تو سود کے میں نے کاٹ دیئے مگر یہ دو سو روپے کمی والے محض ان کی وجہ سے کہ انہوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میری۔۔ بغیر اس کے ذلت ہے بمبوری کمی کر کے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا یہ معاوضہ ان کمی والے دو سو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھ کو ملے، جو دو سو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انہیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھ کو دیں، تین ماہ میں واپس ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھ کو جائز ہے زید نے وہ روپیہ حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دو سو ڈھائی روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تاوانی پانسو کا وصول کر لیا یعنی ۴۲ سو کے ۴۷ سو وصول کر لئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچ سو میں سے دو سو دیجئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو وہ مجھے ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہذا مجھ کو دو سو دیجئے گا، بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا، تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا اب بکر نے عمرو سے کہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا اور رسول سے مجھ کو وہ رقم دو سو کی تمہاری اور بلکہ سو روپے سود کے جو میں نے تم سے لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ دوں گا اور اگر مجھ کو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو تیار

ہوں، بکر کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو، دوستوں کو قرض بلا سود دیتا ہے۔اس سبب سے بکر دریافت کرتا ہے مرقومہ بالا صورتوں میں کون سی رقم مجھ کو جائز ہے یا کل ناجائز ہے؟ عنداللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا؟ اور کونسی رقم سود ہوگی اور کونسی سود نہ ہوگی یا کل سود ہوگی؟ اور عنداللہ میں گنہگار ہوں گا؟ عمرو شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم کے واپس پانے کا مستحق نہیں ہے یا کل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے؟

الجواب:

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ۫ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا(۲۹)" [1]۔	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلاوجہ شرعی نہ کھاؤ ہاں تجارت میں آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے (ت)

بکر نے جو وہ پانسو زید سے لئے حرام اور قطعی سود ہیں اور یہ جو عمرو کو ۲۵ سو دیئے اور عمرو نے ۲۸ سو کی رسید لکھ دی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے، بکر پر فرض ہے کہ زید کے پانچسو واپس کرے اور عمرو سے صرف پچیس سو لے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے، عمرو کا ان پانسو میں سے دو سو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال حرام ہے اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے، بہت سخت اشد کلمہ ہے، عمرو پر لازم ہے کہ توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰: از قصبہ چتوڑ گڑھ میواڑ مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب ۷ اجمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقت افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی تو سود پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعاً ممنوع ہے مگر

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے جس کی زکوۃ کے (ص عہ) سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کرکے صورت ترقی پیدا نہ کرے تو چند ہی سال میں ٢٥ روپیہ سالانہ ادا کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، بباعث ضعیفی بذات خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابل اعتبار، نہ شریک امانت دار، بلکہ جو ملا دغا باز یا مکار، تو زید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیوارات طلائی و نقرئی بطور رہن رکھ کر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع ٹھہرالے تو شرعًا کیا قباحت ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے جیساکہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوٰی میں ارشاد فرماتے ہیں یا بعض علماء دارالحرب تو قرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو حربی سمجھ کر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں، بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملات کئے جائیں یا ہنڈوی لکھوا کر روپیہ دے کر فائدہ اٹھالے مثلا (لعہ لعہ ٩٩) یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سو روپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھوالے میعاد مقرر شدہ پر سو روپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہنڈوی اسے واپس کردے کہ زکوۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل جلالہ نے ربا حرام فرمایا ہے اس میں ربا کی کیا تعریف ہے، زمانہ نزول آیہ شریفہ میں عربستان میں ربا کس قسم کے سود کو کہتے تھے، اسی طرح یہاں کے کافر و مشرک سوداگر غلہ وغیرہ ارزانی میں خرید کر بند رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انہیں سے خریدنا پڑتا ہے، تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے تو شرعًا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قدرتی طور پر ہے کہ غلہ فصل پر ارزاں اور بیچ پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بند رکھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی ہوجائے۔ ہندوستان بلاشبہہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں، جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلام میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروی اور ہنڈوی کا طریقہ صورت سود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع برے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر نوٹ کی بیع ہے دس کا نوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بیچنا جائز ہے تو دس کا نوٹ قرض دے اور پیسہ اوپر دس ٹھہرائے یہ سود ہے اور دس کا نوٹ سو کو بیچے یہ جائز ہے، اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے: "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ سود

[1] القرآن الکریم ٢/ ٢٧٥

کا یہی طریقہ عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا:

الربا فضل خال عن العوض مستحق بالعقد۔ [1]	ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور اس کا استحقاق عقد سے ہوا ہو۔ (ت)

یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعًا کوئی عوض نہ ہو، یہ زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیہ اتحاد و قدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ مفصل بیان چاہئے ہماری کتاب **کفل الفقیه الفاهم** دیکھئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ عبداللہ احمد سودا گر امراؤتی برار شنبہ ۲۲/شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر و نواہی انسان کے لئے دارین میں سود مند ہیں اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے مگر مزید اطمینان کے لئے استفتا کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں، میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پائیں، یہ ایک قابل غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے اسلئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے، ربا کے جواز وعدم جواز میں کیا راز مضمر ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے، مفصل تحریر فرما کر کمترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سود کے آجکل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص کرکے ولایت کی تجارت کا دارومدار ہی سود پر ہے مثلًا بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے ہے تو کل پونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید وفروخت میں بغیر لئے دئے کے چل نہیں سکتا، تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلٰی پیمانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۶، الهدایة باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰، ملتقی الابحر باب الربٰو مؤسسة الرسالة بیروت ۲/ ۳۷

پر تجارت نہ کریں صرف قوت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کرلیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کردی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شائد وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے، کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا وہ ان سے وصول کرکے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار کے متحمل نہیں ہوسکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہوجاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کرکے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہوجاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی امدادی فنڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہوجاتا ہے۔ سود خور اور سود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزار میں سے ایک بھی اس دقت سے بری نہیں کیا حال ہوگا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے البتہ طبقہ علماء و مشائخ اس سے محترز ہے مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بیچاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں سے شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خلکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کرکے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ **فقط**

الجواب الملفوظ

سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص عام تو یہ کہ:

"لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾"[1]	اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] "لَهُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾"[2] "وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾"[3]	اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کچھ کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ ورسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ"[4] (بے شک بیع سود کی مثل ہے۔ت) تم جو خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[5]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہئے، یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لئے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربو[6]۔	محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔(ت)

ہاں بلاضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام وناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہٖ سود ہے مثلاً ان گیہوں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷
[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸
[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶
[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵
[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵
[6] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد ونقد جمع ہوگئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ [1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہٖ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہوجائے (ت)

تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے،

"یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾" [2]۔	جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے:

ولاتمدن عینیك الٰی مامتعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربك خیر وابقٰی [3]۔	اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں و عورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آگیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہٖ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ ربا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہو اگرچہ شرط نصًا نہ ہو یا عرفًا ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۸ و۸۹

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۳۱

ورنہ احساناً قرار داد سے زائد دینا نہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا اور قیمت کی چاندی وزن کرنیوالے سے ارشاد فرمایا: زن وارجح [1] تول اور زیادہ دے۔ یہ احسان ہے، "مَاعَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ" [2]۔ (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت) پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے، سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [3] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن، بلاغدر و بدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد و مدارس و مصارف یتامٰی میں بھی صرف ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: از مقام کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کٹڑوا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زماننا ٹراموے وریلوے کمپنی و دیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کرکے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کردیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شیئ اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے حصص خرید نے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکوۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب الملفوظ

ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے، پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوۃ لازم آئیگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از بہرائچ درگاہ شریف مسئولہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ بروز پنجشنبہ ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرع سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد بخیال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا، کل زر قرض اصل معہ سود زر ثمن جائداد میں مجرا لیا، پس سوال یہ ہے کہ خالد وعمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال ومباح ہے یا حرام وناجائز ہے اور خالد خیرات وصدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہو جانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا، یہ عذر اس کا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیے **فقط۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[1]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کردو یعنی اللہ و رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درہم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس ۳۶ بار اپنی ماں سے زنا کیا"۔ بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے **ایسرها مثل ان ینکح الرجل امه**[2] ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اٰکل الربٰو ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء[3]۔	لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمرو مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے، اسراف اگر وہ کرے تو گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ و رسول سے لڑائی مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل و دین سے کیا علاقہ رکھتا ہے اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے، خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق کے لئے اجرت پر زنا کرائے کہ خیرات کرے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

کمطعمة الایتام من کد فرجها لك الویل لاتزنی ولا تتصدق[4]۔	جیسے وہ عورت کہ اپنی فرج کی کمائی سے یتیموں کو کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کرنہ خیرات دے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸۔۷۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعة باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[4] ردالمحتار

بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالٰی سے ڈرتا اور حدود شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالٰی کے ہاتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خان ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

مصدر فیض وحسنات مکرم ومعظم بندہ اعلیحضرت مولانا قبلہ دام ظلکم، السلام علیکم!

برادرم محمد عبدالعزیز نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتوٰی دیا، مذکور فتوٰی کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں۔ ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک و مختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا و آگ کے بیمہ کے، جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں:

۱ **پہلی صورت:** میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے دے گی مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

۲ **دوسری صورت:** یہ ہے کہ معدود فی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائیگی، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مر گیا تو بیمے کی طرف سے اسکے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی۔

۳ **تیسری صورت:** کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچپیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے، اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا، اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مرگیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

[۴] **چوتھی صورت:** یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرازیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا، جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دیگی یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ، اس اثناء میں وہ مرگیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی، مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازاً جملہ چار سو ہوا زیادہ ہوا یا کم ہوا اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کرا کر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے، تو فقط نصف رقم چار سو کی دو سو [٢٠٠] ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمناسبۃ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا، اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دئے کی رسید ملے گی یعنی ٢٥٠ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکور روپیہ ٢٥٠ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا، بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے، یہ حساب بیمی اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہذا فتوٰی بھی اسی مذہب پر ہو۔ **والسلام**

الجواب:

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں **کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر** (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از موضع دروٗ ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز خان صاحب ۳/رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ نسیہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائیگی وقت خرمن گاہ جس طرح فی زمانہ زمیندار کیا کرتے ہیں مثلاً اسامی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کرکے دے دیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کرکے وقت بٹائی کے وصول کرلیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھاد کہتے ہیں آیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ نرخ و قیمت و وعدہ ادائے قیمت سب وقت بیع معین کردئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے، مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو مہینے کے وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں، اور اگر یہ ٹھہرا کہ غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا فصل پر ہو تو حرام اور سود ہے یونہی وقت خرمن گاہ کا وعدہ بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد و گناہ ہوگی، ہاں اگر نفس عقد میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔

فی الدر المختار لایصح البیع بثمن مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب لانہا تتقدم وتتأخر ولو باع مطلقًا عن ھذہ الاٰجال ثم اجل الثمن الدین الیہا صح التاجیل کما لو کفل الی ھذہ الاوقات لان الجہالۃ الیسیرۃ متحملۃ فی الدین والکفالۃ اھ[1] مختصرًا۔	درمختار میں ہے کہ بیع اس ثمن کے بدلے صحیح نہیں جس کی میعاد حاجیوں کے آنے یا کھیت کاٹنے یا غلہ گاہنے یا انگور توڑنے کے ساتھ مقرر کی گئی ہو کیونکہ یہ اوقات مقدم و مؤخر ہوتے رہتے ہیں ہاں اگر ان اوقات کا ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن دین کو ان اوقات کے ساتھ مؤجل کردیا تو مدت مقرر کرنا صحیح ہے جیسا کہ کوئی شخص اوقات مذکورہ تک ضامن بنے کیونکہ تھوڑی سی جہالت دین اور ضمانت میں قابل برداشت ہے اھ مختصرًا (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

پھر بہر حال یہ اس سے انہیں قرار یافتہ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقت خرمن جبر نہیں کرسکتا کہ اب اس وقت کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا جو غلہ ہو وہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کرلی تھی کہ چالیس روپے زر ثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا اس کے حساب سے غلہ لیا جائیگا تو بیع فاسد وحرام ہوجائے گی۔

لفساد الشرط وصفقتین فی صفقة والافتراق عن دین بدین فی ماشرط من معاوضة الثمن بالحب مع جهالة قدر المبیع فی هذه المعاوضة	کیوں کہ اس میں فساد شرط،ایک سودے میں دو سودوں کا اجتماع اور جدا ہونا ہے دین سے دین کے بدلے میں اس چیز میں جو اس نے وقت خرمن پر معاوضہ ثمن کی شرط لگائی باوجودیکہ اس معاوضہ میں مبیع کی مقدار مجہول ہے(ت)

ہاں اگر فصل پر مشتری کہے میرے پاس روپیہ نہیں آج کے نرخ بازار سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے **کما نص علیه العلماء و بیناه فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اس پر علماء نے نص فرمائی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ت)

مسئلہ ۱۹۶: مرسلہ وحیدالدین صاحب محلّہ اردو بازار بھاگلپور سٹی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یانہیں؟ جو شخص سود لیتا ہے یا سود تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزاری کرتا ہو ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہندوستان دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی،اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھادئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا،اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہوجائے گا،جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سود خور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کرنیوالے سب ایک حکم میں ہیں [1] جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہٖ سود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کا روپیہ دکھا کر یا پہلے دے کر اسکے عوض کھانے کی چیز خریدی جب ناجائز ہے ورنہ ناجائز

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

نہیں مگر ایسے لوگوں سے اختلاط نا مناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۷: از گودنا ڈاکخانہ یوگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مرسلہ منشی عبدالحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکورہ ۱۸/ شوال ۱۳۳۱ھ

مایقول السادۃ الفضلاء ھل یجوز اخذ الربا عن اھل الحرب فی الھند سواء کانوا اھنود ام نصرانیین او غیرہم ممن لاذمۃ لھم علینا۔	کیا فرماتے ہیں بزرگ فضلاء کہ کیا ہندوستان میں اہل حرب سے سود لینا جائز ہے؟ چاہے وہ ہندو ہوں یا نصرانی ہوں یا ان کے علاوہ جن کا ذمہ ہم پر لازم نہیں (یعنی ذمی نہیں)۔ (ت)

الجواب:

الھند بحمدہ تعالٰی دارالاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام ومابقی علقۃ منھا تبقی دارالاسلام دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلی[1] اما اخذ الربا فانہ لایجوز مطلقًا لاطلاق نصوص التحریم وماذکروا من جواز اخذ الفضل فی دارالحرب فلیس من باب الربا فی شیئ، لان الربا انما یکون فی مال معصوم ومال اھل دارالحرب غیر معصوم حتی من اسلم منھم ثمہ ولم یھاجر الینا فاخذ ذٰلك اخذ مال مباح لااخذ ربا، ولذا یقول المحققون لاربا فی دارالحرب لاانہ یجوز اخذ الربا فیھا	ہندوستان الحمدللہ دارالاسلام ہے کیونکہ اس میں بہت سے شعائر اسلامی باقی ہیں اور جب تک ان شعائر اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دارالاسلام دارالاسلام ہی رہتا ہے اس لئے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ رہا سود کا لینا تو وہ نصوص تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقًا حرام ہے اور فقہاء کرام نے جو دارالحرب میں زیادہ لینے کے جواز کا ذکر کیا ہے وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے کیونکہ سود مال معصوم میں ہوتا ہے اور اہل حرب کا مال معصوم نہیں یہاں تک کہ اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوااور ہجرت کرکے ہماری طرف دارالاسلام میں نہیں آیا تو اس کا مال لینا مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا لینا۔ اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کوئی سود نہیں، یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

کما یقولون لاربا بین السید وعبدہ لاانه یجوز للسید اخذ الربا من عبدہ، فانما اطلق علیه اسم الربا نظر االی الصورۃ، وانما الاحکام للحقائق وھذا الحکم یعم کل حربی غیر مستامن ولو فی دار الاسلام لان المناط عدم العصمة وھو یشملھم جمیعا، فلا یحرم علینا معھم الا الغدر، فاذا جاوزته و اخذت منھم مااخذت باسم ای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعة علیك فیه کما راھن الصدیق الاکبر علیه الرضوان الاکبر کفار مکة فی غلبة الروم واخذ مالھم باذنه علیه وعلی اٰله افضل الصلوٰۃ والسلام، فانما جاز لعدم العصمة والالکان قمارا محرما، فھذا ھوالاصل المطرد فی ھذا الباب ومن اتقنه تیسر علیه استخراج الجزئیات وقد فصلنا القول فیه فی فتاوٰنا، نعم ھنا دقیقتان یجب التنبه لھما ۱ الاولی ینبغی التحرز عن مواقف التھم ممن جاھر باخذ الفضل منھم	لینا جائز ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، نہ یہ کہ مالک کا غلام سے سود لینا جائز ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لئے ہوتے ہیں (نہ کہ صورت کے لئے) اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دارومدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدم عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں، اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلبہ روم کے بارے میں کفار مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفار مکہ کا مال لے لیا کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جوا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کرلیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہوگیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے ہاں یہاں دو باریک باتیں ہیں جن پر متنبہ ہونا ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔ جس شخص نے اعلانیہ طور پر حربیوں سے زیادتی مال وصول کی اور

بالنیة الصحیحة المذکورة انما یاخذ حلالا ولکن یتھمه العوام باکل الربا فینبغی التحرز عنه لذوی الھیأت فی الدین و [۲] الثانیة ان من الصور المباحة ما یکون جرما فی القانون ففی اقتحامه تعریض النفس للاذی والاذلال وھو لایجوز فیجب التحرز عن مثله وما عدا ذٰلك مباح سائغ لاحجر فیه، نعم من اخذ منھم الفضل ونوی اخذ الربا فھو الذی قصد المعصیة، وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی [1]، کما نصوا علیه فی من تعمد النظر من بعید الی ثوب موضوع فی الطاق ظنا منه انھا امرأة اجنبیة حیث یاثم بما قصد وان کان النظر الی الثوب مباحا فی نفسه وھو سبحانه وتعالٰی اعلم۔	نیت اس کی صحیح ہے جس کا ذکر ہوا تو بیشک وہ حلال مال لیتا ہے لیکن عوام اس پر سود کھانے کی تہمت لگائیں گے لہذا دینی اعتبار سے صاحب حیثیت لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ مباح صورتوں میں سے بعض قانونی طور پر جرم ہوتی ہیں ان میں ملوث ہونا اپنی ذات کو اذیت و ذلت کے لئے پیش کرنا ہے اور وہ ناجائز ہے، اس طرح کی صورتوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کا ماسوا مباح و جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں جس نے حربیوں سے زیادہ مال بنیت سود لیا تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، جیسا کہ فقہاء کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصداً اس کی طرف نظر کی کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہٖ مباح ہے۔ (ت) وھو سبحانه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۷۳ مسئولہ سید عزیز الرحمان ۱۱/ رمضان ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد

---
[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہو جاتا تھا،اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ در حقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ در حقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر در حقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقح ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منقح نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے،اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منقح کرکے لیا کرے خصوصًا اس زمانے میں جبکہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکاء کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب وکتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزر و فنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو در حقیقت ان شرکاء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس انداز کرنے ریزرو فنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے،علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ "لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾"[1] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب:

یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں،کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض [1]شرکت دیتا ہے یا [2]بطور ہبہ یا [3]عاریۃً یا [4]قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس،شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہو گیا،دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔جوہرہ نیرہ و تنویر الابصار میں ہے:

الشرکۃ عبارۃ من عقد بین	تنویر وشرح مدقق علائی۔شرکت نام ہے اصل و نفع میں دو شریک ہونیوالوں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

المتشارکین فی الاصل والربح.[1] تنویر و شرح مدقق علائی۔	کے درمیان عقد کا، تنویر و شرح مدقق علائی۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرکۃ العقد عدم مایقطعھا کشرط دراہم مسماۃ من الربح لاحدھما لانہ قد لایربح غیر المسمی وحکمھا الشرکۃ فی الربح[2]۔	شرکت عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شریکوں میں سے ایک کے لئے نفع میں سے معین درہموں کی شرط کیونکہ کبھی ان معینہ درہموں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔(ت)

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے، شرکت کا مقتضٰی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔ ردالمحتار میں ہے:

ثم یقول فما کان من ربح فھو بینھما علی قدر رؤس اموالھما وماکان من وضیعۃ او تبعۃ فکذلک، ولا خلاف ان اشتراط الوضیعۃ بخلاف قدراس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر[3]۔	پھر کہے، جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہوگا یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے اس کی دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔(ت)

یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضاء شرکت عدل و مساوات ہے۔ قال اللہ تعالٰی "فَھُمْ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ"[4]

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٧٠

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٧١

[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٣٧

[4] القرآن الکریم ٤/ ١٢

(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں۔ت) فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دو چند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دو چند والوں کو صرف پانسو ملیں گے، آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا، یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، اور عاریت میں شے بعینہٖ قائم رہتی ہے۔ درمختار میں ہے:

عاریۃ الثمنین قرض ضرورۃ استھلاك عینھا[1]۔	ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے کیونکہ اس میں عین کو ہلاک کرنا لازم ہے۔(ت)

بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض، اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔

قرآن کریم اس نفع منقح کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی "لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾"[3] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) اور یہاں "تظلمون وتظلمون" دونوں ہیں، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دوچند ہی والوں کو چہار چند، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے تھے تو ظلم اشد ہے، اور دونے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا نہیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی، مثلاً سوا شخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس رپوے نفع منقح قرار پایا یہ صورت ظاہر کردے گی کہ وہ قرار داد ظلم و جبریت تھا یا محض جہل و حماقت۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پر دس دس کرکے کیسے بٹیں، کیا پانسو کہیں سے غصب کرکے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

پچاس کورے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے ور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔ فرض کیجئے دوہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کرہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دئے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگادئے جائیں گے، اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف قرار داد عقد کیونکر ہوا۔ لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دوہزار تو سب بیس بیس، اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں، اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔ یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت، اور یہی شرکت شرعیہ، اور وہ نفع منقح رجماً بالغیب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا، بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے، خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفٰی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مسئلہ ۱۹۹: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کردیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلّت ہو کنواں لگوادے آیا وہ شخص ازروئے شرع شریف سود خوروں اور گناہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا، اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے لینی اور اس کو کنوئیں کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب:

سود لینا مطلقاً حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1]، وقال تعالٰی "وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ چھوڑدو جو باقی رہا ہے سود سے (ت)

تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار ہوا، ہاں جبکہ وہ روپیہ برضامندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے لینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

تو فقراء و غرباء اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب وحلال ہے یونہی اس سے بنوایا ہوا کنواں،

کما فصلناه فی فتاوٰنا المسألة مسألة الظفر المنصوص علیه من الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے سے حاصل کر لینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس پر در وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)۔

واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم حکمه احکم

مسئلہ ۲۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سودی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہو گیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا میں نے انکار کیا کہ میں سود نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کر سکتے سود تم کسی محتاج کو دے دینا اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرار داد کیا بلکہ صراحۃً منع کر دیا، نہ اب سود لینا مقصود تو فقراء کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا غدر وعہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لے کر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے،

لان فیه الاحسان بالمساکین، "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾"[1]، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[2]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه	کیونکہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانا ہے، اور اللہ تعالٰی احسان کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے، اور بیشک اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1]۔ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کی اس نے نیت کی۔اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔(اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۰۱: از میر گنج مرسلہ ابوالحسن صاحب ۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکار میں روپیہ جمع کرنا اور اس کو سود ۴/ فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود مطلقاً حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"** [2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حرام کیا ہے اللہ تعالٰی نے سود کو۔ت) ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجبہ یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہو اور ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز، دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جب کہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز وواجبی ہے **واللہ یعلم السر واخفی** (اللہ تعالٰی رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ت) اس امر میں مسلم وغیرہ مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ" [3]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا (گناہ) ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب از میرٹھ لال کرتی ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بنک کو نوٹس دے دیا کہ میرا کل روپیہ دے دو۔بنک والوں نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۷

اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا، عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا، بنک والوں نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ ابھی نہیں دیتے اب بعد تمامی سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتداء سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملے گا لیکن عمرو قصد مصمم کرچکا ہے کہ نہ لونگا۔ اس صورت میں اسے کہنا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں حساب کرلو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللھم لك الحمد (اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے۔ت) شرع مطہر میں سود لینا مطلقاً اور بے ضرورت و مجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب بلا غدر و بے ارتکاب جرائم برضامندی ملتا ہو تو اسے نہ بہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی،[1] وقد حققنا المسئلۃ بما لامزید علیہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔(ت)

دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود،

الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکل امرئ مانوی[2]، فقد جعل کلا ونیۃ و قال تعالٰی لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم[3] وقال تعالٰی	کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا کہ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تحقیق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کی نیت کے ساتھ چھوڑ دیا، اور اللہ تعالٰی

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

"قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ"[1]	نے فرمایا تمہیں نقصان نہیں پہنچاتا وہ جو گمراہ ہوا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے(میرے محبوب) آپ فرمادیں کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔(ت)

مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو،اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ جس قدر اسے زیادہ ملے گا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کرلے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد بار اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا پانسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دینگے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کے واپسی کی کرکے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلارضامندی کے دوسری طرح واپس نہ لے سکتا تھا،اور اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اسے یہ زیادت دیں گے تو اسے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا،

لانهم مامورون شرعا برد ما اخذ وانهم اليهم و هم لايردون والمسلمون لا يقدرون على ان يستردوا فيكون هذا عونا لاخوانه۔	کیونکہ اہل حرب مسلمانوں سے لیا مال انہیں واپس کرنے کے مامور ہیں حالانکہ وہ واپس نہیں کرتے اور مسلمان ان سے واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح اسکے بھائیوں کی مدد ہوگی۔(ت)

پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی واجب ہے کہ فقراء پر تصدق کردے،

لانه سبيل كل مال صالح لايعلم مستحقه كما فى الدر المختار وغيره من معتمدات الاسفار۔والله تعالٰى اعلم۔	کیونکہ یہ سبیل ہے ہر مال صالح میں جس کا مستحق معلوم نہ ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۳: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۴

الجواب:

سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہو جاتا ہے،

لان ھذا ھو حکم العقود الفاسدۃ وذھل الفاضل الشامی فی العقود الدریۃ۔	کیونکہ عقود فاسدہ کا یہی حکم ہے اور علامہ فاضل شامی سے عقود دریہ میں بھول ہوئی۔ (ت)

مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے، بہر حال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سود کھا رہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے،

لانہ لم یندم علی الماضی وما ترك فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیئ من ارکان التوبۃ۔	کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا (ت)

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا حرام لیا تھا تو انہیں پہنچادے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہٖ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کردے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔ درمختار میں ہے:

الحرمۃ تتعدد مع العلم بھا الافی حق الوارث وقیدہ فی الظھیریۃ بان لایعلم ارباب الاموال [1]۔	حرمت کا اگر علم ہو تو وہ منتقل ہوتی ہے سوائے وارث کے حق کے، اور ظہیریہ میں حق وارث کے ساتھ یہ قید لگائی کہ وہ وارث مال کے مالکوں کو نہ جانتا ہو (تب اس کے لئے حلال ہے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم، والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ، وان کان مالا	حاصل یہ کہ اگر وارث مال کے اصل مالکوں کا علم رکھتا ہو تو ان کا مال انہیں لوٹانا اس پر واجب ہے ورنہ اگر اس مال کے بعینہٖ حرام ہونے کا اسے علم ہے تو اس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک کی طرف سے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابه ولا شیئا منه بعینه حل له حکما، والاحسن دیانة التنزه عنه[1]۔	نیت کرتے ہوئے صدقہ کرے اور اگر مال حرام حلال سے مخلوط ہے اور وہ وارث اس کے مالکوں کو نہیں جانتا، نہ ہی بعینہٖ اس کے حرام ہونے کا اس کو علم ہے تو وہ حکماً اس کے لئے حلال ہے مگر دیانت کے اعتبار سے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔(ت)

نیز درمختار میں ہے:

ولا یبطل حق الفسخ (ای فی البیع الفاسد) بموت احدهما (ای احد العاقدین) فیخلفه الوارث به یفتی اھ[2] **اقول:** فافاد ان انتقال الملك فی الملك الخبیث لا یزیل الخبث ویجب علی الوارث فسخه فان لم یفعل اجبرالقاضی۔ والله تعالٰی اعلم۔	بیع فاسد میں بائع یا مشتری کی موت کے سبب سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا، چنانچہ مرنے والے کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کلام نے اس بات کا فائدہ دیا کہ ملک خبیث میں ملک کا منتقل ہونا خبث کو زائل نہیں کرتا لہٰذا وارث پر واجب ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی اس پر جبر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۴: ملک بنگالہ ضلع نصیرآباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خور کے ساتھ میل جول کرنا اور شادی اور پنچایت میں بلانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب و بادلیل جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود خور کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے، باز نہ آئے، اس کے ساتھ میل جول نہ چاہئے اسے شادی وغیرہ میں نہ بلایا جائے،

قال الله تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ	اگر شیطان تجھے بھلادے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از ریاست کشن گڈھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول تھرڈ ماسٹر مسئولہ سید امانت علی صاحب ۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

شادی و زندگی کا بیمہ کرنا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے شاگرد رامپوری صاحب نے جو کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب سے دریافت کرلینا چاہئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ بافادہ اہل اسلام بصورت فتوٰی ارسال فرماکر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ اس بیمہ کا قانون بھی گورنر جنرل کی کونسل سے ۱۳۱۲ھ میں پاس ہوگیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ پراسپکٹس اور دو سالانہ رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

الجواب:

یہ نرا قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ گرہ سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا، اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت کی نہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: کابلی علاوہ مسلمانوں کے غیر قوم سے جو سود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از سید ایوب علی صاحب محلّہ بہاولپور کا سگرہ، بریلی

زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہوگیا۔ جب

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اہل محلّہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلّہ نے زید سے پوچھا جس کا اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرط سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھادی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئے گا میں زر سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ مکان میں دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی، اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلّہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا، ایسی صورت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خور ہے اس سے احتراز کیا جائے، اس سے میل جول ترک کیا جائے، اس کے بہانے جھوٹے ہیں، کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقیناً سود ہے، اس نے سود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے، قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھانا ضرور ہو یہ سود خور کذابوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھا لیا ہے لیں گے نہیں، ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ منہ میں لیا ہے نگلیں گے نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴/ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص چھ سو روپے قرض لیتا ہے اور جائداد روپیہ دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سو یا پچاس روپے مقرر کرتا ہے لفظ سود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں، قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے، الحاصل رہن صحیح ہو جائے اس کی شکل فرمادیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہو جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ رہن نہیں ہو سکتا، گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ و رہن دو عقد منافی ہیں باہم جمع نہیں ہو سکتے، مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا **لاستحالۃ الانتفاع بدون القبض** (کیونکہ بغیر قبضہ کے نفع حاصل کرنا محال ہے۔ ت) اور مرہون ہونا مرتہن کا قبضہ چاہے گا **لقولہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"**[1] (تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں، ہاں زید مستقرض عمرو مقروض سے روپیہ قرض لے لے اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

عمرو کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھ لے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس بیس پچاس چالیس جس قدر ماہواری مناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کردے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہوجائے **کیلا یخرج من اجارات الناس** (تاکہ لوگوں کے اجاروں سے خارج نہ ہوجائے۔ت) اس قدر اسے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کردیا کرے جب دین ادا ہوجائے زید عمرو کو موقوف کردے،

فی الھندیۃ عن البزازیۃ استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ ازید من الاجارۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتأخرون فقیل یجوز بلا کراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیابادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ [1]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں بزازیہ کے حوالے سے مذکور ہے، مقروض کا کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو اجرت پر رکھنا جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہو جسے چھری، کنگھی اور چمچہ کہ ہر ماہ اتنی اجرت دے گا، اس میں متاخرین ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ بلا کراہت جائز ہے ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابو الفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام جواز پر متفق ہوئے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۹/ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض، اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جائے اور سود نہ ہو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب:

علماء کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائیں ہیں از انجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے ہاتھ کوئی مال مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زر ثمن کے زید کو دے دے بعدہ اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو یہی مال زید کے ہاتھ دو سو روپیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

کومثلاً بوعدہ ایک سال بیچے زید خرید لے اور اب اس زر ثمن کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھ دے اس صورت میں زید کی چیز زید کے پاس آگئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہوگئے عمرو اس رہن سے کچھ انتفاع نہ کرے ورنہ سود ہو جائے گا۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل له علی رجل عشرة دراہم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الی اجل قالو ایشتری من المدیون شیئا بتلك العشرة ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام، ومثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك [1] الخ۔ والله تعالٰی اعلم۔	ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں وہ چاہتا ہے کہ ایک معینہ مدت تک یہ تیرہ درہم ہو جائیں۔ علماء نے فرمایا ہے وہ مقروض سے ان ہی دس درہم میں کوئی چیز خریدے اور مبیع پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز تیرہ درہم کے بدلے ایک سال کے ادھار پر مقروض کے ہاتھ فروخت کرے تو اس طرح سے حرام سے اجتناب ہو جائے گا، اور اسی کی مثل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ کے لینے والے کو سود دینے سے انکار ہے، کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور ہندو سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والے کو بلا کسی نفع کے دینا منظور نہیں ہے۔

الجواب:

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ بیچے، مثلاً سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر، مثلاً ایک سو بارہ روپے کو بیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صرف ایک سو چھ لے، اس سے زیادہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فیما یکون فرارا عن الربٰو نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۶

لینا حرام ہے یونہی اور کوئی چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے، درمختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الابقدر مامضی من الایام[1]۔	مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کردیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں (ت)

دوسرے یہ کہ سو روپے اسے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس چیز کی حفاظت کرمیں اس کی حفاظت پر ایک روپیہ یا ۴/ یا ۲/ یا دس روپے ماہوار جو ٹھہر جائے دوں گا مگر جو شے اسکے پاس رکھے اس کی قیمت اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقومۃ قیمتہ ازید من الاجرۃ کالسکین والمشط و المعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتاخرون فقیل یجوز بلاکراہۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ و الامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ[2]۔	مقروض کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو معین ماہانہ اجرت پر مقرر کرے جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہے مثلاً چاقو، کنگھی اور چمچ وغیرہ، تواس میں متاخرین ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے بلاکراہت جواز کا قول کیا ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں، اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام نے جواز پر اتفاق کیا ہے۔ (ت)

اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم نے کفل الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: مسئولہ محمد حسین خاں بریلی شہر کہنہ ۱۳/ شوال المکرم

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب! بصد نیاز گزارش ہے کہ مجھ سے ایک

---

[1] درمختار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

شخص قرضہ چاہتا ہے اور بالعوض اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھ کو روپے دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ روپیہ اﷲ نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہوجانے پر امید ہے کہ اﷲ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سود کھانا نہیں چاہتا ہوں، اب اس میں گزارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کردیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلا سود و بلا رہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنا کوئی برتن مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تمہیں دی جائیگی یوں اس حفاظت کی اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا، اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر کو حفاظت کے لئے دے اور آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم و بیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی سے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکان کا کرایہ آپ پر، پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کو معاملہ برابر ہوگیا، نہ آپ اسے روپیہ دیں نہ وہ آپ کو، آپ اس کی چیز کی حفاظت کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زائد ادا کرتا رہے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بہاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان درہر موضع و دہ بنک تجویز کردہ اند بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبر آں بنک نمودہ می گویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنایندہ نزد خود جمع سازید وازاں روپیہ خاصۃً داخل کنندہ را و بدیگرے رابوقت حاجت ولے قرض میعادی بسود یسیر دادہ باشید و عند المیعاد	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بنک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بنک کا ممبر ظاہر کرکے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بنک میں داخل کراکے اپنے پاس جمع رکھو، پھر انہیں خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقت ضرورت تھوڑے سے سود پر میعادی قرض کے طور پر دیں اور

آں روپیہ مع سود ازو وصول نمودہ بایں طرز دیگرے راہ و سیس اخیر رامی دہید از سود دادہ شماآن جائداد شماترقی پذیردو برآمدگی حاجات مسلماناں از مال خویش بسہولت گردد و ضرورت باستقراض از ہندوان نماند۔پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد،چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام ماورند و مجبور،ازآں اگر حیلہ جواز فعل ایشاں ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عنداللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔	میعاد گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھراسی طرح کسی دوسرے شخص کواسی طریقے سے قرض دیں اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجتمندوں کو سود پر قرض دیتے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے بآسانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اوراس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چونکہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے ماموراور مجبور ہیں اس لئے اگران کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے توامید ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔(ت)

الجواب:

ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع وکبیرہ وشدیدہ است وربادادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ رارخصت کردہ اند فی الدر المختار **یجوز المحتاج الاستقراض بالربا**[1]،حاصل ایں بنک آنست کہ حرامے کہ ہندوان می خورند بباید تا مسلمانان خورند ولاحول ولا **قوۃ الا باللہ** کارکنان ایں بنک اگر درد دین دارند صورتے مہیااست کہ بہ مقصد رسند واز حرام وارہند ہر کہ مثلاً صدروپیہ دام خواہدزرند ہند کاغذ زرکہ نوٹ نامند بدہندوآں ھم دام ندہند کہ بردام ہرچہ سودے گیرد ربا باشد	سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے،اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہوجائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں توایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں،جو کوئی مثال کے طور پر سوروپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زر نہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وحرام، فی الحدیث عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] بلکہ نوٹ صدروپیہ بہر رجے کہ باہم تراضی شود بمیعاد واجل مسمّٰی بدست او فروشند مثلاً بیک صد و دہ روپیہ بوعدہ یک سال ایں ربح ربح بیع باشد و ربح بیع حلال است و ربح قرض حرام قال اللہ تعالٰی " اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ "[2] ایں مسئلہ را در کتاب کفل الفقیہ الفاھم ہر چہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ایم بایں وجہ ہم ربح حلال بدست آید وہم آں مستقرض بمراد خود برسد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوا۔ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سو روپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضامند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جبکہ قرض کا نفع حرام۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے جبکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" میں مکمل طور پر تفصیلی رنگ دیا ہے، اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئیگا اور وہ قرض لینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ احمد خان صاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ ریذیڈنسی اودیپور میواڑ ۳ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود کی نیت سے لینا جائز نہیں **لاطلاق قولہ وحرم الربٰو**[3] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا" مطلق ہے۔ ت) اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور شخص کا شرعاً کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلاشبہہ روا "لانہ ظفر بجنس حقہ کما فی ردالمحتار وغیرہ[1] (اس لئے کہ یہ اپنے حق کی جنس کو حاصل کرنے کی کامیابی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) یونہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے کما فی ردالمحتار عن السید السمھودی وغیرہ (جیسا کہ سید سمہودی وغیرہ سے ردالمحتار میں ہے۔ت) اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلاغدر وبدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقوٰی خصوصاً مقتداء کو ان دو صورتوں خصوصاً اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے: اتقوا مواضع التھم[2] (تہمت کی جگہوں سے بچو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از بریلی محلّہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی چنگی رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مراؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ یہ اس مراؤ سے ٹھہرالیا کہ چنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد بازار کے نرخ سے تم سے لئے جائیں گے، فصل کاٹنے پر مراؤ نے بجائے چنے کے جتنا روپیہ زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا، للہذا اب معلوم ہونے پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اسکی تعمیل بسر و چشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ایسا عقد شرعاً ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مراؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر اسے ملا اسے واپس دینا ضرور نہیں البتہ، اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۲

[2] کشف الخفاء حدیث ۸۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۴۵

مسئلہ ۲۱۵: از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکور ۲۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے عمرو کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً یا صراحۃً سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمرو نے ادائیگی روپیہ کا دوماہ کا کیا تھا، بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مروجہ گورنمنٹی کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور ضرورت کے وقت بیکار نہ ہو عمرو نے دوماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتی کہ قریب سال کے ہوگئے چونکہ میعاد رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمرو کی نالش کرنی پڑی تو اس نالش کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری عمرو پر مع سود کچہری مجاز سے ہوگئی اور عمرو نے اصل روپیہ مع سود داخل کچہری بھی کردیا تو اب عندالشرع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا نہ؟ اگر کل سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالش کے لینا جائز ہوگا یا نہ؟ اور روپیہ کچہری سے کل زید کو بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہوگا، اور اگر کچہری سے روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہوگا؟ اور بقدر اپنے خرچ کچہری کے نکال کر باقی کو صدقہ کردے یا اصل مالک کو واپس؟ مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحٔی لکھنوی میں عدم جواز کا فتوٰی لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبّب ہے نہ مباشر، اور ضمان مباشر پر ہوتا نہ کہ مسبّب پر، جیسا کہ واقف فقہ پر مخفی نہیں، جواب مع حوالہ کتب ودلائل کے تحریر ہو۔

جواب دیوبندی

اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھ کر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمرو کو واپس کردینا چاہئے کیونکہ خرچہ مقدمہ کا مدعی علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ قول جو مولانا عبدالحٔی صاحب نے لکھا ہے، اور دوسرا یہ کہ بصورت تعنت مدعا علیہ اور بلا نالش کسی طرح وصول نہ ہوسکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر نالش کی ہے اور عمرو کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو مناسب نہیں کہ وہ عمرو مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

الجواب:

سود کا ایک حبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ ورسول کی لعنت ہے۔ صحیح حدیثوں

میں فرمایا:

الربٰا ثلثة وسبعون حوبا ایسر ھن کان یقع الرجل علٰی امه[1]۔	سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اکل درھم ربا وھو یعلم کان کمن زنی بامه ستا و ثلثین مرة[2]۔	جو دانستہ ایک درہم سود کھائے وہ اس کے مثل ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔(ت)

ایک درہم تقریبًا یہاں کے ۴/۱۰ کے برابر ہوتا ہے جس کے اٹھارہ پیسے ہوئے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچہری سے بلا سود روپیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اس میں سے صرف اپنا زر اصل اٹھالے باقی تمام وکمال عمرو کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقًا حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو، اسے مختلف فیہ بتانا دیوبندی مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں، خرچہ کہ اس سے کچہری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقًا لیا یا ظلمًا لیا، اگر حقًا لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا چاہتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلمًا لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر ظلم کرے، عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہوا مگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾"[3]۔	آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس کو حاکموں کے پاس اس نیت سے مت لے جاؤ کہ تم لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھاجاؤ۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

[1] المستدرك کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲ /۳۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۴ /۳۹۴

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۷۰۳ مکتبة المعارف الریاض ۳ /۳۳۰، الترغیب والترہیب من الربا حدیث ۱۴ مصطفی البابی مصر ۳ /۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

رجل کفل اٰخر عن زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی الاان یدفع له الرجل قدر ماصرفه فی کلفة الالزام فدفع له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فله ذٰلك [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دوسرے شخص کا معین قرض کے بارے میں زید کے پاس ضامن بنا، پھر زید نے ضامن شخص سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور قاضی کے پاس اس پر اس کا لزوم ثابت کیا اب اس شخص (ضامن) نے زید سے مہلت مانگی تو زید نے اس وقت مہلت دینے سے انکار کردیا جب تک وہ زید کو اس مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ نہ دے چنانچہ اس نے زید کو وہ خرچہ دے دیا، پھر وہ قرض بھی زید کو اس نے ادا کردیا جس کا وہ ضامن بنا تھا، اب وہ ضامن شخص چاہتا ہے کہ زید نے جو مقدمہ کا خرچ اس سے لیا تھا زید سے اس کا مطالبہ کرے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۶: از بمبئی دکان ایس کریم نمبر ۹ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ مسجد کے کرایہ کے روپے ورثاء واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے کے سبب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرامیسری نوٹیں خریدیں، جب مقدمہ ورثاء واقفہ اور متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے کورٹ سے (کننٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اس وقت محافظ مذکور کے پاس سے پرامیسری نوٹوں کا بیاج سالانہ سیکڑے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نو آنے نقد بابت کرایہ متولیان مسجد کو دیئے متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹیں کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا، اکثر متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے یہ ٹھہراؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ان کی قیمت کم ہوئی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور نوٹوں کی پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا، اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکورہ نوٹوں کو فروخت کرنے کے لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپیوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکورہ نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں ______ ______اس تاریخ تک مذکور نوٹوں کے بیاج کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکور محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکور محافظ گبر پارسی ہے) مذکور ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی، کیا متولیان مسجد مذکور بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کرنا شرعًا جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکورہ نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آج تک مذکور نوٹوں کا بیاج پورا دے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکور بیاج کی رقم کو مذکور نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکور نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کرسکتے ہیں؟ دیگر متولیان مسجد کو مذکور بیاج کے روپے مذکور محافظ سے مسجد کے لئے لینا یا ورثاء واقفہ کے شرعی حصہ میں بطور رضامندی باہمی کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا از راہ ہمدردی ملی واحساس دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورت فتوٰی تحریر فرماکر مسلمانوں کو ورطہ گمراہی سے نجات دیں اور خداوند عالم سے دینی واخروی اجر حاصل فرمائیں وماعلینا الا البلاغ خیر خواہ اسلام۔

الجواب:

سود حرام ہے قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مسجد اسے قبول نہیں کرسکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ طیب لایقبل الا طیبًا[2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو۔(ت)

مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے، قیمت اگر گھٹ گئی تو گورنمنٹ نے کوئی مال مسجد کا نہ لے لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے، ہاں اگر نہ اسے سود سمجھیں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب الخروج من المظالم الخ دار صادر بیروت ۳/ ۳۴۶، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

نہ سود کہیں، نہ سود کے نام سے دفتر مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعًا حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفتر مسجد میں بنام "رقم زائد از گورنمنٹ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک عملوں کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

رسالہ

کِفْلُ الفقیہِ الفاھِمِ فی احکامِ قِرطاسِ الدّراھِمِ ۱۳۲۴ھ

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)

مسئلہ ۲۱۷:

ما قولکم دام طولکم فی ھذا القرطاس المسکوک المسمی بالنوط والسؤال عنہ فی مواضع **الاول** ھل ھو مال ام سند من قبیل الصک، **الثانی** ھل تجب فیہ الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیہ الحول ام لا، **الثالث** ھل یصح مھرا، **الرابع** ھل یجب القطع بسرقتہ من حرز، **الخامس** ھل یضمن بالاتلاف بمثلہ او بالدراھم، **السادس** ھل یجوز بیعہ بدراھم او دنانیر او فلوس، **السابع** اذا استبدل	آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، [1] **اول** کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، [2] **دوم** جب وہ بقدر نصاب ہوا اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں، [3] **سوم** کیا اسے مہر مقرر سکتے ہیں، [4] **چہارم** اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، [5] **پنجم** اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے، [6] **ششم** کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، [7] **ہفتم** اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضۃ او بیعا مطلقًا، **الثامن** ھل یجوز اقراضہ وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراہم، **التاسع** ھل یجوز بیعہ بدراہم نسئۃ الی اجل معلوم، **العاشر** ھل یجوز السلم فیہ بان تعطی الدراہم علٰی نوط معلوم نوعا وصفۃ یؤدی بعد شھر مثلًا **الحادی عشر** ھل یجوز بیعہ بازید مما کتب فیہ من عدد الربابی کان یباع نوط عشرۃ باثنی عشر او عشرین او بانقص منہ کذلک، **الثانی عشر** ان جاز ھذا فھل یجوز اذا اراد زید استقراض عشرۃ ربابی من عمرو ان یقول عمرو لادراہم عندی ولکن ابیعك نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ ربیۃ منجمۃ الٰی سنۃ تؤدی کل شھر ربیۃ وھل ینھی عن ذلك لانہ احتیال فی الربا وان لم ینہ فما الفرق بینہ و بین الربا حتی یحل ھذا او یحرم ذٰلك مع ان المال وھو حصول الفضل واحد فیھما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔	اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے) [۸] **ہشتم** کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، [۹] **نہم** کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، [۱۰] **دہم** کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلًا ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، [۱۱] **یازدہم** کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلًا دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، [۱۲] **دوازدہم** اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب:

اللھم لك الحمد یا وھاب صل وسلم علی السید الاوّاب وعلٰی اٰلہٖ و	الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے، اے بہت عطا فرمانیوالے! درود و سلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والا صحاب اسئلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقنی اللّٰه وایاك والصواب، وتولّی هدای و هداك ان النوط من احدث الاشیاء واجدّها لن تجد له ذکرا ولا اثرا فی شیئ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه من العلماء الماضین قریبا، ولکن الائمة شکراللّٰه تعالٰی مساعیهم الجمیلة وافاض علینا من برکاتهم الجلیلة قد بینوا الملة الحنفیة بیانا شافیا لیس دونه خفاء، وقد اُضت بحمد اللّٰه تعالٰی غراء بیضاء لیلها کنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا اتفصیلا، وذکر و اکلیات تنطبق علی ما لا یحصی من جزئیات، فالحوادث وان ابت النهایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلو لوجود ان شاء الملك الودود عمن یقدره المولٰی سبحنه و تعالٰی علی استخراج تلك الخبایا و الاستریاح من تلك العطایا والمزایا نعم من الافهام بعید و قریب والانسان یخطی ویصیب، وما العلم الانور یقذفه اللّٰه فی قلب من یشاء من عباده، فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحٰنه وارشاده وحسبنا اللّٰه ونعم الوکیل

آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری او رتیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام و نشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلا پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہو گئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القافرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق وہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعلیہ ثم علی رسولہ التعویل، جل وعلا وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، **فاقول:** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقیقۃ ھذا القرطاس اتضحت الاحکام کلھا من دون التباس، اما اصلہ فمعلوم انہ قطعۃ کاغذ و الکاغذ مال متقوم و مازادتہ ھذہ السکۃ الارغبۃ للناس الیہ وزیادۃ فی صلوح ادخارہ للحاجات وھذا معنی المال ای مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ للحاجۃ کما فی البحر والشامی[1] وغیرہما، و معلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم عن التصرف فی قطعۃ قرطاس کیفما کانت کما ورد بہ فی الخمر والخنزیر وھذا ھو مناط التقوم کما فی ابن عابدین وفیہ عن التلویح المال مامن شانہ ان یدخر للانتفاع وقت الحاجۃ والتقویم یستلزم المالیۃ[2]، وفیہ

بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا، وہ بزرگی و بلندی و کرم والا، اور ان پر اس کے درود و سلام، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا اسوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہوجائیگی تو سب احکام واضح ہوجائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وہ اپنے پارہ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و خوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الاٰدمی خلق لمصالح الاٰدمی وامکن احرازہ والتصرف فیه علی وجه الاختیار اھ[1] وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] اھ وھذہ ان حققت جزئیة النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثه بخمسمائة سنة، فانه ھو الکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا الله تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین، فلا ریب ان النوط بنفسه مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیه جمیعه مایجری فی الاموال، **اقول:** ومن الظن بل من اردء الشکوك توھم انه سند من قبیل الصکوك ای ان السلطنة التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اٰخذیھا الدراھم و تعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم و لمقادیرھا فاذا

بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے، مال آدمی کے سواہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں، اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علماء کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں الله ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

جاؤابها الی السلطنة قضتهم دیونهم واخذت قراطیسها وان اعطوها غیر هم من الرعایا فهم یستدینون من اولئك الاخرین و یحیلونهم علی السلطنة ویعطونهم تلك التذکرة علما علی الاحالة کی یتوصلوابها الی اخذ مثل دیونهم من السلطنة المدیونة لمدیینهم وهکذا کلما تداولت الایدی تکررت الادانات والحوالات هذا معنی کونه سندا، وکل طفل عاقل یعلم ان هذه المعانی مما لایخطر ببال احد من المتعاملین بها و لایقصدون قط بهذا التداول ادانه ولا استدانة ولا حوالة ولا یذهب خاطر هم الٰی شیئ من ذٰلك اصلا ولاتری احدهم قط یذکر فی دفتر دیونه علی الناس من اخذالدراہم منه باعطاء النوط ولا یقول له مدة عمره انك استدنت منی کذا فاقضنی وخذتذکرتك منی ولا فی دفتر دیون الناس علیه من اخذهو الدراہم منه واعطاه النوط ولا یذکر لاحد فیه حیاته ولا عندمماته	سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں ______ سلطنت ان کے قرض ادا کردیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو ان پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے، ادا کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوہ وخذوا تذکرتی منہ والظلمۃ المھتکۃ المعتادۃ باکل الربا جھارا لایدینون احدا درھما الا بربا یوضع علیہ کل شھر مالم یقض و تراھم یاخذون النوط ویعطون الدراھم ولایطلبون علیھا فلسا واحدا لاعلی شھر ولا علی سنین ولو علموا انہ ادانۃ لما ترکوہ قطعا، فالحق انھم جمیعا انما یقصدون المبادلۃ والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعًا انہ مبلکہ بالدراھم ومن اعطاہ یعلم قطعا انہ اخرجہ من مبلکہ بالدراھم وصاحبہ یعدہ من مالہ وکنزہ کالنقدین والفلوس ویدخرہ ویھبہ و یوصی بہ ویتصدق فلا یفھمون الاالبیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدھم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1]، فمن المتیقن الذی لایحرم یحوم حومۃ شبھۃ انہ عند الناس مال	کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے، تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے اور وہ یقینا جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقینا جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل مافی المال جری اما ماتری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف، **فاقول:** قدمنا عن الفتح ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف و ذلك بالتراضی بین العاقدین فقط، فکیف اذا تراضی علیه امم من الناس وجعلو اهذه القطعات بهذه الاثمان اصطلاحا منهم علا ان الضرب السلطانی له قیمة عند الشرع ایضا.الاتری ان من سرق عشرة دراہم مضروبة قطع ومن سرق تبراغیر مضروب وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قیمة عشرة مضروبة لم یقطع کمانص علیه فی الهدایة [1] وغیرها عامة کتب المذہب والفلوس المضروبة المقدرة بربیة ان اخذت قدرها وزن من النحاس لایساوی ربیة قطعابل قدلایساوی نصفهابل تری مثل ذٰلك فی الفضة فقدکانت فی قریب من الزمان فضة تساوی	قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کرآئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں،علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہر گز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

[1] الهدایة کتاب السرقة المکتبة العربیة کراچی ۲ /۵۱۸

ربیتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا وکانت الجھلة یشترون ولا یعلمون مافیه من وبال الربا فاذا حصل بالضرب التضعیف فالضعف والا ضعاف سواء ومن الجلی عند کل من ورد ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او منھل العقل السلیم ان الشیئ التافة جدا ربما یعرض له ما یجعله اعلی من الوف امثاله وربما اشتریت جاریة بما ئتی الف واکثر، ولا یرغب فی اخری بثلثین درھما مع ان الاوصاف لا قسط لھا من الثمن حتی الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما ھی الاثمن الذات زادته الاوصاف لزیادة الرغبات، ارأیتك ان کانت ورقة کاغذ فیھا علم نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبه ویعرف قدرہ فاشتراھا بعشرة الاف ھل فیه من خلاف کلا، بل حلال طیب بنص القراٰن والاجماع من دون نکیر ولا نزاع، قال تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1] فھذہ العشرة الالاف ماھی ثمن المکتوب فانه لا مالیة له اصلا کما نص علیه فی الھدایة وسائر الکتب المعللة وھذا

بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب دونا دون قیمت ہو گئی تو دو چند ہزار چند سب یکساں، اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شیئ نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے اور بارہا ایک کنیز دولاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا بھلا بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب و غریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا طلب گار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار و منازعت اجماع قائم ہے، رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

نصھا ولا قطع فی سرقۃ المصحف و ان کان علیہ حلیۃ لانہ لامالیۃ لہ علی اعتبار المکتوب واحرازہ لا جلہ لا للجلد والاوراق والحلیۃ وانما ھی توابع،ولا فی الدفاتر کلھا لان المقصود مافیھا وذٰلك لیس بمال الادفاتر الحساب لان مافیھا لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغذ اھ[1] ملتقطا فتبین ان الورقۃ الواحدۃ ھی التی بلغ ثمنھا لما فیھا عشرۃ اٰلاف فای غرو فی بلوغ قیمۃ نوط عشرۃ اواکثر لاجل ما کتب فیہ مما استجلب رغبات الناس الیہ وای حجر من الشرع علیہ وبالجملۃ فالمسألۃ اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح، **ثم اقول**: بل حقیقۃ الامر ان الاموال کما فی البحر وغیرہ اربعۃ اقسام،اَلاول ثمن بکل حال وھو النقدان	مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے کہ جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملحصًا،تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اسکی طرف کھچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے،خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند یہ ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہو گئی،**ثم اقول**: (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے،اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

[1] الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ بیروت ۲/ ۲۱۔۵۲۰

فانهما اثمان ابدا صحبتهما الباء اولا وقوبلا بجنسهما اولا وعدهما العرف من الاثمان اولا كالمصوغ منهما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم يبق ثمنا صريحا ولهذا يتعين فى العقد ومع ذٰلك بيعه صرف يشترط فيه مايشترط فى الصرف لانهما خلقا للثمنية ولا تبديل لخلق الله، و[۲]الثانى مبيع بكل حال كالثياب والدواب فانها وان صحبتها الباء وقو بلت بما تشاء لا تثبت دينا فى الذمة وهذا هو المعنى بالثمنية فلا يرد ان فى المقايضة كلا من العرضين ثمن من وجه هكذا وجه ابن عابدين جوابا عن ايراد العلامة الطحطاوى، **اقول:** وفيه ان المصوغ من الحجرين ايضا لايثبت دينا فى الذمة بل يتعين فى العقود كما تقدم عن البحر فان سلم هذا ورد النقض على ذٰلك فليتأمل والاظهر عندى الجواب	ہے کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے ولہٰذا عقد بیع میں متعین ہو جائیں گے اور بایںہمہ ان کی بیع شرعًا صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شیئ کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ بحر الرائق سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا، فتامل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضاولا یمکن ان تصیر ثمنا محضا وان کان لها وجهة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الابالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانه تارة یصیر ثمنا بحتا واخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انه لا ینفك عنه کونه ثمنا او کونه مبیعا بشیئ من الاحوال وان اعتراه وجهة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قوله کالثیاب ارسلها ارسا لاواقره الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادها مالیة والاکانت من الثالث حیث امکن ضبطها بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام و مصر ورقة او غلظة وذرع طولا و عرضا ووزن ان بیعت به وبذا یجوز السلم فیها کما عرف فی محله و[3] الثالث ما لوصف فی ذاته ثمن تارة و مبیع اخری ولا **اقول:** کقول التنویر ثمن من وجه مبیع من وجه [1] لیعود حدیث المقایضة.**اقول:** وانما زدت لوصف فی ذاته احترازا عن قسم الرابع فانه

یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کا ایک رخ ثمنیت کی طرف بھی سہی اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہو سکتی بخلاف قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح وحواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہوسکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور کتان، یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام ومصر کا کام، یا پیتل اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔ قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھادی کہ

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

ایضًایصیر مرۃ ثمناواخری لا،لا لو صف فی ذاتہ بل للاصطلاح وعدمه وهذہ هی المثلیات فانها اما ان تقابل باحد النقدین او لا علی الاول مبیعات مطلقًا سواء دخلتها الباء اولا وتعینت اولا کقولك بعتك هذا الذهب بکُرّ برّ او بهذا الکر فالکر مبیع مطلقًا والبیع فی صورۃ التعیین مطلق وفی غیرہ سلم یشترط فیه شرائطه وعلی الثانی اما ان تدخلها الباء اولا علی الاول اثمان مطلقًا تعینت اولا کبعتك هذا الثوب بکر بر او بهذا الکر والبیع مطلق فی الوجهین والکر یثبت فی الذمة وعلی الثانی ان تعینت فاثمان کبعتك هذاالکر بهذا الثوب اولا فمبیعات کبعتك کرا بهذا العبد والبیع سلم بشروطه والحاصل ان المثلی ان قوبل بحجر فمبیع مطلقًا والا فان دخلته الباء فثمن مطلقًا والا فان تعین فثمن اولا	قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بناپر۔اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یااور چیز سے: پہلی صورت میں مطلقًا مبیع ہیں چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شیئ مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یاان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یاان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہاپہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچااور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقًا مبیع ہے ورنہ اگراس کے عوض بیچنا کہیں

فمبیع وهذا ایضاح ماحرر الشامی مع احسن ضبط لا یوجد فیه والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح کالفلوس فما دام یروج فکثمن والا عاد لاصله ولا شك ان المصطلحین اذا ارادوا ان یجعلوا سلعة ثمنا لا بد لهم ان یرجعوا فی تقدیرها الی الثمن الخلقی فان ما بالعرض لا یتقوم الابما بالذات فیجعلون اربعة وستین من الفلوس الهندیة او احدی وعشرین من الهللات العربیة بربیة وهکذا فی غیرها وهم فی ذلك بالخیار یصطلحون کیف یشاؤن اذلا مشاحة فی الاصطلاح، وقد کان قبل نحو عشرین سنة فی الدیار الهندیة قسمان من الفلوس یروجان احدهما مضروب و الاٰخر قطعة نحاس مستطیلة الشکل نحو ضعف الفلس المضروب فی الوزن وکان من المضروب اربعة وستون بربیة لا تزید ولا تنقص ومن الاٰخر یختلف السعر ،وربما صار ثمانون منه بربیة الی ان کسد ونفد فکل ذلك راجع الی الاصطلاح ولا حجر فیه من جهة الشرع الشریف اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه

تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انہیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اسی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔
جب یہ معلوم ہو لیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

یعامل بہ معاملۃ الاثمان وھذہ الرقوم المکتوبۃ علیہ تقدیرات ثمنیۃ بالثمن الاصلی کما علمت، فھو اصطلاح لامضایقۃ فیہ ولا یسأل لہ عن وجہ و توجیہ وقد تبین بھذا التقریر والحمد اللہ الفتاح القدیر حقیقۃ النوط وانما سائر الاحکام بھا منوط، فاذن لایعتری ان شاء اللہ تعالٰی فی ابانۃ شیئ من الاحکام اشکال والحمدللہ المھیمن المتعال۔	معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا تو یہ ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، **بحمد اللہ القدیر** اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے تو ان شاء اللہ تعالٰی اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔
اما السوال الاول: فقد بان الجواب مع المزید ولا احتیاج الی ان نزید۔	**جواب سوال اول:** مع شے زائد واضح ہولیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔
واما الثانی	**جواب سوال دوم:**
فاقول: نعم تجب فیہ الزکٰوۃ بشروطھا لما علمت انہ مال متقوم بنفسہ ولیس سندا او تذکرۃ للدین حتی لایجب اداؤھا مالم یقبض خمس نصاب ولا حاجۃ فیہ الی نیۃ التجارۃ لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فیہ الزکٰوۃ مادام رائجا بل لا انفکاک لہ عن نیۃ التجارۃ لانہ لا ینتفع بہ الا بالمبادلۃ کما لایخفی فی فتاوٰی قاری الھدایۃ الفتوی علی وجوب الزکٰوۃ فی	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اسلئے کہ فتوی اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوٰی علامہ قاری الہدایۃ میں ہے فتوی اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بھا اذا بلغت ماتساوی مائتی درہم من الفضۃ او عشرین مثقالا من الذہب اھ[1] و النوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسہ او من احد النقدین باعتبار القیمۃ کا موال التجارۃ۔	جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔
واما الثالث	**جواب سوال سوم:**
فاقول: نعم یصح مہر الما علمت اذاکانت قیمتہ وقت العقد سبع مثاقیل من فضۃ فان اقل یتم کما فی العروض۔	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔
واما الرابع	**جواب سوال چہارم:**
فاقول: یجب القطع بشروطہ من تکلیف ونطق وبصر و حرز تام وغیرہا اذا بلغت قیمتہ کلا یومی السرقۃ والقطع عشرۃ دراہم مضروبۃ جیادا وذٰلک کلہ لما بینا انہ مال متقوم بنفسہ۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگا نہ ہو، اندھا نہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کرآئے کہ وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔
واما الخامس	**جواب سوال پنجم:**
فاقول: نعم یضمن باتلاف بمثلہ ولا یجبر المتلف	**فاقول:** (میں کہتا ہوں ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اسے تاوان میں نوٹ

[1] فتاوٰی قارئ الہدایۃ

علی اداء الدراہم خاصۃ لان النوط عددی غیر متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربہ، نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنۃ فربما تختلف القیمۃ وذٰلک ان النوط الہ آباد او الہ آباد و کلکتۃ یروج فی ممالک الھند المشرقیۃ الشمالیۃ اکثر مما یروج نوط بمبئی و بالعکس ربما یشتری نوط مکانٍ فی اخر بنقص عدۃ آنات من رقمہ المکتوب علیہ فلا یعد احدھما مثل الاٰخر الا اذا استویا رواجا۔	ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھتا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہوجاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے وبالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔
واما السادس	**جواب سوال ششم**
فاقول: نعم یجوز نعم کما تعاملہ الناس فی عامۃ البلاد وقد علمت تحقیقہ۔	**فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔
تنبیہ: کنت قنعت فی الجواب بھذا القدر لوضوح الامر بما قررتہ فی الصدر فاذا نہیت الرسالۃ بلغنی عن بعض [عہ] الافاضل انہ حفظہ اللہ تعالٰی قال مذاکرۃ لامجادلۃ ان العلامۃ ابن عابدین ذکر فی رد المحتار تفریعا علی ان من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیہ مالا متقوما انہ لم ینعقد بیع کسرۃ خبز لان ادنی القیمۃ التی تشترط	**تنبیہ:** میں نے جواب میں اسی پر اکتفاء کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہوچکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کرچکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عــــہ: یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس اھ [1] ومعلوم ان ھذا القدر من القرطاس لایساوی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ۔**اقول:** و باللہ التوفیق ھذا قالہ قبل ان یطالع رسالتی ولذلك وددت انہ سلمہ ربہ طالعھا واطلع علی مافیھا والجواب ظاھر بملاحظۃ قولہ لایساوی فلسافبون بیّن بین لا یساوی ولم یکن یساوی لانہ الاٰن یساوی مائۃ و الفا وا لنظر للحال لا للاصل الا تری ان بیع اوانی الخزف والطین کبارھا وصغارھا من الحب والجفنۃ الی نحو رأس الشیشۃ شائع ذائع بین عامۃ المسلمین ولم ینکرہ احد مع ان اصلہ تراب والتراب لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت مسألۃ الفلس المتمسك بھا علی نفسھا بالنقص لما علمت ان قطعۃ نحاس بوزن فلس لا تساوی فلسا قط بل لا تبلغ نصفہ ایضا، و لذا اولعت المجازفون باصطناع قوالب کقالب دار الضرب	ہونا شرط ہے **انتھی**،اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں،حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار،**اقول:وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے)ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی،کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے گولی اور رکونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج ومعروف ہے اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور اسلئے بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

يذيبون النحاس ويقلبونه فيها فيصير فلو سا و يربحون به ضعف ماخسروا ويقولون انه انفع من ضرب الربابي فبا لنظر للاصل لايساوی الفلس نفسه فلسافلایکون مالامتقوما فکیف یکون قیمة وثمنا ومن تأمل حدیث ورقة علم الذی قدمنا علم ان الشیئ انما ینظر الیه بما هو علیه الاٰن لابما قد کان الاتری ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الی انه فی الاصل من الذین قال الله تعالٰی فیهم "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا" [1] وما ذٰلك الا لانه بحدوث وصف فیه صار متقوما عند الله و عندالناس بعد ان لم یکن و کذٰلك ورقة العلم لما تجدد فیها من کتابة ذٰلك العلم و کذٰلك النوط لما حدث فیه بذاك الرقم و الطبع ما استجلب الرغبات الیه للنفع وصار یمیل الیه الطبع ویجری فیه البذل والمنع ولا قیمة للایراد بانه لایمشی فی کل البلاد فان هذالیس من لوازم المالیة عنداحد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اُس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالت گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہوگیا جس کے سبب خالق و خلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہو گئی جو پہلے نہ تھی ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة الاترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ھٰهنا لا تروج فی الهند اصلا وكذٰلك لاتمشی فلوس الهند هنا بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا يمنع المشی ولا يوجب الكساد بل قد اصطرفت انا فی ذی الحجة هذا بهذا البلد الامين نوطا افرنجيا معلما برقم خمسمائة ربية بثلثة وثلثين جنيها و خمس ربابی وهذا ثمنه سواء بسواء فالجنيهات بار بعمائة وخمس و تسعين وهی مع الخمس خمسمائة(ربية)وقد قال فی الكفاية اوائل باب البيع الفاسد ان صفة المالية للشیئ بتمول كل الناس او بتمول البعض [1] اياه اھ ومثله فی فتح القدير، وفی ردالمحتار عن البحر الرائق عن الكشف الكبير المال مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم [2] اھ فتبين ان الفرع المذكور المتمسك به لا مساس له بما نحن فيه ولكن العبد الضعيف	نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اورہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہے ہند میں اصلاً نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظّمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ البحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھار کھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بنائیں انتہی، توظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

یحب ان یکشف الحجاب عن حالہ ایضا کیلا یغتر بہ فی محل اٰخر مع مافیہ من تحجیر ماوسعہ الشرع المطہر، **فاقول**: وبہ استعین اصل الفرع للقنیۃ فرد المحتار نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنہا وتبعہ تلمیذہ العلامۃ الغزی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلو اصلہ اغنی الغرر والدرر عنہ وقد ردہ شارحہ العلامۃ العلائی الی القنیۃ بل اعترف بہ المصنف نفسہ فی شرحہ منح الغفار فقال بعد ایرادہ متنا نقلہ فی القنیۃ ایضا اھ[1] ای کما نقل المسألۃ قبلہ فیہا وھی صح بیع خرء حمام کثیر وھبتہ، والقنیۃ مشہورۃ بضعف الروایۃ وصرحوا انہا اذاخالفت المشاہیر لم تقبل بل قد نصوا انہا اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم یعضدھا نقل معتمد من غیرھا والعبرۃ بالمنقول عنہ لا بالناقل وبکثرۃ

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس دقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا، **اقول**: وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے رد المحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلے مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع وہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

[1] منح الغفار شرح الدرالمختار

النقول لاتندفع الغرابة اذالم یکن مستند هم الاواحدا کما بینت کل ذلك فی کتابی فی اٰداب المفتی سیبتہ فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم فی الظهیریة استحباب القیام بعد سجود التلاوة مثل ماقبله ونقله مافی التتارخانیة والغنیة والمضمرات وعنها فی البحر و مشی علیه فی الدر وغیره ومع ذٰلك حکم فی البحرانه غریب قال الشامی وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا عزه من بعده الیها فقط اھ [1] وانت تعلم ان فرع القنیة لم یرزق من النقول هذا القدر ایضا ولا القنیة کالظهیریة فانی تغرب عنه الغرابة ویالیته لم یکن الاغریبا فیکون کالشاذلکنه کالمنکر لان کلتا الخالفتین نقد وقته مخالفة المشاهیر ومخالفة قواعد الشرع المنیر. اما الاولی فلقد کان ناهیك فیها قول الفتح والشرنبلالی والطحطاوی ورد المحتار وغیرها من معتمدات الاسفار لو باع کاغذة بالف یجوز [2] وجزاهم الله الحسنی وزیادة	کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوئی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جوآداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا،اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدہ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔علامہ شامی نے فرمایا:اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اس کی طرف اسے نسبت کیا انتہی،اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلے مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالٰی انہیں بھلائی اور اس سے زیادہ

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ١/ ٥١٥

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٣٢٤

علٰی زیادۃ تاء الوحدۃ فی کاغذۃ لکن ھھنا شیئ اٰخر اجل واکبر لایرد ولا یرام ولا یمس غبارہ الاوھام وھو اجماع ائمتنا جمیعا فی الروایات الظاہرۃ عنھم و اطباق متون المذہب و شروحہ و فتاواہ علی جواز بیع تمرۃ بتمرتین و جوزۃ بجوزتین، وزادفی الفتح و الدر ابرۃ بابرتین [1] وکل احد یعلم ان لیس شیئ منھا یسوی فلسا ففی بلادنا تکون عدۃ صالحۃ من التمر بفلس وھو ھٰھنا ارخص وکذٰلك الجوز وھو ارخص فی بلادنا وثمہ تجد الابر بفلس من ثمان الی خمس وعشرین فھذہ مخالفۃ بینۃ لجمیع المشاھیر بل لنصوص جمیع ائمۃ المذہب والمحقق حیث اطلق و ان رجح روایۃ المعلی عن محمد بکراھۃ تمرۃ بتمرتین لکنہ لاجل التفاضل لالان تمرۃ لایساوی فلسا فلو باع تمرۃ من

جزادے کہ انہوں نے کاغذ میں تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے نہایت جلیل و عظیم کہ نہ رد ہوسکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھاسکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جوان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارہ دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں ملتی ہیں تو اس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلٰی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک زیادتی کے سبب سے ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[1] درمختار باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

البرنی بتمرۃ من الجنیب مثلا لم تمسہ روایۃ المعلی ولا ترجیح المحقق ثم الروایۃ ایضاً لا تقول الا بالکراھۃ فاین البطلان و عدم الانعقاد الذی کنتم تدعون، و اما الثانیۃ **فاقول**: اکثر تعیش الفقراء فی مملکۃ الھند علی کبرھا واتساعھا(فان عمارتھا عرضا من ثمان درج شمالیۃ عن خط الاستواء الی خمس وثلثین درجۃ وطولا من ست و ستین درجۃ شرقیۃ عن قرینص الی اثنتین و تسعین درجۃ) انما ھو بالمبایعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغیرہا فرب فقیر یشتری لادامہ شیئا من البقول بنصف فلس ویصب فیہ دھن الشیرج بنصف فلس والتوابل الثلث جمیعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وکذالملح بربع فلس فیتھیؤلہ الادام فی فلسین الا ربعا ویأکلہ غداء وعشاء، و یشتری لسراجہ الدہن بنصف فلس یکفیہ من المساء الی قریب نصف اللیل وقربۃ کبیرۃ من الماء العذب بنصف فلس وقد کانت قبیل ھذا بثلث فلس وتجدعلبۃ الکبریت بنصف فلس ویشتری لعیالہ من الذفواکہ

نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارہ قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تو اس سے نہ روایت معلّٰی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعوی تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول**: (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے، اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہوجاتی ہے اور اسے صبح وشام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

الهند المشهورة عندا لعرب باسم العنب بفتح العين وسكون النون وبالفارسية انبة وبالهندية اٰم جملة كثيرة بنصف فلس وكذامن الجامون ومن التمر الهندى بربع فلس، وان كان متعودا بالتامول والتتن فيكفيه ليوم بلية الوق بنصف فلس والفوفل والكات والتنباك الماكول كل بربع ربع فتنقضى حاجة يومه فى فلس وربع وان كان يشرب الدخان فيكفيه التتن بنصف فلس وامثال ذٰلك اشياء كثيرة تباع باجزاء الفلس حتى الثمن ونصف الثمن ولو لا ذٰلك لضاق الامور وثقل على اخفاء ذات اليد بحيث لا يطيقون ولو ابطلنا تلك البياعات الشائعة فى الاٰلف مولفة من المسلمين والزمنا هم ان لايشتروا شيئا باقل من فلس قط مع ان حاجاتهم تندفع بالربع وبالثمن لكان هذا من وضع الاصر عليهم وما جاءت هذه الشريعة السمحة السهلة الغراء الا برفعه، وربما لايجدون هذا القدر من الفلوس فان الادام الذى كان تهيأفى فلس واحد وثلثة ارباع فلس الا ان لايتأتى الافى ثمانية فلوس والتامول التام فى فلس و ربع لايتم الافى اربعة فلوس وقس عليه فاذا لم يجد لادامه الافلسين والزمتموه بثمانية	مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین وسکون نون) کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم، بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا نہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم باطل کردیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم وآسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انہیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا اب دوآنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا، اور پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم اس پر دوآنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا تأمرون ایکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحہ و یسیغہ و یعین علی ھضمہ، والمعتادون بالادام وھم الناس کلھم او جلھم لو اکتفوا بھذا لم یلائمھم واورث اسقاما فیھم فان ترك العادۃ عداوۃ مستفادۃ ام یتکفف و التکفف ذل وحرام ام یغصب وفی الغصب اشد الغضب و الانتقام ام یؤمر البیاعون والبقالون و السقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا لانھا لا تساوی فلسا وما لا یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ لہ فھم کیف یرضون بھذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علٰی فقیر، فلیعطو اکلا حوائجہ فتذہب متاجرھم بلا شیئ فاذن لا سبیل الافتح باب البیع وقد فتحہ القراٰن بقولہ تعالٰی مطلقًا "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1]، وقولہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ"[2]، و	آٹا پھانکے یا جو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنہیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں اور اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے، اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالٰی نے بیع"، اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا"، اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ماکان شرع البیع الادفع تلك الشنائع ففی تحجیرہ وقد وسعه الله اعادۃ لها وعود علی مقصود الشرع بالنقض۔قال المحقق فی الفتح لولم یشرع البیع سببا للتملیك فی البدلین لاحتاج ان یؤخذعلی التغالب والمقاهرۃ او السؤال و الشحاذۃ او یصبر حتی یموت وفی کل منها مالایخفی من الفساد وفی الثانی من الذل والصغار ما لایقدر علیه کل احد ویزری بصاحبه فکان فی شرعیته بقاء المکلفین المحتاجین و دفع حاجاتهم علی النظام الحسن اھ [1] ومعلوم ان الشرع لم یحد فی ھذا حدا انما احل البیع وھو مبادلة مال بمال الخ والمال کما مر مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخارہ لو قت الحاجة وھذاصادق قطعا علی ماقصصنا ممایساوی نصف فلس وربعه فایجاب ان لایکون الابفلس لایکون الاتحکما و زیادۃ فی الشرع فکیف یقبل ثم لعل لقائل ان یقول لم یات الشرع بتقدیر الفلس وھو مختلف باختلاف الزمان والمکان	بیع کا مشروع کرنا انہیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالٰی اسے واسع فرماچکا ہے انہیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عون کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بناکر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی، اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزرچکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھار کھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقینًا ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو، پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

ولا سبیل الی اعتبار کل فی محلة لماتقدم ان المالیة تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیه حرج والحرج مدفوع بالنص فافهم وقال فی الکفایة اول البیع الفاسد قد تثبت صفة التقوم بدون المالیة فان حبة من الحنطة لیست بمال حتی لایصح بیعها وان ابیح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول الناس ایاہ اھ[1] ومثله فی الکشف الکبیر والبحر الرائق وردالمحتار وقال فی الفتح مکان حبة حبات ولم نر احدا منهم ذکر ان ما دون مایساوی فلسا لیس بمال وکان مبنی الفرع علی انه لم یکن فی زمنه ثمن دون الفلس او لم یجدہ فی تقدیرات الشرع فحکم بان مادونه لیس بشیئ کما حکم فی الاسرار بان مادون الحبة من الذهب والفضة لاقیمة له[2] کما نقل عنها فی الفتح لانهم لم یعرفوا

بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فافھم اور بیشک کفایہ کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعًا جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتھی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ا یک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگادیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۳

[2] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۳۔ ۱۸۲

لها مقدارا دون الحبة وقد عرفت فی دیارنا الی ثمن حبة وقیمة ذهب یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان فلسان ای نحو هللة واحدة ههنا وهو لا شك مال متقوم فکیف بما فوقه مما یساوی ربع حبة وکما حکم کثیرون بان مادون نصف صاع خارج عن المعیار فیجوز فیه التفاضل مع اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة حفنة بحفنتین وقدرده المحقق فی الفتح قائلا لا یسکن الخاطر الی هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد الی صیانة اموال الناس تحریم التفاحة بالتفاحتین والحفنة بالحفنتین اما ان کانت مکاییل اصغر منها کما فی دیارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصری فلا شك وکون الشرع لم یقدر بعض المقدرات الشرعیة فی الواجبات المالیة کالکفارات وصدقة الفطر باقل منه لا یستلزم اهدار التفاوت المتیقّن[1] الخ واقره فی البحر والنهر	کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ھللہ کے قریب وہ بلا شبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں اندازے سے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقینا معلوم ہے بے اثر کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

[1] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۳۔۱۵۲

والشرنبلالیة والدر والحواشی وغیرہا وھو حسن وجیه کذٰلك نقول ھٰھنا یجب بعد تعریف المال بمامر ان یکون کل ماذکرنا ممالایساوی فلسا مالا متقوما اما ان کانت اثمان اصغر من فلس کما فی دیارنا من وضع ربع الفلس وثمن الفلس فلا شك، وکون الشرع لم یذکر مادون فلس لایستلزم اھدار المالیة المتیقنة، فھذاما عندی والعلم بالحق عند ربی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور شرنبلالیہ اور در مختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقینا معلوم ہے باطل کردی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔
واما السابع	**جواب سوال ہفتم**
فاقول: قد اٰذناك انه ثمن اصطلاحی فاستبداله بالثوب لایکون مقایضة بل بیعا مطلقًا ولا یتعین النوط بل یلزم فی الذمة کالفلوس۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتاچکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسہ کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔
واما الثامن	**جواب سوال ہشتم**
فاقول: نعم یجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا یقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل کل دین لایقضی الا بمثله الا ان یتراضیا۔	**فاقول:** (پس میں کہتاہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزرچکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

جواب سوال نہم	واما التاسع
فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدانہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کی قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیساکہ اسکی یہ تعریف بحر ودر وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر	**فاقول:** نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین و تحقیق ذٰلك ان بیع النوط بالدراہم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیة بما خلق لها[1] کما فسرہ بہ البحر والدروغیرہما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلك وانما عرض لها الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض وبعدم کونہ صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونها اثمانا بالرواج لابد من قبض احد الجانبین و الاحرم لنهیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ والمسئلة منصوص علیها فی مبسوط الامام محمد واعتمدہ فی المحیط عــہ والحاوی والبزازیة والبحر والنهر

عــــہ: ای محیط الامام السرخسی انتهی منه۔

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرہا وھو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه. ففی الهندیة عن المبسوط اذااشتری الرجل فلو سا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جائز اھ [1] وفیها عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس اھ [2] وفیها عن محیط السرخسی نحوہ وفیها عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراھم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لاغیر لایجوز سواء کان العقد صرفا اولم یکن بیانه فیما اذاکان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس اوالطعام بدراہم وتفرقا	اور فتاوٰی حانوتی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر ان سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہوجائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ یہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہو صرف ایک طرف کا حکمًا ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۶-۲۲۵

قبل نقد الدراہم کان العقد باطلا وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه غافلون اھ [1] وفیھا عنھا اعطی رجلا درہما وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه درہما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدرہم الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی حصة الدرہم وان لم یکن دفع الدرہم الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل [2] اھ وفیھا عنھا اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا ثم وجد فیھا فلسا لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورة اذاکانت الفلوس ثمن متاع لایبطل العقد سواء کان المردود قلیلا ا وکثیر االاستبدل او لم یستبدل وان کانت الفلوس ثمن الدراہم مقبوضة فرد الذی لاینفق و استبدل اولم یستبدل فالعقد باق علی الصحة وکذ لك لو وجد الکل فی ھذہ الصورة لاینفق وردھا و استبدل ویستبدل فالعقد باق علی الصحة وان لم تکن الدراہم مقبوضة ان وجد کل

سے پہلے جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی، اس مسئلہ کا یادرکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی، اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ، اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں، اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہو چکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی، اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

الفلوس لاینفق فردھا بطل العقد فی قول ابی حنیفۃ استبدل فی مجلس الرداو لم یستبدل،وقالا ان استبدل فی مجلس الرد فھو صحیح علی حالہ وان لم یستبدل انتقض وان کان البعض لا ینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض العقد بقدرہ لکن اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل فی مجلس الرد ان لا ینقض العقد اصلا واختلفت الروایات عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایۃ اذا زاد علی النصف فکثیر وما دونہ قلیل وفی روایۃ النصف کثیر وفی روایۃ اذ زاد علی الثلث [1]اھ کلھا ملخصًا، وانما اکثر نا النقول عن الذخیرۃ لانہ سیاتی عنھا نقل خلاف فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر منك انہ جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراہم فی غیر موضع بالجواز ولم یلم ھٰھنا بذکر خلاف اصلا،وفی تنویر الابصار والدرالمختار باع فلوسا بمثلھا او بدراہم و بدنانیر	کھوٹے پائے اور واپس دئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہوجائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحسانًا فرماتے ہیں کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلًا نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں،ایک روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل،اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے،اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصًا۔اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلًا کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور تنویر الابصار و ردالمحتار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵۔۲۲۶

فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز اھ [1]۔ وبالجملة فالمسئلة ظاہرۃ والنقول متوافرۃ وان خالفھا العلامة قاری الھدایة فی فتاواہ فشرط التقابض وحرم النسئة وھذا نصھا (سئل) ھل یجوز بیع مثقال من الذہب بقنطار من الفلوس نسئة ام لا (اجاب) لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذہب او فضة لان علماء نا نصوا علٰی انہ لایجوز اسلام موزون فی موزون الا اذاکان الموزون المسلم فیہ مبیعا کزعفران او غیرہ والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا [2] اھ وردہ العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذہب بالفلوس نسئة فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احدالبدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ مالو باع فضة او ذہبا بفلوس	قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتھی، الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاریُ الہدایہ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر یعنی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی، اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا، جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے، پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاری الھدایہ کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

كما فی البحر عن المحيط قال فلا يغتر بما فی فتاوٰی قاری الهداية [1] اھ واجاب عنه فی النهر بان مراده بالبيع السلم والفلوس لها شبه بالثمن ولا يصح السلم فی الاثمان ومن حيث انها عروض فی الاصل اكتفی بالقبض من احد الجانبين [2] ۔**اقول**:وهذا هو المستفاد من تعليله بان علمائنا نصوا علی انه لا يجوز اسلام موزون فی موزون الخ لكن لم يقنع به العلامة ابن عابدين فی ردالمحتار واجاب بحمل مافی فتاوٰی قاری الهداية علی مادل عليه كلام الجامع الصغير من اشتراط التقابض من الجانبين قال فلا يعترض عليه بما فی البزازية المحمول علی مافی الاصل [3] يعنی المبسوط،و نقل قبيله عن البحر عن الذخيرة ان محمد اذكر مسئلة بيع فلس بفلسين باعيا نهما فی صرف الاصل ولم يشترط التقابض و ذكر فی الجامع مايدل علی انه

جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوٰی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی،اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔**اقول**:(میں کہتا ہوں)یہی ان کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الحانوتی کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴
[2] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴
[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

شرط فمنهم من لم يصحح الثانی لان التقابض مع التعيين شرط فی الصرف وليس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حكم العروض من وجه وحكم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی [1] اھ **اقول**:وبالله التوفيق ماجنح اليه الشامی تبعاً للبحر تبعاً للذخيرة من دلالة كلام الجامع الصغير علی اشتراط التقابض فللعبد الضعيف فيه تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصه هكذا محمد عن يعقوب عن ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل من الية او باع رطلين من لحم برطل من شحم البطن او بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين يدابيدبا عيانها يجوز وهو قول ابی يوسف رحمه الله تعالٰی وقال محمد رحمة الله تعالٰی عليه لايجوز فلس بفلسين ويجوز تمرة بتمرتين [2] اھ۔	شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی،**اقول**:وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابویوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم،ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یادو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۴

[2] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

کلامه الشریف قدس سره المنیف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰی یدا بید لکن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمهم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث المعروف بالعینیة کما قال فی الهدایة ومعنی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یدا بید عینا بعین کذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه [1] اه کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواه ممایجری فیه الربا فانما یعتبر فیه التعیین کما فی الهدایة [2] وغیرها۔ وقال فی التنویر المعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف بلا شرط تقابض [3] قال فی الدر حتی لو باع بُرّا ببر بعینهما وتفرقا قبل القبض جاز اه [4] فان	کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہو جائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳۔ ۸۲
[2] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۲
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱
[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

حمل قوله هذا فی العبارة التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذٰلك فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین وبیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین عند من یقول ان القید راجع للمسائل جمیعا کالنهر والدر وغیرهما [1] فان المسائل کلها مسوقة سیاقا واحدا لاسیما فی عبارة الجامع فان القید مذکور فیه بعد تمرة بتمرتین وانما ذکر فلسا بفلسین قبله، وهذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله علی اشتراط التعیین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیرا لقوله یدا بید والا لکان حشوا مستغنی عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فیه التعین وازید فذکره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدین صاحب الهدایة رحمه الله تعالٰی هذه المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدر العینی فی البنایة) یجوز بیع البیضة	اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کردیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا انکے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصًا عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربوٰ المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳/ ۱۵۴

بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانہما [1] اھ۔فظھر ظھور الشمس فی رابعۃ النھار ان لیس فی الجامع دلیل علی مافھم ھٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظھر وازھر لایرد ولا یرام ولا حجۃ فی المحتمل بخلاف عبارۃ الاصل فانھا نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیہ فلیکن التعویل والتوفیق باللہ الملک الجلیل۔ثم لا یخفی علیك ان ھذا کلہ کان مما شاۃ منامع العلامۃ الشامی والمقصود ابانۃ مفادا لجامع والا فالحق ان فتوی العلامۃ سراج الدین مابھا حاجۃ الی حمل کلام الجامع علٰی اشتراط التقابض ولا عــہ۱ ھو مدعاہ ولا عــہ۲ علیہ توقف لما ادعاہ فانہ	دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی،تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو نہ اس کی طرف کوئی برا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے،اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے،پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ ان کا مدعی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوی موقوف

عــہ۱: لانہ سلمہ سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منہ۔

عــہ۲:لان السلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشرط فیہ التقابض کثمن فی ثمن اولا کمبیع فی ثمن اھ منہ۔

عــہ۱:کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲منہ۔

عــہ۲:کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲منہ۔

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

انما حرم النسیئۃ وحرمتھا لاتوجب [عــہ۱] عینیۃ الجانبین ایضا فضلا عن التقابض الاتری ان بیع ثوب بدرھم حالا لیس بنسیئۃ ولا فیہ العینیتان نعم ایجاب العینیۃ من الجانبین یوجب تحریم النسیئۃ لان التاجیل للترفیۃ فی التحصیل والعین متحصلۃ بالفعل فلو استدل لہ بعبارۃ الجامع علی ھذ االوجہ لکان [عــہ۲] لہ وجہ وسلم من الاعتراض المذکور،واذن **اقول**:وباللہ التوفیق لایخفی علیك ان اشتراط العینیۃ من الجانبین فی الربویات وھی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیہ فی سلم الفتح وغیرہ حیث قال انما یمنع ذٰلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسھا والمعدودلیس منھا اھ[1] کما قال فی البحر تحت	کہ وہ تو ادھار کو حرام بتارہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شیئ کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے، تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی ہے۔ اور اب **میں کہتا ہوں** اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

عــہ۱: وانما کانت توجب لو کان انتفاء النسئۃ مستلزما لوجود العینین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور اھ منہ۔ عــہ۲:لکونہ دلیلا علی الحکم الذی افتی	عــہ۱: واجب توجب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ۔ عــہ۲: کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انہوں نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعد مهما"ای الفضل والنسأ عند انعدام القدر و الجنس فیجوز بیع ثوب هروی بمر وییین نسیئةً والجوز بالبیض نسیئة [1]،و قال تحت قوله "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"	جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحرالرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفیة دون السلمیه و من هذاالباب مافی الهندیة عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکرالقرض من المقرض بمائة وانه یجوز اذا شری مافی ذمته و نقد الثمن فی المجلس والالا لافتراقهما عن دین بدین ثم قال کذٰلك الجواب فی کل مکیل و موزون غیر الدراهم والفلوس اذاکان قرضا [2] اھ۔فجعل الفلوس مالا یجوز شراؤہ دینا فی الذمة بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ماقدمنا عن الهندیة

فتوٰی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ کہ سلم کی جہت سے،اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے ولہٰذا جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سوروپے کو مول لے اور یہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے(نہ بعینہٖ وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے)اور قیمت اسی جلسے میں ادا کردی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہوگئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہ حکم ہے سوائے روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی،تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرف انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں توان کاخریدنا ناجائز ہے۔(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربوٰا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۹/۶

[2] فتاوٰی ہندیة الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲۰۵/۳

بیانه ماذکره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاهما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یکون کلاهما عینا اضیف الیه العقد وهو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی مبلکه [1] الخ وانما عللوا وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما امسك البائع الفلس المعین وطالبه بفلس اٰخر او سلم الفلس المعین وقبضه بعینه منه مع فلس اٰخر لاستحقاقه فلسین فی	کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کاوہ ہے جوامام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیا ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن الذخیرة ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضًا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدهما حقیقةً جاز و مثله فی ردالمحتار عن الوجیز وبالجملة جعله صرفا صرفا له عما نص علیه عامة الاصحاب فی غیر ما کتاب، واللہ تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہوجائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کرچکے کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکمًا مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہوجائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۳۰

ذمته فیرجع الیه عین ماله و یبقی الفلس الاُخر خالیا عن العوض وکذا لوباع فلسین باعیانهما بفلس بغیر عینه قبض المشتری الفلسین و دفع الیه احدهما مکان ما استوجب علیه فیبقی الاُخر فضلا بلا عوض استحق بعقد البیع کما فی الفتح[1] و نحوہ فی العنایة وغیرہا وهذہ العلة لا جریان لها فی الدراهم بالفلوس نسیئة کما لایخفی فضلا من النوط بالدراہم فعبارة قارئ الهدایة احسن محمل لها ماذکر فی النهر ویکون اذن مبنیا علی روایة نادرة عن محمد رحمة الله تعالٰی علیه کما سیأتی و ان لم یسلم فهی فتوی من دون سند ولاتعلم عـــه له سلفا فیها وهو لم یستند لنقل	کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہٖ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انہیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہوسکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عـــه: ای بالوجه الذی ذکر وان صرف الی الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اھ منه۔

یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیرو تو تمہیں معلوم ہوچکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وماتجشم له الشامی فقد علمت حاله فکیف یعارض به ماتطابقت علیه کلمات اولئك الاجلة الکرام الذین قصصتهم علیك وامامهم فیها نص محمد فی الاصل فهو القول۔ **ثم اقول:** علاان ما ذکر العلامة قاری الهدایة ذهولین صریحین عن مسائل المذهب [1]ذهول عما نص علیه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنیة الی العددیة و [2]ذهول عما نصّوا لبیه ان ثمنیتها تبطل باصطلاح العاقدین وان بطلانها لایبطل الاصطلاح علی العددیة، وکل ذٰلك منصوص علیه فی الهدایة وغیره وهذا نصها ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعیین ولا یعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العدّ [1] اھ وسنلقی علیك ان محمدا ایضا سلم فی السلم بطلان الثمنیة وانما انکرہ فی البیع لعدم الدلیل

اور وہ جو انکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اس کا حال معلوم ہوچکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم کا جس پر ان اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل مذہب سے صاف دو [2] ذہول ہیں [1] ایک ذہول تو اس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے، اور [2] دوسرا ذہول اس سے جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع ومشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع ومشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمہیں

[1] الهدایه کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

فھو مجمع علیہ بین ائمتنا فاذن اسلام احد النقدین فی الفلوس لیس سلما فی ثمن ولا اسلام موزون فی موزون بلا موزون فی عددی متقارب مثمن ولا باس بہ باجماع علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی، وبالجملۃ فالعبد الضعیف لایعلم لھذہ الفتوی وجہ صحۃ اصلا تأمل لعل لکلامہ وجھا لست احصلہ بفھمی السخیف ولعلی انا الاولٰی بالخطأ من ھذا العلامۃ العریف رحمہ اللہ تعالٰی، **ثم اقول**: ولئن سلمنا فلنا ان نقول ماذکر انما یتمشی فی الفلوس اما النوط فلیس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم یشملھا المعیار کحفنۃ من حب وذرۃ من ذھب فمسئلتنا ھذہ سالمۃ عن الخلاف علی کل حال و الحمد للہ ذی الجلال ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندہ ضعیف اس فتوٰی کے لئے اصلاً کوئی وجہ صحت نہیں جانتا، تأمل کر، شائد ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھتا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔ **ثم اقول**: (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار انہیں شامل نہ ہوئی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر

فاقول: نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لایجوز فانہ ثمن و لاسلم فی الاثمان کما تقدم عن النھر والتحقیق ان ھذا انما یبتنی علی روایۃ نادرۃ عن محمد والا فالمنصوص علیہ فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیۃ وھی النقدان لا غیر لعدم قدرۃ العاقدین علی ابطال ثمنیتھما بخلاف الاثمان الاصطلاحیۃ قال فی التنویر و الدر(یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفتہ) کجودتہ و ردائتہ(ومعرفۃ قدرہ کمکیل و موزون و) خرج بقولہ(مثمن)الدراہم و الدنانیر لانھما اثمان فلم یجز فیھا السلم خلافا لمالک (وعددی متقارب کجوز و بیض وفلس [1] الخ۔قال ابن عابدین قولہ وفلس الاولٰی وفلوس لانہ مفرد لا اسم جنس، قیل

جواب سوال دہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا،اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس،اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور در مختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہوسکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز،اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ۔علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولٰی یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے،اسم جنس نہیں،

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاہر الروایة عنه کقولها وبیان الفرق فی النهر وغیرہ اھ [1] فکان النهر انما ابداہ تاویلا لفتوٰی قاری الهدایة حتی یحصل له مستند ولو فی النوادر ولم یرد به تعویلا علیه، وفی الهدایة وکذا فی الفلوس عددا وقیل هذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی وعند محمد لا یجوز لانها اثمان ولهما ان الثمنیة فی حقهما باصطلاحهما فتبطل باصطلاحهما [2]۔قال فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا هکذا ذکرہ محمد رحمه الله تعالٰی فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان هذا ظاہر الروایة عنه وقیل بل هذا قول ابی حنیفة وابی یوسف اما عندہ فلا یجوز بدلیل منعه ببیع الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانها اثمان واذا کانت اثمانا لم یجز السلم فیها لکن ظاہر الروایة

بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابویوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوٰی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہوجائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہا، اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کرکے، اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہوجائے گا، فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے، اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا، تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی، اور بعض نے کہا یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۳

[2] الهدایه کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۴

عنه الجواز و الفرق له بين البيع و السلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدما على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على الثمنية ويصح السلم فيها على الوجه الذى يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز وروده على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن الثمنية فلايجوز التفاضل فامتنع بيع الفلس بالفلسين [1] اھ **اقول**:لكن فى الفرق نظر فان محمدا لايقول بخروجها عن الثمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال فى الهداية يجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالٰى وقال محمد رحمه الله تعالٰى لايجوز لان الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقيت اثمانا لا تتعين فصار كما اذا كانا بغير اعيانهما وكبيع الدرهم بالدرهمين ولهما ان الثمنية فى حقهما تثبت باصطلاحهما [2] الٰى	امام محمد سے بھی جواز ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انہوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمنًا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم وامام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹-۲۰۸

[2] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

اخر ماتقدم و قد اقرہ المحقق فی الفتح وقررہ علی ھذا النھج فکیف یقول محمد ھھنا ان اقدامھما علی السلم ابطال منھما لاصطلاح الثمنیۃ الاان یقال ان ھذا رجوع عن التعلیل الاول ولم یکن عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ وظھر الاٰن بھذاالفرق ان الوجہ لمحمد لم یکن ذٰلك بل ھو ایضا قائل بان لھما ابطال الاصطلاح فی حقھما ولکن اذا ثبت ھذا عنھما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فیہ لایکون ثمنا قط فاقدامھما علی جعلھا مسلما فیھا دلیل علی الابطال ولم یثبت فی البیع اذلیس من ضرورتہ ان لایکون المبیع ثمنا فلم یثبت منھما ابطال البیوع وھذا التقریر علی ھذاالوجہ ربما یمیل الی ترجیح قول محمد فی البیع فافھم عہ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہوجائے گا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہوجائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہوسکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی، اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو، واللہ تعالٰی اعلم۔

عہ: یشیر الی الجواب بان الحاجۃ الی

یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح (باقی برصفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر **فاقول:** نعم یجوز بیعه بازید من رقمه بانقص منه کیفما تراضیا لما علمت ان تقدیر ها بهذا المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وهما لاولایة للغیر علیهما کما تقدم عن الهدایة والفتح فلهما ان یقدرا بما شاءا من نقص وزیادة وقد تم الجواب بهذا القدر عند کل من له سلامة الفکر وقد افتیت به مرارا و افتی علیه ناس من کبار علماء الهند کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمه الله تعالٰی	**جواب سوال یازدہم** **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا اور میں نے بارہا اس پر فتوٰی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوٰی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینا رین بدرهمین ودینار یحمل علی الجواز صرف للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اھ منه۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کی خود ذات عقد کی طرف سے ناشئ ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورت جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیھا الارجل عــــہ من لکنؤ ممن یعد من الاعیان ویشار الیه بالبنان ولم اطلع علی خلافه الابعد موته لماطبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعته فی حیاته لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرف عرف واذا عرف انصرف فالاٰن ازیدك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء الله للحق الا القبول والاذعان۔**فاقول اولا:** نص علماؤنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بکیل ا ووزن مع الجنس فان وجداحرم الفضل والنسأ وان عدما حلاوان وجد احدهما حل الفضل و حرم النسأ وھذہ قاعدة غیر منخرمة وعلیھاتدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لااشتراك فی النوط والدراهم فی جنس ولاقدر اما الجنس فلان هذا قرطاس و تلك فضة وما القدر فلان الدراہم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کرلیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے۔ **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) **اولاً:** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عــــہ: یدعی المولوی عبدالحی اللکنوی اھمنه۔

عــــہ: جن کو مولوی عبدالحی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲منہ

موزونة ولا قدر للنوط اصلا لامكيل و لاموزون فيجب ان يحل الفضل والنسأ جميعا فاذن ليس النوط من الاموال الربوية اصلا وسنزيدك تحقيق الامر فی ذٰلك عن قريب ان شاء اللّٰه تعالٰی۔ **وثانيًا:** قال فی ردالمحتار وغيره كلما حرم الفضل حرم النسأ ولا عكس وكلما حل النسأ حل الفضل ولا عكس[1] اھ وقد اقمنا البرهان القاطع فی جواب التاسع علی حل النسأ ههنا فوجب حل الفضل و انتظر مايأتی **وثالثًا:** هذا سيدنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم يقول اذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم[2] رواه مسلم عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه تعالٰی عنه فمن الحاجر بعد اذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم **ورابعًا:** هذه دلائل واضحة لاتخفی حتی علی الصبيان والاٰن اٰتيك بشيئ يكون لك فيه مجال تكلم بحسب عقلك ثم اكشف الحجاب لابانة الصواب، **فاقول:** ارأيتك هل ليس من المعلوم عندك

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ بیشی او رادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے، **ثانیًا:** ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اھ، اور جہاں ادھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اوراس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو____ **ثالثًا:** یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرما رہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، **رابعًا** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوٰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۸۰۔۱۷۹

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵

وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه من الناس بعشرۃ دراہم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذلك عن الشرع المطهر قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قیمته الفا ولا مائة ولا درهما واحدا قط فما ذلك الا لان القیمة والثمن متغایران ولا یجب علیهما التقید بها فیما ثامنا بل لهما ان یقدر الثمن باضعاف القیمة او بجزء من مائة جزء لها،

فان قلت هذا فی السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا **قلت اولا**: فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غیرهما لیس مکرہا لهما فضاع الفرق وضاء الحق **وثانیا**: ان سلمنا انهما

نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا، اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اسکے سوویں حصہ پر، اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا **اولاً**: پھر کیا ہوا تو نے اصطلاحًا کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا **ثانیًا**: ہم نے نہ مانا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

لایقدر ان علی ابطال الثمنیة فمن این لك ان الا ثمان الاصطلاحیة لایمکن التغییر فیھا عن التقدیر المصطلح الاتری ان فلوس ربیة متعینة بتعیین العرف ابدا فکل صبی عاقل یعقل ان ربیة بست عشرة آنة لابخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم ھذا التعیین العرفی وکونھما اثمانا مصطلحة لایحرم علی العاقدین النقص والزیادة قال فی التنویر وشرحه للعلائی من اعطی صیر فیا درھما کبیرا فقال اعطنی به نصف درہم فلوسا ونصفا الاحبة صح ویکون النصف الاحبة بمثله وما بقی بالفلوس [1] اھ ولفظ الھدایة لوقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الاحبة جاز [2] **وثالثًا**: اعل عن الثمن الاصطلاحی ھذان حجر ان ثمنان خلقة ولا یقدر احد علی ابطال ثمنیتھا وقد عقل کل من عقل ان الدینار یساوی ابداعدة دراھم ولا یوجد دینار قط یقوم بدرھم واحد و مع ذلك نص ائمتنا	کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تو نے کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغییر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے، نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے **ثالثًا**: ثمن اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] الھدایة کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

ان بیع دینار بدرھم صحیح لاربا فیه وما ذٰلك الالان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس النوط والربابی مما لایجھله الامجنون قال فی الھدایة والدر وعامة الاسفار الغر صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسه وکذا بیع احد عشر درھما بعشرة دراہم و دینار [1] اھ قال ابن عابدین فتکون العشرة بالعشرة والدرھم بالدینار [2] اھ فاذا صح بیع ربیة بجنیة قیمته بالعرف العام خمس عشرة ربیة ولم یکن ربا فکیف یکون بیع نوط مرقوم علیه رقم عشرة باثنتی عشرة ربیة ربا ما ھذا الا بھت بحت فانقلت ماذکرتم من المسائل وان صح البیع فیھا لکنه مکروہ والمکروہ ممنوع فلا یحل وان صح کذا ھذا قال فی الھدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذھبا بذھب

تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا صحیح ہے اور اس میں اصلًا ربا نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کردی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی، ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے بدلے ہوجائیں گے اور گیارہویں روپے کے بدلے ایک اشرفی انتہی، تو جب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا، یہ تو نرا بہتان ہے، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو، ایسے ہی یہاں ہے۔ ہدایہ میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

[1] الھدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸-۹، الدرالمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۹

واحد هما اقل و مع اقلهما شیئ اٰخر تبلغ قیمته باقی الفضة جاز البیع من غیر کراہیة وان لم تبلغ فمع الکراهة وان لم یکن قیمة کالتراب لایجوز البیع لتحقق الربا اذا الزیادة لایقابلها عوض فیکون ربا اھ[1] واقره فی الفتح والشروح والبحر وردالمحتار وغیرہا ومعلوم ان مطلق الکراهة ینصرف الی کراهة التحریم بل قال عبدالحلیم علی الدرر بعد نقل المسئلة واحالة تفصیلها علی الفتح مانصه "اذا عرفت هذا فما یتداول فی الدولة العثمانیة من بیع قرش واحد بثمانین درهما عثمانیا لم یجز لزیادة القرش ولو کان مع الدراهم نحو فلس جاز مع الکراهة فالواجب علی المحتاط تسویتهما وزنا او یکون قیمة ماکان مع الدراہم قدر قیمة الزیادة حتی یخلص عن عهدة الکراهة[2] اھ فقد صرح

سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ، اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہوچکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش اسی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کو ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی، تو انہوں نے

---

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[2] حاشیة الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فکان فی خلافہ کراھۃ تحریم وکفی بھا للتأثیم، **قلت:** جئت لك بتقریر الاعتراض بمالو ابدیتہ من نصك لعلك لم تقدر علی احسن منہ الاٰن اسمع الجواب بتوفیق الوھاب عزجلالہ **اما اولا:** فلانہ این ذھب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان مالیۃ الذہب وکونہ اعز من اضعاف وزنہ من الفضۃ امر خلقی لامدخل فیہ لفرض احد وتقدیرہ ففی مقابلۃ دینار بدرہم ینقدح رجحان المالیۃ فی کل ذہن بخلاف النوط فان تقدیرہ بعشرۃ مثلا انما ھو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لا یساوی درھما ولو عشرۃ فان نظرت الی الاصل فبیع ماقدر بعشرۃ ایضا رجحان عظیم فی المالیۃ وان نظر الی الاصطلاح فاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نص الھدایۃ والفتح فاذا قدرہ الناس بعشرۃ وما ھو فی اصلہ الا بفلس مثلاً فما المانع لھما ان یقدراہ باثنی عشر فصاعدا اوثمانیۃ فما دونھما فلا مساس لھٰذہ المسألۃ بما نحن فیہ **واما ثانیا:** فلان کلامھم فی مقابلۃ الجنس بالجنس اذفیہ یظھر الفضل الاتری الی قولہ

وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، **میں کہوں گا** کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سن **اولاً:** پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض وقرار داد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع ومشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ وفتح القدیر کا نص سنادیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع ومشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری مبحث سے کوئی علاقہ نہیں، **ثانیاً:** ان کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے تو کیا تونے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل [1] ولم یقل تبایعا فضة بذهب واحدهما اقل مالیة بالسعر المعهود فاذا قوبل الذهب بالذهب المساوی له ظهر الفضل وحینئذ یمیز العقل ان المضاف هل یبلغ مقدار هذاالفضل اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان مختلفان فانی یظهر الفضل، ومتی یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فی العقد، وعلمت ان الخلو فی المعاوضة لا یتحقق الاعند المقابلة بالجنس اھ [2]، وقد قال سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [3]، فهذا اطلاق منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو الشارع والیه المرجع والیه المفزع	جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے، اور یوں نہ فرمایا کہ سونے چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائیگی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں بخلاف اس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہو گی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی، فتح القدیر میں فرمایا: ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہو گیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

[1] الهدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۱

[3] نصب الرایة لاحادیث الهدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبها الریاض ۴/ ۴

فمن حجرہ بعدہ ما سوغہ فیرد علیہ ولا یسمع،

واما ثالثا: فان الکراھۃ فیما اذا لم یبلغ المضموم قیمۃ الفضل انما اثرت عن محمد اما الامام الاعظم والھمام الاقدم وصاحب المذھب الاکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال فی الفتح بعد ذکر المسألۃ قیل لمحمد کیف تجدہ فی قلبك قال مثل الجبل ولم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل صرح فی الایضاح انہ لا باس بہ عند ابی حنیفۃ[1] اھو سیأتی فی مثلہ عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان عدم الکراھۃ ھو مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف معا رضی اللہ تعالٰی عنھما وفی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لو باع الدرہم بالدرہم وفی احدھما فضل من حیث الوزن وفی الاٰخر فلوس جاز ولکن اکرہہ لان الناس یعتادون التعامل بمثل ھذا ویستعملونہ فیما لا یجوز، وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لاباس بہ لانہ

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رد کردیا جائے گا اور مسموع نہ ہوگا، **ثالثا** جس حالت میں کم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ اس میں کچھ کراہت نہیں، فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں اور اس واسطے کہ اسے یوں

---

[1] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

امکن تصحیحه بان یجعل الفضل بازاء الفلوس[1] **وبالجملة** النقل عن الامام فاش مستفیض و معلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه ونحوه وقد فصلناه فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بما لامزید علیه، **واما رابعا** وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة[عـــه] لیست الا کراهة تنزیه

صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے، **بالجملہ** امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل وفتوی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل درآمد مسلمانوں کا اس کے خلاف پر ہو گیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ **رابعًا** اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عـــه: **اقول:** محمد وما ادرٰك ما محمد، محمد سید مسود محرر المذہب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی ہو من کتب ظاہر الروایة اذا کانت ہذه الدراہم صنوفا مختلفة منہا ما ثلثاہا فضة ومنہا ما ثلثاہا صفر و منہا نصفہا فضة فلا باس ببیع احدہا بالاٰخر متفاضلا یدا بید بصرف فضة ہذا الی صفر ذٰلك وبالعکس کما لو باع صفرا و فضة بصفر وفضة ولا یجوز نسیئة لانه یجمعہما الوزن وہما ثمنان فیحرم النسأ واما اذا باع جنسا منہا بذٰلك الجنس متفاضلا

اقول: (میں کہتا ہوں) محمد، اور تو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں، سردار کئے گئے، مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے، وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے ہیں کہ جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دیں گے اور اسکی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی، پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں ادھار بیچنا روانہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو ادھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۱

ولا تغتر بالاطلاق فانهم ربما یطلقون	مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضة غالبة لایجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضة فلا یجوز الامثل بمثل ولو الصفر غالبا اوکانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه و یشترط کونه ید ابید [1] نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرة وقال وعلی هذا قالو اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحد باثنین یجوز یدا بید اه [2]۔ **اقول:** واباحة التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائة وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاه صفر فی الوزن ثلثة ارباع ما نصفه فضة فیکون ثلثا ذاك و نصف هذا مساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاك بعشرة الٰاف من هذا یدا بید ولا بد من

اسی قسم کے روپوں سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیانہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوٰی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتہی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] الجامع الکبیر

[2] فتاوٰی ذخیرۃ کتاب البیوع فصل ششم

ویریدون به ماھو اعم من التنزیه والتحریم وربما یطلقون ولا یریدون به الا کراھة تنزیه کما لایخفی من عاشر نفائس عرائس کلما تھم، وقد نصوا علیه فی غیر موضع قال فی ردالمحتار قبیل باب الشھید ماذکرہ غیرہ (ای غیر الامام الطحطاوی) من کراھة الوطء والقعود ای علی القبور الخ یرادبه کراھة التنزیه[عــه] فی غیر قضاء الحاجة وغایة	مطلق چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے الخ قضائے حاجت کے سوااور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہ مراد ہےاور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافه فکانت عشرة اٰلاف من الفضة بواحد من الصفر وای ارباء فی المالیة ترید اکثر من ھذا وھذا محرر المذھب محمد ناصا علی انه لاباس فوجب ان لاتکون الکراھة ان کانت الا کراھة تنزیه ولا کلام لاحد بعدنص صاحب المذھب فعلیك به وبالله التوفیق ۱۲منه۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہ ہوااور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

عــــه: ھذا ما مال الیه ھنا فالحق کراھة التحریم کما حققه فی رسالتی "الامر باحترام المقابر" وقد اعترف به

عــــه: یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مافیه اطلاق الکراهة علی مایشمل المعنیین وهذا کثیر فی کلامهم ومنه قولهم مکروهات الصلٰوة اه[1]، بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکره للمرأة امساك صغیر لبول نحو القبلة الخ هذه تعم التحریمیة والتنزیة[2] اه وقال الشامی فی مکروهات الوضوء لیست الکراهة مصروفة الی التحریم مطلقًا[3] اه، وقال قبله بقلیل تحت قوله و مکروهه هو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وعلی المکروه تنزیها ثم نقل عن البحر ان المکروه فی هذا الباب نوعان ما کره

اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا انتھی، بلکہ در مختار کی فصل استنجامیں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی،اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا کراہت مطلقًا تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی،اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی،اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر، پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هذا المحقق اعنی الشامی فی کتابه هذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فی المقابر حرام اه[4] منه ١٢منه۔

"الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ١٢منہ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطهارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الطهارة فصل فی الاستنجا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

تحریماً وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ والمکروہ تنزیھا وکثیر ا مایطلقونہ کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلا بد من النظر فی دلیلہ فان کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیا بل مفید اللترک الغیر الجازم نھی تنزیھیۃ[1] اھملخصا۔

قلت: ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامۃ عبد[2]، فی الدر تنزیھا[3]، قال ابن عابدین لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی بحر عن المجتبٰی والمعراج[4] اھ اذا علمت ھذا وجب الفحص عن الدلیل انہ الٰی ای الکراھتین یمیل کما افادہ البحر فی البحر فرأینا ھم یستدلون علی الکراھۃ المذکورۃ بوجھین لایفید شیئ منھما کراھۃ التحریم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہاء کسی شیئ کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصًا، **میں کہتا ہوں** شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہًا، شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا، اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۹

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

قصارٰهما التنزيه قال فی العناية الكراهة اما لانه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة فی اخذ الزيادة بالحيلة واما لانه يفضی الی ان يالف الناس فيستعملوا ذٰلك فيما لايجوز[1] اه ونقل فی الفتح عن الايضاح الوجه الثانی ثم قال وهكذا ذكر فی المحيط ايضا ثم قال وقيل انما كرهه لانهما باشرا الحيلة الی اخر[2] مامر فی الوجه الاول، وصاحب العناية بعد ذكر الوجهين عاد فحصر فی الوجه الاول حيث قال الكراهة انما هی للاحتيال لسقوط ربا الفضل[3] اه وعليه اقتصر فی الكفاية قال انما كره لانه احتيال لسقوط الربا بأخذ الزيادة بالحيلة فيكره كبيع العينه فانه مكروه لهذا اه[4]، وانت تعلم ان فی الوجه الثانی ترك مالا بأس به حذرا ممابه باس فهو مقام الورع وترك الورع لايوجب كراهة تحريم وقد قال

صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یاتواس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہوجائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اسکے خوگر ہوجائینگے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے انتہی، فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انہوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس سے زیادت ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی، اور اس پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱-۲۷۲
[2] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱
[3] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۲
[4] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

يفضى الى ان يألفوه فيستعملوه فيما لا يجوز فأفاد ان هذا استعماله فيما يجوز انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز واما الوجه الاول فابين واظهر فان الاحتيال لسقوط الربا فرار عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع الوقوع فيه وقد علم علماؤنا رحمهم الله تعالٰى عدة حيل لتحصيل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لها الامام فقيه النفس قاضى خان فى فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما يكون فرارا عن الربا وقال فيه رجل له على رجل عشرة دراہم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الى اجل قالوا يشترى من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الى سنة فيقع التجوز عن الحرام ومثل هذا مروى عن رسول الله صلى تعالٰى عليه وسلم انه امر بذٰلك [1] اھ، ومثله فى البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقيه ابى الليث رحمه الله تعالٰى ثم قال فى الخانية

اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اسکے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اسے برتنے لگیں تو صاف بتادیا کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کرنا جائز تک نہ پہنچ جائیں، رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو، اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل ہے ان باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز میں ہیں اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خریدلے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحر الرائق میں بحوالہ خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں **(دوسرا حیلہ)** یہ فرمایا

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

رجل طلب من رجل دراہم لیقرضه بدہ دوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة درہم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراہم ویأخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی هذا المتاع بمائة وعشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درہم ویعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة وعشرون درهما والاوثق والاحوط ان یقول المستقرض للمقرض بعد ماقرر المعاملة کل مقالة و شرط کان بیننا فقد ترکته ثم یعقدان بیع المتاع اھ[1]، ثم قال فان کان المتاع للمقرض ولیس للمستقرض شیئ ویرید ان یقرضه عشرة بثلثة عشر الی اجل فان المقرض یبیع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ویسلم السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیع السلعة من اجنبی بعشرة	ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ کر لے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور اس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں اور زیادہ اطمینان واحتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرار داد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑ دی پھر متاع کی خرید وفروخت کریں انتہی۔ **تیسرا حیلہ** یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس "

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبیة یبیع السلعة من المقرض بعشرة ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الی المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض و تصل السلعة الی المقرض بعشرة و للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل اھ [1]،ثم قال **وحیلة اخری** ان یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم و یدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعده ثم یبیعها المستقرض من المقرض بعشرة و یاخذ العشرة فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة الی المقرض والمقرض وان صار مشتریا ماباع باقل مماباع قبل الثمن الا ان ذٰلك جائز لتخلل البیع الثانی وھو البیع الذی جری بین المستقرض والاجنبی [2]اھ،ثم قال**وحیلة اخری**ان

روپے کو بیچے اور وہ متاع اس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا وہ اتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے **انتھی**۔ **چوتھا حیلہ** یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اس پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتھی۔ **پھر ایک حیلہ** یہ فرمایا کہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

یبیع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ویدفع السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیعها من غیرہ باقل مما اشتری ثم ذٰلك الغیر یبیعها من المقرض بما اشتری لتصل السلعة الیه بعینها ویأخذ الثمن ویدفعه الی المستقرض فیصل المستقرض الی القرض ویحصل الربح للمقرض اھ۔اقول:ھذہ ھی الحیلة الثالثة المارة قال "وھذہ الحیلة ھی العینة التی ذکرھا محمد رحمه اللّٰه تعالٰی و مشایخ بلخ بیع العینة فی زماننا خیر من البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی انه قال العینة جائزة ماجورۃ وقال اجرہ لمکان الفرار من الحرام [1] اھ۔**ثم قال** رجل له عشرۃ دراھم صحاح فاراد ان یبیعها باثنی عشر درھما مکسرۃ یجوز لانه ربا،فان ارادالحیلة یستقرض من المشتری اثنی عشرۃ درھما مکسرۃ ثم یقضیه عشرۃ جیادا ثم ان	قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اسے پہنچ جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی،**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا،امام قاضیخان نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی۔ **پانچواں حیلہ** یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو یہ چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربا نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۷

المقرض یبرئه من درهمین فیجوز ذلك اھ [1]. **ثم قال** ولوکان له علی رجل عشرة دراہم مکسرة الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعة صحاح فقال هذه التسعة بتلك العشرة لایجوز لانه ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن الدرہم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعة دراہم صحاحا وفلسا او شیئا یسیرا عوضا من الدرہم الباقی جاز ذلك و یقع الامن [2] اھ وفیها فوائد لاتخفی علیك و سنمر علیها فیما یأتی ان شاء اللہ تعالٰی وکفانا تشبیهه فی الوجه الاول ببیع العینة وقولهم فانه مکروه لهذاو ذٰلك لانه لایکره الاتنزیها فکذا هذا،ولا یهولنك قول محمد انه یجده مثل الجبل [3] فانه قال مثله بل اشد منه فی العینة وماثبت لها الاکراهة	اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ جائز ہے، **چھٹا حیلہ** یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ ان دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ سود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کردے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ ہم اوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو ایسے ہی یہ بھی اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انہوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۷

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۲۷۱

التنزیه قال فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی ہندیة وقال محمد هذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعه أکلة الربا وقال علیه الصلٰوۃ والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم، قال فی الفتح ولا کراهة فیه الاخلاف الاولٰی لما فیه من الاعراض من مبرة القرض اھ [1] واقره علیه فی البحر والنهر والدر و الشرنبلالیه و غیرها وقال ایضا فی فتح القدیر قال ابویوسف لایکره هذا البیع لانه فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وحمدوا علی ذٰلك ولم یعدوه من الربا اھ [2]، **اقول:** قول ابی یوسف فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم مرسل اصولی فانه عندنا مالم یتصل سنده مطلقًا

ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی اس میں عالمگیری اس میں مختار الفتوی اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے ایجاد کیا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کرو اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہوجاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے، اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔ اور اسے بحر الرائق اور نہر الفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اسلئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسے کیا اور اس کی تعریف کی اور اسے سود نہ ٹھہرایا انتہی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) امام ابویوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا، اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

والفرق بین انواعه وتسمیتها مرسلا ومنقطعا و مقطوعا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثین لافادة مایقع فیه من الصور،اما الحکم فمتحد عندنا وهو القبول اذاکان من ثقة کما حققناه فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین ۱۳۱۳ھ ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیره وای ثقة او ثق ترید من ابی یوسف فاذاصح عن کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم فعله ومدحه لایعدل عنه لان مذهب امامنا رضی الله تعالٰی عنه تقلیدهم رضی الله تعالٰی عنهم وقد امرنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم باقتدائهم اما الحدیث اذا اتبایعتم بالعینة[1]، رواه احمد وابوداؤد والبزار وابویعلی والبیهقی عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال ابن حجر سنده ضعیف وله عند احمد اسنادا خر امثل من هذا اه[2]۔

کی سند متصل نہ ہو اور اس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابویوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون سا ثقہ درکار ہے، توجب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لیے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کروگے اسے امام احمد وابوداؤد وبزار وابویعلٰی وبیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

[1] سنن ابوداؤد باب فی النهی عن العینه آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۸۴، ۴۲

[2] منیران الاعتدال

وفی سندہ ابوعبدالرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری،قال ابن ابی حاتم لیس بالمشھور وقال ابوحاتم لا یشتغل بہ وقال الذھبی جائز الحدیث[1] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[2] وقال فی التقریب فیہ ضعف[3] اھ۔وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ وجاء من طرق کثیرۃ عقد لھا البیھقی بابا فی سننہ وبین عللھا۔ **اقول:** وظاہر کلام الفتح ان محمدا احتج بھذا الحدیث فاذا ھو صحیح ولا شك لان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث مایدل علی منعہ الاتری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معہ واخذتم اذناب البقر[4] ای حرثتم	اور ابوداؤد کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں،ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں،اور ابوحاتم نے کہا ان سے کام نہ رکھا جائے،اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں،پھر کنیتوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں،اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں، **اقول:** کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور ان کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہر حال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۷ اسحاق بن اسید دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴ و ۴/ ۵۴۷

[2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۱۰۳۷۸ اسحاق بن اسید دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۵۴۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۹

[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

وزرعتم کما فسرہ بہ فی الفتح قال لانھم حینئذ یترکون الجھاد وتألف النفس الجبن [1] اھ بل ھو فی نفس روایۃ بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد [2] الحدیث و معلوم ان الزرع غیر منھی عنہ بل ھو افضل وجوہ الکسب بعد الجھاد عند الجمھور و قیل التجارۃ ثم الزراعۃ ثم الصناعۃ کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایۃ بالحدیث علی ذمہ قال العلامۃ سعدی اُفندی **اقول:** لوصح ذٰلك تکون الزراعۃ مذمومۃ ایضا اھ [3] ولم یعلل الکراھۃ فی الھدایۃ والتبیین و الدرر وغیرھا الا بالاعراض عن مبرۃ الاقراض زاد فی الھدایۃ مطاوعۃ لمذموم البخل [4]۔وانت تعلم ان الاعراض عن المبرۃ لاتوجب کراھۃ تحریم	یعنی کھیتی کروزراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑجاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ولہٰذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ **میں کہتا ہوں** اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کی نیک سلوک سے روگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے، اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

[3] حاشیہ آفندی بہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[4] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۔۱۲۳

ولذا قال فی الفتح لاباس فی هذافان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب اھ[1] وقال فی العنایة الاعراض عن الاقراض لیس بمکروه والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذالك والالکانت المرابحة مکروهة[2] اھ، **اقول:** بل لیست التجارة الاان تبغوافضلا من ربکم والمماکسة فی المبایعة مسنونة،وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم المغبون لامحمود ولا ماجور[3] رواه اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجوههم الکرام،فغایة مافیه کراهة التنزیه والا فقد صح ان الصحابة فعلوه وحمدوه و فی حاشیة الفاضل عبدالحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما الله تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة مأجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام و

موجب نہیں، لہٰذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے **انتھی**، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی، اقول: بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید وفروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے، اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ماموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں امام ابویوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۷۳۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۳ /۸۳

الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانه فعله کثیر من الصحابة و حمدوا ذٰلك[1] اھ،وظاھر سیاقه ان جملة "والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب" من کلام الامام ابی یوسف رحمه الله تعالٰی والله تعالٰی اعلم،ھذا احدالدلائل علیه والثانی:تصریحھم قاطبة ان القدر والجنس اذاعدم احدھما حل الفضل و معلوم قطعًا ان الدینار والدرھم او الدینار و الفلس لایتجانسان فیجب الحل فمن این تأتی کراھة التحریم،وتحقیقه ان للتفاضل اربع صور [1] **الاول**: ان یکون الاکثر مالیة ھو الاکثر قدرًا و [2] **الثانی**: ان یکون اقل ولکن مالیة بعد زائدة بل اضعاف مضاعفة کالجنیة مع الربیة و [3] **الثالث**: ان یکون اقل الی حد تنقص مالیته ایضا البدل و [4] **الرابع**: ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وھم قاطبة قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل ولم یقیدوه بشیئ من الصور اصلا فیعمھا جمیعا ولو کانت ثم کراھة تحریم لم تحل الاصورة واحدة من الاربع وھی الرابعة ثم ھنا وجه [5] اٰخران یکون جنسان متحدی المالیة عند اتحاد القدر وھم قد حکموا بحل التفاضل	سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی انتھی،اور ان کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابویوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم،یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے،دلیل دوم: تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقینا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی،اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: **اول**: یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔**دوسری**: یہ کہ اسکی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ بلکہ کئی گنا بڑھ کر،جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔**تیسری**: یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے،**چوتھی**: یہ کہ اسکی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہوجائیں،اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

[1] حاشیة الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وھو یستلزم التفاضل فی المالیة فوجب حله،و [۳]الثالث: قوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [1]،فمن ذالذی یعدہ معصیة و مکروھا تحریما مع اذن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فیه و [۴]الرابع ماقدمنا انفا عن الخانیة انه یدفع فلسا عوضا عن الدرہم فیجوز ذٰلك ویقع الامن ای امن بعد حصول المعصیة،و [۵]الخامس: لیس التفاضل بین درہم اودینار او فلس ودینار مثلا الابالمالیة فان کان ذلك موجبا لکراھة التحریم لانه حصل لاحد العاقدین اکثر واربح مما حصل لاٰخر فاربٰی ھذا علیه یجب ان یکون مساواۃ الجید والردی وزنا مکروھا تحریما اذااربی الجید علی الرد بمالایتغابن فیه الناس کأن تکون مالیته ضعف مالیته او اضعافھا لان موجبھا المذکور حاصل ھٰھنا ایضا قطعا،والشیئ لایتخلف عن موجبه مع ان المساواۃ ھو المامور به شرعا وکذٰلك مازاد بالصناعة حتی صارت

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا، دلیل سوم: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی اجازت فرما چکے۔ دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ جائز ہو جائے گا اور امان حاصل ہو گی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم: مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہو گا کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقینا حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

[1] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبھا الحاج ریاض الشیخ ۴/۴

قیمته اضعاف قیمة مایساویه وزناً من التبراو الدراہم یکون التساوی فیه موجب لما او جبتم به کراهة التحریم مع انه هو الواجب شرعاً فاذن یکون الشرع قد اوجب ماهو معصیة فان المکروه تحریماً منهی عنه وارتکابه اثم و معصیة وان کانت صغیرة کمانص علیه فی البحر والدر وغیرہما وبالاعتاد یصیر کبیرة ولا شك ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة ویوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروه تنزیهاً فانه من المباح ولیس من المعصیة قطعاً و ربما یتعمده الانبیاء علیهم الصلٰوة والسلام بیاناً للجواز، وقد زلت قدم ذاك اللکنوی فی رسالته فی الدخان فجعل المکروه تنزیهاً من المعاصی والاصرار علیه من الکبائر وهذه مزلة فاحشة بینت عوارها فی رسالة مستقلة سمیتها "جمل مجلیة ان المکروه تنزیهاً لیس بمعصیة ۱۳۰۴ھ "والاعتذار بأن الشرع اهدر اعتبار المالیة عند اتحاد الجنس لایجدی نفعاً فان ذٰلك اول الکلام ان لوکان الاربا فی المالیة موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع مافیه من ابطال مقصد نفسه اعنی الشرع وهو صیانة اموال

صناعی کے سبب بڑھائے یہاں تک کہ اسکی قیمت اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہوجائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحرالرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے کبیرہ ہوجائے گا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقینا نہیں، کبھی انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہوجائے اور انہیں لکھنوی کا حُقّہ کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام "جمل مجلّیة ان المکروه تنزیهاً لیس بمعصیة ۱۳۰۴ھ "رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرمادیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالیة وفیه ایصال اکلة الربا الی قصدھم الفاسد فان غرضھم انما یتعلق بالمالیة فاذاا ربوا فیھا فقد فاز وابمرادھم ولا نظر لھم الی زیادة الوزن وقلته فتبین ان الاربا فی المالیة لانظر الیه للشرع ولایمکن ان یوجب کراھة تحریم اصلا وھو المقصود،و۶ السادس:طفحت المتون قاطبة بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادھم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لو باع فلسا بمائة علی التعیین جاز عندھما[1] ای عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما وای نص ترید انص من ھذا علی حل التفاضل بالمالیة والحمدللہ،نعم الحل قد یجامع کراھة التنزیه کمانصوا علیه، ۷ السابع: العینة المذکورة فانما مبناھا علی التفاضل فی المالیة ولا یتقید بنحو عشرة باثنی عشر او ثلثة عشر کما فی الخانیة او خمسة عشر کما فی الفتح بل صورت بصورت الضعف ایضاقال فی الفتح من

مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اس میں سود خوروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔دلیل ششم: تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحرالرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ،ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔دلیل ہفتم: عینہ مذکورہ کہ اسکی بناء ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے،اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں بلکہ دو نادون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے،فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

[1] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۲

صور العینة ان یبیع متاعه بالفین من المستقرض الیٰ اجل ثم یبعث متوسطا یشتریه لنفسه بالف حالة ویقبضه ثم یبیعه من البائع الاول بالف ثم یحیل المتوسط بائعه علی البائع الاول بالثمن الذی علیه وھو الف حالة فید فعھا الی المستقرض ویأخذ منه الفین عند الحلول [1] اھ واذجاز ضعف جازت الاضعاف، **اقول**:ولا یلزم المتوسط بل له ان یبیعه من المستقرض بالفین یبیعه المستقرض فی السوق بالف کیلا تعود العین الی المقرض فیکون مکروہا تحریما فی بحث المحقق وان کان فیه للکلام مجال فان شراء ماباع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم یذکروا فیه تأثیما وقد تقدم عن فقیه النفس فی حیل الفرار عن الحرام وانی تتم الحیلة مع بقاء المعصیة لاجرم قال العلامة عبد الحلیم فی حواشی الدرر الظاہر کراھة تنزیه سواء	یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدپر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کرلے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دو نا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہو، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

كان فی صورة عود كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا تدبر،[1] و۸ الثامن: شرطوا الجواز شراء الوصی مال اليتيم لنفسه او بيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم وجعلوها فی العقار بالضعف وفی غيرها بمثل ونصف[2] كما فی الخانية والهنديه وشرطوا الجواز بيعه مال اليتيم من اجنبی ان لم تكن للصغيره حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لاوفاء له الابه ان يبيعه بضعف القيمة قال فی الهندية عن محيط السرخسی وعليه الفتوى[3] فهذا تفاضل فی المالية مأموربه من جهة الشرع، و۹ التاسع: ماتقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لو باع كاغذة بالف يجوز ولايكره[4] و۱۰ العاشر: فی باب الربا من ردالمحتار عن الذخيرة اذادفع الحنطة الى خباز جملة واخذ الخبز مفرقا ينبغی ان يبيع صاحب الحنطة خاتما او سكينا من الخباز بالف من من	جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کرآئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم: وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دوچند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم: وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ــــ دلیل دہم: ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دئے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلا ہزار من روٹی

[1] حاشية الدرر لعبد الحليم
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷۶
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷۶
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

الخبز مثلا[1] الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر هذا الوسرد ناها لم نستطع احصاء ها و انما تنزلنا بعد السادس الی هنا لان کلامهم فی المضموم الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان او الاعیان ومن الاموال الربویة او من غیرها فهذا غایة تحقیق المسألة. اما کلام الشیخ عبدالحلیم **فاقول: اولا:** لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسه ولا شك ان ترك مالا بأس به حذرا مما به باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذٰلك الا بما ذکر فکان من واجباته اذ الواجب للشیئ هو الذی لا تحصل له الا به **وثانیًا:** ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنه قول الدر لاباس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم[2] اھ ونظر له الشامی فی موضع اٰخر بقولهم حقك واجب علی وفی کتاب

کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام **اقول: اولاً:** حصول احتیاط کیلئے کسی شیئ کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، **ثانیاً:** اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۶

[2] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قولہ "ویشھد(ای القاضی) الجنازۃ ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ان للمسلم علی اخیہ ست خصال واجبۃ ان ترك شیئا منھا فقد ترك حقا واجبا علیہ لاخیہ یسلم علیہ اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاہ ویشمتہ اذاعطس ویعودہ اذامرض ویحضرہ اذا مات وینصحہ اذا استنصحہ ثم قال ولا بدمن حمل الوجوب فیہ علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقہ الحادث فان ظاہرہ وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازۃ فالمراد بہ امر ثابت علیہ اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ[1] ولا بدمن الحمل علیہ لما اقمنا من الادلۃ وان ابیت الاحملہ علی ظاہرہ فھذا فھم من الشیخ عبدالحلیم لم یستند فیہ	فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا،ملاقات کے وقت اسے سلام کرے،اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے اور،جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے "یر حمك اللہ" کہے،اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے،اور اس کی موت میں حاضر ہو،اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اصل کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بہ سلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی،اور عبارت عبدالحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کرچکے اور تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبدالحلیم

[1] فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۷۳

لنقل وفهمه غير حجة فی الشرع لاسيما عند قيام البراهين علٰی خلافه، **وثالثًا:** ان لم يحمل علی ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعةً تحدث فی الدولة العثمانية من تبديل الدراہم العتيقة المغشوشة الغالبة فيها الفضة بدراہم جديدة جيدة و يمنع بظهور ها التعامل بالعتيقة و من ردائة العتيقة ان الدرہم الكبير الرومی وهو المسمی بالقرش يكون بمائة وعشرين درهما منها والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش الی ثمانين من الجديدة والدينار الی مائة وعشرين فيقع بين الناس نزاع كثير فی ديونهم الواقعة فی زمن العتيقة قال فافتی اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنية المحميّة بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة دين مائة وعشرين درهما يعطی المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا وبمقابلة مأتين واربعين دينارا او قرشين الٰی ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين فافتی بان يعطی قيمة العتيقة فی زمن العقد من الدينار مثلًا لكل

کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ **ثالثًا:** اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں اور ان نیوں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کردیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اسی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑجاتا ہے تو علمائے محرسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتوی دیا کہ تہائی دین اتار دیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انہوں نے یہ فتوی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلًا ہر

مائتین واربعین درھما یعطی دینارا ولم یجوز اعطاہ درھما جیدا اولا قرشا و صرح بان فی المسلك السابق حقیقة الربا او شبھته [1]. ثم قال یقول العبد ان ما افتی به اولاصحیح ایضا مع ان فیه یسرا وتوسیع دائرة لاداء الدین اما صحته فان الدراھم العتیقة لما کانت رائجة کما یروج القرش والدینار من غیر فرق بینھن تقرر ان دین المدیون استقر فی ذمته علی ھذا التفصیل وصرف الدین الی ماقدربه فی الاداء من کل نوع ای نوع کان من العتیقة و القرش والدینار کما صرح الفقھاء بھذا فی صورة استواء رواج الاحادی و الثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقةو القرش والدینار کما صرح الفقھاء بھذا فی صورة استواء رواج الاحادی والثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقة وظھر الجدیدة ورخص القرش و الدینار بالتنزیل الی ما سبق ذکرہ نزل الدین کذلك و فیه توسیع دائرة ویسر تام اذ یؤدی المدیون من ای نوع قدر بخلاف ما افتی به ثانیا اذ قد لایکون للمدیون دینار وقد لایجد وقد یکون الدین او الباقی غیر بالغ الی قیمة الدینار فیعسر الاداء مع

دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقةً سود ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ وہ جو پہلوں نے فتوٰی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف پھیرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا اشرفی جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو جب پرانوں کا چلن بند کردیا گیا اور نئے چلنے لگے اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا اس میں سے ادا کریگا، بخلاف دوسرے فتوٰی کے، اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی اور نہ اسے ملتی ہے، اور کبھی کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

[1] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی العتیقة باقیة علی رواجها ولیس فیها کساد ولا منع سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة فمن این التکلیف للمدیون باداء الدین بالدینار فقط فظھر ان ماافتی بہ اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر فیه نعم لو سلم وجدان الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة او بالقرش بان لا مساواة بینهما وزنا اولا یعلم فانه یدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة او القرش کما لایخفی [1] اھ ملخصًا، والمسئلة مذکورة فی الدر وغیرہ واختار العلائی ماافتی بہ سعدی افندی و ھو الالزام بالذھب ومال ابن عابدین الٰی نحو مامال الیه عبدالحلیم وحاصله اولامنع ان اللازم علی ذمة المدیون عین العتیقة حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش مع عدم مساواتها للعتیقة وزنًا ربا بل الازم تلك المالیة المقدرة بای الثلثة شاء فاذا کسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقین	ہو گی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ سستا ہوگیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوٰی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکمًا یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلًا ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصًا، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتوٰی ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

[1] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهران تعبیر هم بتنزیل ثلث الدین مسامحة نظرا الیٰ ظاہر التغیر فی عدد الدراہم حیث یعطی من الجدیدۃ ثمانین مکان مائة وعشرین والافلا تنزیل فی المالیة اصلا و ثانیا ان سلم لزوم العتیقة عینا فیندفع بضم نحو فلس الی الجدیدۃ اوالقرش وقد افتی هو به الناس و جعله یسرا تاما من دون عسر اتاما من دون عسر وای یسر بعد حصول کراهة التحریم فاذن لا محید عما ذکرنا وبالله التوفیق وبالجملة ماکانت امثال هذه الشبهات لتذکر و تسطر لو لا ما فی جوابها من فوائد تظهر و تزهر، **اقول:** وبه تبین والحمدلله ان لیس فیه اعنی فی بیع دینار بدرهم بل فلس فضلا عن بیع نوط عشرۃ باثنی عشر شبهة ربا ایضا فضلا عن الربا خلافا لما زعم اللکنوی اذ الشبهة فی المحرمات ملحقة بالیقین کما نص علیه فی الهدایة وغیرها فلو کانت لو جبت الحرمة فضلا عن کراهة التحریم وقد قامت الادلة ان لا کراهة تحریم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لاربا و لاشبهة هذا و انما جل

میں کہتا ہوں: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دین اتار دیا جائے مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی می جو ظاہر تغیر ہوا اس پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سود یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش کے ساتھ مثلاً! ایک پیسہ ملا کر دے اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتوٰی دیا اور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ان سے مفر نہیں اور توفیق الله ہی کی طرف سے ہے بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے، **اقول:** الحمدلله اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور دلائل قائم ہو چکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت، تو ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سنئے

مایتشبث به هذاالمانع ان النوط عـــه	ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ

عـــه: بل زعم ذاك اللكنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما یرید بیع مائة ربیة واخذ بدلها لا بدل النوط، **اقول: اولا** لوکان الامر کما زعمت لما صح بیع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بیع مائة درهم افرنجی بمائة درهم افرنجی وهی لاتتفاوت فیما بینهما بشیئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لا یشرع العبث فی الاشباہ العقود تعتمد صحتها الفائدۃ فما لم یفد لم یصح فلا یصح بیع درهم بدرهم اذا تساویا وزنا و صفة کما فی الذخیرۃ [1] اھ **وثانیا** قم یوما عن اریکتك واذهب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع نوطا من عمرو فاسأله هل قلت له بعتك مائة ربیة فسیقول لا وانما قلت بعتك هذا النوط. فاسأله هل اردت ان تستبدل مائة ربیة لك بمائة ربیة لعمرو فسیقول لا وانما اردت استبدال

عـــه: بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) **اولاً:** اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلاً جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتھی، **ثانیاً:** مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپیوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۱/۳۲۵

مغرق فی الربا بی کانہ ھی من دون فرق	روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی بربابیۃ فاسألہ ھل اخذت ثمن ربابیك فیسقول لابل ثمن نوطی فاسألہ ھل تنقد لہ مائۃ ربیۃ من کیسك فسیقول لابل اعطیہ نوطی فعند ذلك یتمیز لك النھار من اللیل، **وثالثًا**: لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لاتکون عندہ الربابی بل ولاربیۃ واحدۃ وبیع المعدوم باطل وقد نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، **ورابعًا**: من احتاج الی النوط لیرسلہ فی البوسطۃ فان ارسالہ فیھا ایسر واقل مصروفا فباعہ زید نوطہ ثم ارادہ ان یعطیہ مائۃ ربیۃ لایقبلہ المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربابی عندی فماکان یحوجنی الٰی شرائھا منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے اپنے روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا**: کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کر رہا ہے، اور معدوم کی بیع باطل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا**: جسے ڈاک میں بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم (باقی اگلے صفحہ پر)

ولذالایفرقون بینھما فی الاخذ والاعطاء	فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبة ذٰلك القصد اليهم فرية عليهم، **وخامسًا:** بائع النوط اذا قبض دراہم الثمن واراد ردھا یعد ھذا عندھم اقالة البیع لاتسلیما للمبدل وھذا کله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن الله من مبیع لم یعقد علیه ولا قصد الیه ولا نقد منه بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لایکون عند من باع فھل سمعت بمثله مبیعا فی الدنیا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولکن قلة الفھم و التدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو والعافیة، وبه علم بطلان ماقصد به التفرقة بین الفلوس و النوط بان من اشتری شیئا بربیة او استقرض ربیة واراد ان یعطی بدلھا فلوس ربیة فالدائن والبائع بالخیار فی قبولھا و

ہو جائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار ینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ **خامسًا:** نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید وفروخت کا لفظ واقع ہو، نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانها عشر ربابی بیعت باثنی عشرة ربیة وهو ربا قطعا فهذاان لم یکن ربا فبشبهه یلتحق به ویحرم۔**اقول:** وباللّٰه التوفیق هذا اردء واخنع ولا غرو اذ القوس فی ید غیر باریها قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیة انما تقدر بالحقیقة بل النقود کلها لها تقدیر بالدراہم دنانیر کانت او غیرہا ولا بدلها من نسبة الی الربابی فجنیه بخمسة عشر وقطعة صغیرة بثمن ربیة واخری بالربع واخری بالنصف و ست عشر اٰنة بربیة و النوط الفلان بعشرة والفلان بمائة هکذا واذا استوت رواجا و مالیة فاهل العرف لایفرقون	اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہوجائے گا۔**اقول:** وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا، وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لا یجبرہ علیه القاضی بخلاف النوط و من این له ادعاء هذا و من قال به وسیأتیك و تحقیق الامر بعد اسطر و باللّٰه التوفیق اھ منه۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے، اور یہ ادعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲منہ۔

بینھا فی الاخذ والاعطاء فی معاملاتھم فمن شری ثوبا بجنیۃ افرنجی وادی خمس عشرربیۃ او بالعکس لا یعد ھذا تبدیلا ولا تحویلا ولاینکرہ البائع ولا غیرہ وکذا القطعۃ الصغیرۃ وثمانیۃ فلوسا افرنجیۃ لا یفرقون بینھما فی اخذ ولااعطاء وکذا ربع الربیۃ وستۃ عشر فلسا ومن اشتری شیئا بنصف ربیۃ فاما ان یودی النصف بعینہ اوربیع ربیۃ او رابعۃ اثمانہ او ربع وثمنین او ربعا وثمنا و ثمانیۃ فلوس او ثلثۃ اثمان وثمانیۃ فلوس او ربعا وستۃ عشر فلسا او ثمنا واربع وعشرین فلسا اوالکل بالفلوس اثنین و ثلثین فلسا الصور ؏ التسع جمیعا سواء عندھم و لا یفرقون بینھا اصلا لا ستوائھاجمیعا فی المالیۃ و الرواج ولیس ھذا فی العرف فقط بل الشرع ایضا خیر المشتری ان یؤدی ایھا شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضھا و اراد الزام المشتری باحدالوجوہ کان تعنتا منہ ولم یقبل، قال ابن عابدین	ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھیرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو ۲ چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس ۳۲ پیسے، یہ نوکی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجاہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

؏: والان اذقد راج تفریق جدید یسمی اٰنۃ صح اداء نصف ربیۃ بستۃ وثلثین وجھا والکل سواء کما لا یخفی اھ منہ۔

؏: اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقه (ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیة فسد العقد مع الاستواء فی رواجها[1] مانصه اما اذا اختلف رواجا مع اختلاف مالیتها او بدونه فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیة ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایهما شاء، ومثل فی الهدایة مسئلة الاستواء فی المالیة والرواج بالثنائی و الثلاثی واعترضه الشراح بان مالیة الثلاثة اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ماقطعتان منه بدرهم وبالثلاثی ماثلثة منه بدرهم، قلت وحاصله انه اذا اشتری بدرهم فله دفع درهم کامل او درهم مکسر قطعتین او ثلثة حیث تساوی الکل فی المالیة والرواج، ومثله فی زماننا الذهب یکون کاملا ونصفین واربعة ارباع وکلها سواء فی المالیة والرواج ومنه یعلم حکم ماتعورف فی زماننا

فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سانہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے، اور بحرالرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں، اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷

من الشراء بالقروش فان القرش فی الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باربعین قطعة من القطع المصریة المسماة فی مصر نصفا ثم ان انواع العلمة المضروبة فی امر تقوم بالقروش فمنها مایساوی عشرة قروش ومنها اقل ومنها اکثر فاذا اشتری بمائة قرش فالعادة انه یدفع ما اراداما من القروش اومما یساویها من بقیة انواع العلمة من ریال اوذهب ولا یفهم احدان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشا بل هی او مایساویها من انواع العملة متساویة فی الرواج المختلفة فی المالیة ولا یردان صورة الاختلاف فی المالیة مع التساوی فی الرواج هی صورة الفساد لانه هنالم یحصل اختلاف مالیة الثمن حیث قدر بالقروش و انما یحصل الاختلاف اذالم یقدر بها کمالو اشتری بمائة ذهب وکان الذهب انواعا کلها رائجة مع اختلاف مالیتها فقدصار التقدیر بالقروش فی حکم ما اذا استوت فی المالیة والرواج وقد مران المشتری یخیر فی دفع ایهما شاء۔قال فی البحر فلو طلب البائع احدهما للمشتری دفع غیره لان امتناع	شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے دیا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت سے مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اسکا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں، چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزرچکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحر الرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول مادفعه المشتری ولا فضل تعنت[1] اھ(ملخصًا)وھذا کله واضح جلی وای تسویة وعدم تفرقة اعظم من ان یشتری المشتری بالقروش ثم یخیران یؤدی منها او من الریا ل او من الذھب الکامل اومن التفاریق وان لم یقبل البائع کان متعنتا ومع ھذا لا یتوھم عاقل ان القروش والریال والجنیة والتفاریق کلها صارت جنسا واحدالایحل فیها التفاضل اوان بعضها مغرق فی بعض کانه ھو من دون فرق فالتفاضل ان لم یکن ربا فبشبهه یلحق به ویحرم مع نصهم قاطبة اجمعین ان عند اختلاف الجنس یحل التفاضل بل مع قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]،وقد قدمنا تحقیق مسئلة دینار بدرھم وان لیس ربا و لاشبهة ربا بمالا مزید علیه فاذاکان ھذا فی القروش والریال

مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بے جاہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہی۔اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری،اور بائع نہ مانے تو بے جاہٹ ٹھہرے، بایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ بلافرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو،اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ،اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں توجب یہ حکم قرشوں اور ریال

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶

[2] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیه،ریاض ۴/۴

والجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان خلقية وكلها تشملها احدى علتى الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربابى مع ان النوط ليس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين ولا يشمله شيئ من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم ھٰھنا لايتأتى الامن احد ثلثة رفع عنهم القلم صبى ونائم ومجنون، نسأل الله العفو و العافية هو تحقيق الجواب فى هذا الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس ولكن ياهذا ان ابيت الاما اتيت من ان النوط مغرق فى الربابى كانه هى فانا اسئلك أبهذاالاغراق وعدم الافتراق صارالنوط حقيقة دراهم فضة او حكما بان اجرى الشرع فى مبادلته بالدراهم ماهو حكم مبادلة الدراهم بالدراهم كما قلت كانها عشر ربابى بيعت باثنى عشر اولا ولا، على الثالث ماھٰذه الشقاشق الفارغة عن منشاء و معنى وعلى الاولين يعود الرباعليك انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة وذٰلك لان حكم الدراهم بالدراهم لم يكن فى الشرع التساوى فى	اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کا مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع مشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھالیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولھا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوا یا حکماً بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تونے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں، تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالية لاجماع الامة ان الجيد والردی ھٰھنا سواء وانما کان الحکم التساوی فی القدر فیجب علیك ان تضع النوط فی کفة والفضة من تفریق درھم اوغیرہ فی الکفة الاخری فلا تبیعه الابما ساواہ وزنا ولا یکون ذٰلك الاقطعة صغیرة او قطعتین فان زدت علیه شیئا فقد اکلت الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحکم الساری الی النوط من الربابی لاجل ھذاالاغراق وعدم الافتراق ھو التساوی فی المالیة فھذا جھل منك عظیم یساوی ھزلا ویتساوك ھزلا فان التسویة فی المالیة لم یکن حکم الربابی نفسھا فکیف یسری منھا الی شبھھا مالیس فیھا علاان النوط ان اتحد مع الربابی حقیقة او حکما لایتحد مع الذھب لامتناع الاتحاد بین نوعین متباینین فاذن ان بیع نوط عشرة باثنی عشرة جنیھا لایلزم فیه مالزم ثمه لعدم الاتحاد فی الجنس حقیقة ولا حکمًا فحینئذ یرجع مآل فتواك الی ان من باع نوط عشرة باثنتی عشرة ربیة فھذا حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه باثنی عشر جنیھا فھذا لاحرج علیه لانه لم یحصل فضلا یعتد به

برابر ہوں، تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی بس اتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرہ بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن سے لچک لچک ہورہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے ان کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود ان میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکمًا متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہوسکتیں تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکمًا اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اسلئے کہ اس نے بلامعاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من ھذہ الفتوی مادقھا نظرا و احقھا رعایۃ لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانۃ اموال الناس ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و بالجملۃ کلام ھذا المانع لایرجع الی اصل شرعی ولا برھان وما ھو الاکلمۃ ھو قائلھا ما انزل اللہ بھا من سلطٰن والحمد للہ وعلیہ التکلان وھو المستعان۔

واما الثانی عشر

فاقول: نعم یجوز اذا قصدا البیع حقیقۃ دون القرض و ذلك لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کماحققنا کل ذٰلك وما التنجیم الانوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرۃ و شرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرۃ ربیۃ او احدی عشرۃ او عشرۃ وقطعۃ مثلاحالا اوما لامنجما او غیر منجم فھذاحرام وربا قطعالانہ قرض جرنفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]، رواہ

کیاجائے تو سبحان اللہ اس فتوٰی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کے جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ ہے کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

جواب سوال دوازدہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کرآئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجهه بخلاف ما اذااقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة ولا کانت معهودة من تعاملهما لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه تکرما زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون هبة مشاع فیما یقسم فهذا جائز لاباس به بل هو من باب "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" [1] و قد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح [2] وکذا اذا تقاضاه المقرض فلم یکن عنده النوط اولم یرد رده فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراهم فی المجلس کیلا یکون افتراقا عن دین بدین فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضه مستهلکا وعند الطرفین مطلقا

حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی۔ بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احسانًا کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کردئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[2] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبة السلفیه لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۶

وان کان باقیا عندہ اذالم یورد العقد علیہ،نعم ان کان موجودا واشتراہ بعینہ باثنی عشر او بعشرۃ او بماشاء فھذا باطل لایجوز عندھما خلافا لابی یوسف رضی ﷲ تعالٰی عنھم لانہ قد ملکہ بالاستقراض فکیف یشتری ملك نفسہ من غیرہ فی وجیز الکردری اذاکان لہ علی اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من علیہ بدراھم وتفرقا قبل قبض الدراھم بطل و ھذا مما یحفظ [1] اھـ وفی ردالمحتار عن الذخیرۃ اشتری من المقرض الکرالذی لہ علیہ بمائۃ دینار جاز لانہ دین علیہ لابعقد صرف و لاسلم فان کان مستھلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانہ ملکہ بالاستھلاك وعلیہ مثلہ فی ذمتہ بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندھما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجوز لانہ لایملکہ مالم یستھلکہ فلم یجب مثلہ

نوٹ کو روپیوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر قرض تھا اسے خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ اسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس کامالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا،وجیز کردری میں ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون نے وہ دین اس سے روپیوں کو خرید لیا اور روپیوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع باطل ہوگئی اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا یاد رکھنا لازم ہے انتہی،اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اتنا غلہ واجب رہا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابویوسف کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶

فی ذمته فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز [1] اھ وفیه عنها استقرض من رجل کرا وقبضه ثم اشتری ذٰلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه مبلکه بنفس القبض فیصیر مشتریا ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف فالکر باق علی ملك المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح [2] اھ. اما الاحتیال لدفع الربا فقد اسمعناك فیه مایکفی ویشفی وقد تقدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی ان العینة جائزة ما جور من عمل بها قال واجره لمکان الفرار من الحرام [3] اھ وتقدم قوله ان الصحابة فعلوا ذٰلك وحمدوه [4] و تقدم قول الخانیة ان مثل ھذا	جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں، اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی للذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر قبضہ کرلیا پھر بعینہٖ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے، ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی انتھی، رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك اھ[1] فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واصحابه وفی البحر عن القنیة لاباس بالبیوع التی یفعلها الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اٰخر هی مکروهة ذکر البقالی الکراهة من محمد وعندهما لاباس به قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراهم لابأس بالاتفاق[2] اھ وکذلك حکی الاجماع الامام خواهر زاده رحمه اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم تعلیمه وصح عن الصحابة فعله وتمدیحه واجمع ائمتنا علی جوازه فای محل بقی للارتیاب واللہ الهادی الصواب۔ **اقول:** ثم هذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضه دراهم ویبیعه شیئا یسیرا

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الدین زرنجری نے فرمایا امام محمد کے خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کردی پھر روپے دئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگا لی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اسکے جواز پر اجماع قائم، تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی هذا ان تقدم القرض قیل کرہ البیع لانه قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقا لانه بیع جر قرضا کما افادہ الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی ردالمحتار اما مانحن فیه من مسألة النوط فبیع خالص لاقرض فیه اصلا لا بدأ ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادة فی امر الحیل فهذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا لعبدہ ایوب علیه الصلٰوة والسلام "خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ"[1] وهذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال جاء بلال رضی الله تعالٰی عنه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بتمر برنی	تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے، اور اگر تو مسئلہ حیلہ، میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

فقال له صلی الله تعالٰی علیه وسلم من این هذا ،قال بلال کان عندنا تمر ردی فبعت منه صاعین بصاع فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوه عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربه [1] و ایضا لهما عنه وعن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما ان رسول الله صلی اللهتعالٰی علیه وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاء ہ بتمر جنیب فقال له رسول اللهصلی الله تعالٰی علیه وسلم اکل تمر خیبر هکذا قال لا والله یارسول انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال رسول اللهصلی اللهتعالٰی علیه وسلم لاتفعل بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم جنیبا [2]۔ **اقول:** اما کراهة من کرہ کمحمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح

لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اف خاص ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شیئ کے بدلے ان کو خریدو نیز بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس میں ایک صاع دو صاع کو، دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر و

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالة باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا ارادبیع تمر بتمر خیر منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

والمحیط کی لایألفه الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد انعکست الامور وفشا الربا فی اهل الهند جهارا لایستحیون منه کانهم لایعد ونه عیبا ولا عارا فمن نزلهم عن هذا البلاء العظیم والکبیرة الشدیدة الی بعض هذا الحیل الجائزة کبیع نوط عشرة باثنتی عشرة منجما وغیر ذٰلك مما تقدم عن الامام فقیه النفس فلا شك انه ناصح للمسلمین وما الدین الاالنصح لکل مسلم وهم ان جاہر وا ابا لمعاصی فالا سلام باق بعد ولله الحمد، فاذاسمعوا اما یصلون به المرام مع النجاة عن الحرام فمالهم ان لایتوبوا فانهم غیر معاندین للشرع والاسلام، و قد قال مشایخ بلخ منهم محمد بن سلمة للتجار ان العینة التی جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق وهو صحیح فلا شك ان البیع الفاسد بحکم الغصب المحرم فاین هو من بیع العینة الصحیح المختلف فی کراہته [1] اھ اما زعم الزاعم انه ان لم ینه عنه فما الفرق بینه وبین الربا مع حصول الفضل	الایضاح و محیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ الٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہوگیا کہ اس سے شرماتے نہیں، گویا وہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، تو جوان کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، تو جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

فیھما **اقول**:ھذا اعتراض اوردہ المشرکون وقد تکفل الجواب عنہ ربنا تبارك وتعالٰی فی القراٰن العظیم، "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1]، الم یرالمعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم ھذا لانسد باب البیاعات ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم انتھی الجواب بتوفیق الوھاب والحمدللہ اولًا واٰخرًا وباطنًا و ظاہرًا وسمیتہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم ۱۳۲۴ھ "لیکون العلم علما علی عام التالیف، وقد ابتدأ فیہ العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمی یوم الاحد فانھیتہ ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام ۱۳۲۴ھ وذٰلك فی بلد اللہ الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبداللہ بن شیخ الخطباء و سید الائمۃ العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاہد الورع التقی النقی مجمع الفضائل و منبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظھما اللہ تعالٰی عن

دونوں میں حاصل ہوئی۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک و تعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا، اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہوجائے **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں، اور میں نے اس کا نام "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" رکھا تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کرآیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تئیس تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے (مکہ معظّمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل ومنبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کانگہبان ہو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کل ضیر ورزقھما من کل خیر و غفرلنا ذنوبنا وستر عیوبنا وخفف اثقالنا وحقق اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الٰی ھذا البیت الکریم وبیت الحبیب الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم بقبولہ ورضاہ حتی یجعل اٰخر ذٰلك موتنا علی الایمان فی المدینۃ المنورۃ والدفن بالبقیع والفوز بشفاعۃ الشفیع الرفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وکرم اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین۔ کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہماری عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول ورضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم ان پر اتارے، آمین، والحمدللہ رب العالمین۔ کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

فتوی حامی سنت ماحی بدعت جناب مولٰنا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمہ اللہ

مسئلہ ۲۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آج کل رائج ہے ان کا خرید وفروخت زیادہ وکم پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ھو الملھم للصواب

خرید وفروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شیئ کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اس کی

خرید وفروخت جائز ہے۔

قال فی الھدایة ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عندابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیة تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرہم بالدرھمین ولھما ان الثمنیة فی حقھما تثبت باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعین [1] اھ۔	ہدایہ میں فرمایا اور ایک پیسہ کی دو معین پیسوں سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بیع جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی تو ان دو بیع کرنے والوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت پر باقی ہیں تو متعین نہ ہوسکیں گے تو ایسے ہوئے جیسے غیر معین چیز ہو، اور ایک درہم کی بیع دو درہموں کے بدلے ہو، اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ دنوں کی ثمنیت ان خرید و فروخت کرنے والوں کی اصطلاح سے ہوگی کیونکہ غیر کو ان پر ولایت نہیں تو ان کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی توجب ثمنیت جاتی رہی تو اب متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اھ (ت)

پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید وفروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔

فی ردالمحتار فی باب العینة حتی لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ [2] انتھی۔	ردالمحتار کے باب العینہ میں ہے کہ، حتی اگر کاغذ کو ہزار روپے سے فروخت کرے جائز ہے اور کراہت نہیں ہے، انتھی۔ (ت)

واللہ اعلم وعلمہ اتم، العبد المجیب محمد ریاست علی محمد ریاست علی خاں

الجواب صواب	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صواب
احمدی	محمد اعجاز حسین	کتبہ	محمد حسن
محمد ارشاد حسین حامد		حسین عفی عنہ	

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبد محمد عبدالقادر عفی عنہ

بلاشبہہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے
اور بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبدابوالقاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے۔
العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب ھوالجواب
(محمد نظر علی)

الجواب صواب

محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان

رسالہ

کَاسِرُالسَّفِیۡہِ الۡوَاھِمۡ فِیۡ اَبۡدَالِ قِرۡطَاسِ الدَّرَاھِمۡ ۱۳۲۹ھ

(کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کاترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیۡلُ الۡمَنُوۡطِ لِرِسَالَۃِ النُّوۡط ۱۳۲۹ھ

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمدللہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظّمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوااس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کاخلاف معلوم تھاان کافتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھامگراس کا مضمون ذہن میں تھابفضلہٖ تعالٰی گیارہویں مسئلہ میں اس کا وافی وشافی

رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے **وللہ الحمد**، یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش در کنار برابر کو بھی اس کی خرید وفروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفہا گھر تک پہنچائی **والحمد للہ**۔ حاجت نہ تھی کہ اب اس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادران دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم** ١٣٢٩ھ رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے، اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ وبیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور در بارہ کم وبیش وہم ممانعت ہے **ھذا وباللہ التوفیق**۔

ردّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوٰی ص١٦٩ میں ہے "نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور گر گم ہو جائے تو بشرط بوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہر گز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدیں ان میں زکوٰۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی، اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے[1] **فقط**"۔ اور جلد اول ص٧٥ و٧٦ میں ہے: "نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے[2] **فقط**"۔ جناب

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص٣٥٦

[2] فتاوٰی رشیدیہ کتاب البیوع محمد سعید اینڈ سنز کراچی ٤١٨

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی، نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے اس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ٣٧ اپر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ جو رجسٹری یا بیمہ کرادینا [1]" ۔اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کرچکا ہوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کراکر مرسل ہوں ناچار ادھر ادھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑدی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے" [2]یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے سے اسے دئے وہ اگرچہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا ہو بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھمادیا تھا کہ سند باشد و عندالحاجۃ بکار آید (کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ت) اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑادیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دئے تم اس سے وصول کرلینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ١٢٦، ١٢٧ و ١٢٨ و ١٢٩ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت)

اول: تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہاں بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے تڑا کر وہ عقد ان کے سر چپٹیو جو ان کے خواب و خیال میں نہیں، گنگوہ کے کردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو، بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے، یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ٤٣١

[2] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ٤٣١

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے ہدایہ میں ہے: **العبرۃ فی العقود للمعانی** [1] (عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے، قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد، یہی مفہوم یہی مفاد، اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انہوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیعنہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کردی اس میں کیا حرج ہوا لہٰذا سود حلال طیب ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے،

رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فلانا اھدی الی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات [2]. الحدیث۔	اس کو امام احمد، ترمذی کا اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کرلیجئے ایسے حیلے حوالے کوے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل وبصر و بصیرت والے ان کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدیہ میں ہے:

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ۔ [3]	عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

---

[1] الهدایۃ کتاب البیع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل العجم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۳، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۹۲

[3] الهدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۳

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا:

تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیه لافی غیرہ[1]۔	عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں متعاقدین (بائع ومشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ امحل کے غیر میں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

التغییر لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف[2]۔	تغیر کرنا جائز نہن اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو۔(ت)

فتح میں شرح میں فرمایا:

تغییر تصرفهما لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف بدلیل الاجماع(الی ان قال)فهذاہ احکام اجماعیة کلها دالة علی ان تغییر التصرف لایجوز وان کان یتوصل به الی تصحیحه[3]۔	عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیل اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کاذریعہ بنتی ہو۔(ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے:فیه تغییر وصفه لا اصله[4] (اس میں وصف عقد کی تبدیلی ہے نہ کہ اصل عقد کی۔ت) عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا:

والجواب عن تغییر تصرفه ان یقال فیه تغییر وصف التصرف اواصله والاول مسلم ولا نسلم انه مانع عن الجواز والثانی ممنوع[5]۔	اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۶

[2] الھدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۶۸

[4] الھدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[5] العنایة علی الھدایہ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

ہدایہ میں ہے:

اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باع ھما مرابحۃ لایجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثوب[1]۔	کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خریدا پھر ان دونوں کو اکٹھا بطور مرابحہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف پھیرنے سے کنگن میں بیع تولیہ ہوجائیگی۔(ت)

فتح میں ہے:

اما مسألۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب۔[2]	لیکن مسئلہ مرابحہ میں عدم صرف اس لئے ہے کہ اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ کنگن میں بیع تولیہ ہوجاتی ہے(ت)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا کہ متعاقدین جو عقد کررہے ہیں وہ اگرچہ باطل وفاسد ہوا اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اسکی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز ہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی، تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کردینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی افیونی کی ریوڑی ہوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کرسکتے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کرلے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پرکھادے بلکہ زید وعمرو دائم ومدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے لے دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقینا یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸-۹

[2] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

یہ حالت یقینا مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے **ولکن العمیان لایبصرون** (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ت)

سوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود وعدم پر دین کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دین ثابت مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے۔ تواب لازمی کہ وہ جب چاہے خزانے روپے کے سو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے، تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا ریزہ ریزہ ہوگئے یا چوری ہوگئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دئے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیونکہ دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی، اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کردے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم: یہیں سے آپ کے شبہہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک یا تلف کردینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزاوروں کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں دس ہزار کا کردیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو اس کی تسکین کیلئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدہ سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار یا بیکار ہو تو بنادیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ "بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے"[1] آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم: سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض ودین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سوتک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انہیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کرکے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سؤر کھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جایئے امتحان کے لے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا اور جتنی اس اس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ہوں گی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ چکمہ دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم: زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو ۱۰۰ اور دو سو ۲۰۰ اور ہزار ۱۰۰۰ قرض لیتا رہے اس تمام مدت وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہوگئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دئے اسی وقت سے اس کا حساب بند ہوجائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرضہ دام دام وصول ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دئے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہاں بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم: فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہاں اور

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب سے پوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کاروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ کرا اپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا اس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہرًا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم: حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہوا اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا، اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل وبے اثر ہے اگرچہ اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں، لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا احال رجلا علی غریمہ ولیس للمستحال لہ علی المحیل دین فھذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ کذا فی الخلاصۃ[1]۔	جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ سکالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

احال علیہ مائۃ من من حنطۃ ولم یکن للمحیل علی المحتال علیہ شیئ ولا للمحتال لہ علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلك لاشیئ علیہ کذا	کسی شخص نے دوسرے پر سو من گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کرنیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قول کرلیا تب بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

فی القنیۃ[1]۔	اس پر کوئی شیئ لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ اب بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آہ اپنی کہئے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کرلو، تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

نہم: فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اسے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہوگئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**، غرض یہ آپ نے وہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم: حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہوسکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کرلیا تو اس کا دین اپنے سر لیا اگرچہ اکا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دین محتال کو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتیٰ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

ادا کردے تواسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دین ہبہ کردے یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہوجانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

شرائطها انواع بعضها يرجع الى المحتال عليه ومنه رجاه وقبول الحوالة سواء كان عليه دين اولم يكن عند علمائنا رحمهم الله تعالٰى كذا فى المحيط اه[1] ملتقطا۔	حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتال علیہ کی طرف لوٹتی ہیں جن میں سے محتال علیہ کی رضامندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، یہ ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، یوں ہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادى المحتال عليه الى المحتال له اووهبه له اوتصدق به عليه او مات المحتا له فورثه المحتال عليه يرجع فى ذلك كله على المحيل ولو ابرأ المحتال له المحتال برئ ولم يرجع على المحيل كذا فى الخلاصة واذا قال للمحتال عليه قد تركته لك كان للمحتال عليه ان يرجع على المحيل كذا فى خزانة الفتاوٰى[2]۔	جب محتال علیہ، محتالہ لہ کو قرض ادا کردے یا محتال لہ وہ قرض محتال علیہ کو ہبہ کردے یا اس پر وہ قرض صدقہ کردے یا محتال لہ مرجائے اور محتال علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو وہ بری ہوگیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتال لہ نے محتال علیہ سے کہا کہ میں نے وہ قرض تیرے لئے چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المحتال له لو ابرأ المحال عليه لم يرجع	اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶۔۲۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الثانی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۸

علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالۃ ولو وہبہ رجع ان لم یکن للمحیل علیہ دین وتمامہ فی البحر [1]۔	محتال علیہ محیل کی طرف رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محتال لہ نے قرض محتال علیہ کو ہبہ کردیا تو محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر قرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔ (ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا ایک بنئے نے روپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقوع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کردیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کرچکی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دین گورنمنٹ کو نذر کردیا ہبہ کردیا ترک کردیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کرسکے اس سے آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، **بحمد اللہ** اس سفاہت کا بہت طرح رد ہوسکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" [2] (یہ پورے دس ہیں۔ ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں **وباﷲالتوفیق**۔

یازدہم: تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھئے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکئے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسائر محبوبان خدا جل وعلا کی تعظیم و محبت کا پہلو لئے ہوئے ہو اس میں اپنے حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ، اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ، کوا کھانا حلال بلکہ ثواب [3] (دیکھو جلد ۲ ص ۱۷۹) بکرے کے خصیے کھانا حلال [4] (دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کوا کالا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہئے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۹۳

[4]

کراہت در کنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیر مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے[1] (دیکھو جلد اول ص ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد مولثہ بدعات توہین و تنقیص کی لائق ایسی ہی کمائی تھی ع

ہر شکم و لقمہ شایان او

(ہر پیٹ کہی شان کے مطابق لقمہ چاہئے۔ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنو کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی، نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھن میں کون ساحصہ تعظیم و محبت محبوبان خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا وجہ تو بتائے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاح قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتارہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے، نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص ۱۲۶ سے ۱۳۲ تک سوجھئے۔

دوازدہم ۱۲: پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہر گز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکٰوۃ فی قیمتہا والا فلا[2]۔	پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔(ت)

درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے:

اغلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ[3]۔	جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائیگی جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وہ ثمن رائج ہوں۔(ت)

[1] فتاوٰی رشیدیہ کامل باب احکام المساجد محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المال دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵

شامی میں ہے:

ماکان ثمنا رائجا تجب زکاته سواء نوی التجارة اولا[1]۔	جو ثمن رائج ہو اس کی زکوۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے:

عین النقدین لایحتاج الٰی نیة التجارة وکذا ماکان ثمنا رائجا۔[2]	عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے ہے:

ان غلب الغش فلیس کالفضة کالستوقة فینظر ان کانت رائجة اونوی التجارة اعتبرت قیمتها فان بلغت نصابا وجبت فیها الزکٰوة والافلاء[3] ملخصًا۔	اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوی ہے ایک آدھ روایت ٹٹول میں آجانا اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقہات نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقہات بحمداللہ نصیب دشمنان ہے۔ ان وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلاً:

(۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے، اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے۔

(۱۴) تمسک کہ کہنا کہ اس پر زکوۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و وجود کو زکوۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل۔

(۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا مبیع پر زکوۃ نہیں ہوتی۔ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحال نیت تجارت زکوۃ واجب مان چکے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲

[3] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۲۸

(۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا، نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۱۷۳ پر خود فرماتے ہیں کہ "نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے"[1] اے سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خرید اکیسے جائے گا مگر حضرت کی ان عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع

ماعلی مثلہ یعد الخطاء

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ت)

نسأل الله العفو والعافیة، ولاحول ولا قوة الابالله العلی العظیم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔(ت)

(۱۸) آپ کی اجواب دیں گے اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ "میں "نیت میں قصد میں فہم میں قطعًا بیع تھا تمام جہاں کے فہم وارادہ کے خلاف کا یا پلٹ کرکے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے سات سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیئے، رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیئے اور اس میں کون سار ہا ہے، فتاوٰی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۱۷۳ میں گزرا:

فان ارادالحیلة یستقرض من المشتری اثنی عشر درہما مکسرة ثم یقضیه عشرة جیادا ثم ان المقرض یبرءہ عن درہمین فیجوز ذٰلك[2]۔	اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ درہم ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو بری کردے تو یہ جائز ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربوٰ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۴۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا:

فان ارادہ الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعہ ویبرءہ عن الدرھم الباقی [1]۔	اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درہموں کے بدلے میں لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض) کو بری کردے۔ (ت)

اگر کہئے یہ قبض بشرط ابراء عن البعض ہوا تو اولاً کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لے کر سوا سو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا پھر اگر زیاد تمتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح و روا ہے اور آپ کا حکم باطل و پادر ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو، ربا کہاں سے آیا۔

ثانیاً: قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہو تا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سود ہوا،

فافھم ان کنت تفھم لکنك تفھم انك لاتفھم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو سمجھ لے اگر تو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

ردّ وہم

بحمد اللہ تعالٰی مولوی صاحب لکھنوی کے ردمین کلا مشبع گزرا مسئلہ یازدہم خاص انہیں کے رد میں تھا بلکہ کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے یہاں غالباً ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی کی جلد دوم فتوی نمبر ۱۲۶: **قولہ ھو المصوب** [2] (وہ درست بنانے والا۔ ت)

اقول: (میں کہتا ہوں مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ **اولاً:** اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً: معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مصوب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیق صواب بخشے، تصویب بعد وقوع قول

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲ /۴۰۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنوی، انڈیا ۱۱۵/۲

ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم۔

ثالثًا: اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے:

صوبہ قال لہ اصبت وراسہ خفضہ[1]۔	صوبہ کسی کو کہا کہ تونے ٹھیک بات کی، صوب راسہ اس نے سر جھکایا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری[2]۔	صوبت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ (ت)

ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے:

التصویب خلاف التصعید ومن قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ اھ[3] **مختصرا۔**	تصویب، تصعید کے خلاف ہے اور جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالٰی نے اس کا سر آگ میں جھکا دیا اھ مختصراً (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی (جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں توامثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے **ھو الھادی** (وہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی کہ الٰہی! قائل کا سر نیچا کردے، الٰہی! اسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے **وباللہ التوفیق۔**

قولہ: نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے[4]۔

---

[1] القاموس المحیط فصل الصاد من باب الباء مصطفی الحلبی مصر ۱/ ۹۷

[2] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[3] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول اولاً: یونہی اکنیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً: اگر یہ مرد کہ اہل عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامہ اہل عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین وکافرین میں مشترک، اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اس کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے، اور نوٹ ہر گز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تمول اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہو گیا کیا ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً: حکم شیئ میں ہونا جنس وقدر شیئ میں شیئ سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث وجملہ کتب فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے[1]۔

اقول اولاً: ثمن اصطلاحی سے عنیت مثل اتحاد خاص وعام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں او ثمن خلقی عینی زر وسیم سے عینیت مسلم نہیں، کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہو گیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً: نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہل عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" سے مہجور۔

ثالثاً: اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کامذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکام ثمن نافذ فرمادے۔

رابعاً: ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب وفضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہ ایک نوع مستقل ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل، اسی طرح انواع مباینہ ومتباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص وعام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماع امت تفاضل حلال۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

قولہ: اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے[1]۔

اقول اوّلاً: اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کردے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہوجائے گا کہ عین کا عین ہے۔ اور لفظ اصل حشو ہے۔

ثانیاً: یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سنئے "لیتا ہے" سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلم اور اس سے وہم عینیت مدفوع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگایئے جب بھی **لایغنی من جوع** کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کر دے تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیس لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف نوٹ میں ادائے دراہم پر جب ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت و مثلی ایک نہیں سمجھے جاسکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنیوالا مخیّر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۱۸۵ سے ۱۹۰تک دیکھئے۔

قولہ: اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پر ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اسکی قیمت لینا ہوتا ہے[2]۔

اقول: (۱۳تا۱۷) اسکے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴میں گزرے، اور (۱۸تا۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو' پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے ۴صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔، دوم سکہ قیمتی ہے، سوم حقیر شیئ کسی وصت کے سبب اپنے ہزاورں سے امثال سے گراں ہوجاتی ہے۔ چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچوں رد صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹پر کہ تقوم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ: اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے[1]۔

اقول اوّلاً: پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود حرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نار جحیم وعاب الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ وتواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً: آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دیئے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے و دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے ہیں تو تانبا او سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدما بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً: پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایکدس اور ایک پانچ کا، یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعًا دو جنس متباین ہیں ولہٰذا باجماع امت وتواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شیئ واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

وجہ وہی تساوی رواج ومالی تھے جس کا بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔

رابعًا: حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق واتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہٰذا حیوان ہے کوا حیوان ہے لہٰذا ابیض ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔

خامسًا: یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہوجائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا ضرور ہوا کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف تغایر جنس کسی غرض ووجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انہیں صفحات میں بحر الرائق وردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا **وللہ الحمد**۔

سادسًا: طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر ورود عقد باین کرچکے ہیں اور یہ بلا فصل اس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اسکے عین جنس نقد بنادینے کی کوشش ہورہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا: میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا، دوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا: لطف یہ کہ دعوی تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی، اور اس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا تو دلیل مناقض دعوی ہے **فافھم** عــــہ (پس تو سمجھ)۔

عــــہ: اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قوله: بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔

اقول اولاً: خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً: مشاہدہ کے خلاف یوں اعتبار نہ آئے تو اس کا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہر گز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کرلیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً: مولوی صاحب چوکے، سو روپے کی مثال لاتے تو بات نظر عوام میں لگتی ہوئی ہوتی، واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار پیسے دینا چاہے تو دائن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی،، چوانی، اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سو روپے دیئے ابھی دیکھے بلا عذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً: اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، نافی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ (۲/۰) کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے اشارہ میں ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا، مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعوی پر صریح مصادرہ ہے **کما لایخفی**، لہٰذا نہ قابل سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہر حال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ۔

روپے میں ہوگا خصوصًا اگر گنگوہی دھرم کچا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں،

قولہ: پیس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو [1]۔

اقول اولاً: اس "پس" کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزرا کہ قبول و اتحاد جنس، عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یونہی عدم سے عدم پر 'آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہٰذا یہ بیض ہے یہ دوسرا رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہٰذا حیوان نہیں۔

ثانیاً: آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیًا اس مناط کا یہاں تحقق پایہ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثًا کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اس اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً: ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوجاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ کے سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہوجائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً: رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۷ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہوجائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو [2]۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

اقول اولاً: یہ دوسری "پس" اسی پس پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کردیا گیا **الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ** (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ت)

ثانیاً: بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے **ولکن لاتعلمون** (لیکن تم نہیں جانتے۔ت)

ثالثاً: روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وہ جس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول:** یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہی، خلقی، اصطلاحی، اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسین ہیں، سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں، ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے، اور سونے چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندلے کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہوسکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اودخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

رابعاً: جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہوسکتا ورنہ مباین باہم متحد ہوجائیں گے اور شیئ اپنے نفس کی مباین ہوگی ناچار ایک سے اتحاد مانئے گا اور وہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کررہے ہیں تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہوگا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوی ہوگا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸: قولہ پس ہر گاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا[1]۔

اقول اولاً: اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ ان کے ہاتھ میں ہیں نہ ان کے اکثر کو معلوم، نہ ان کی طرف انہیں التفات بلکہ اکثر کو ان پر ایمان بھی نہیں تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قول اول میں گزرا۔

ثانیاً: جیسی عینیت آپ یہاں بتاسکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۳۹۷

سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثًا: روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیونکہ درست ہوا۔

قولہ: باب **تفاضل** میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا[1]۔

اقول اوّلًا: یہاں آکر اس تیسری "پس" کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ "پس" پسینہ تو سب پسہائے پشینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کرلیجئے کہ ہاں تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلا نہیں آخر اس بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شیئ ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثم خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کررہے ہیں اپنے طور پر یقینا سود حلال کررہے ہیں کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیا (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات[2] (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ ت)

اقول: جناب گرامی نے صفحہ بر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گزر جائے اصلًا سند کا نام نہ آئے لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی **وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی** (اعمال کا دار مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلاتفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم لہٰذا نوٹ میں تفاضل حرام، اس میں کبرٰی تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں، اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغرٰی میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمایئے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہیئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کرلی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہوگیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول: نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں، بیع و شراء وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل و گناہ ہوتا ہے۔

قال تعالٰی "اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ(۲)" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یوں ہی اگر بفرض غلط تسلیم کرلیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کرلی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہ سونا چاندی ہے تو ان کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا نہ اصطلاحی سے خلقی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہوگا، نہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے۔ "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِؕ" [2] (اللہ تعالٰی کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ت) پھر فرمایئے حدیث کو یہاں کیا علاقہ ہوا۔ **قولہ ولکل امرئ مانوی** [3] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول:الحمدللہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں کہ اہل عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل ______ یہ مان لیں کہ دیدہ و دانستہ ان کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اسے سونا چاندی کردیا، تیسرا باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر **الحمدللہ** یہ حدیث بتارہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید و عمرو باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال جناب من! جب یہاں تفاضل کا مبنی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرماچکے ہیں کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہل عرف ہی کی اصطلاح و نیت نے اسے دس روپے کا کردیا اور ان کی اصطلاح و نیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انہیں اپنی جدا اصطلاح و نیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں: **لکل امرئ مانوی**[1] (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص کے حق میں اس کی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۴، ۳۴ ملاحظہ ہو، تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ میں اس اختیار کی بناء پر جو شرع مطہر نے ان کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کرکے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی، ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انہوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ **لکل امرئ مانوی**[2] (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑگئے۔

لطیفہ جلیلہ: یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب ے گل سرسبد بنایا اور آخر میں **ھذا سنح لی**[3] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

میں آیا مولوی صاحب کی انی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوی سے اخذ کی ہے تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصاور عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوی مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انہوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں میں فتوٰی حامی سنت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوٰی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میر فتوٰی نمبر ۱۲۴ ہے، دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتوٰی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوٰی ہے جس میں انہوں نے فتوی فقیر کے بعض کلموں سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتارہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں **ماظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ہوا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں **ھذا ماسنح لی واللہ اعلم بالصواب**[1] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحنہ اللہ تعالٰی علیہ بہتر جانتا ہے۔ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوٰی میں بنام وہم لکھ کر رد کردی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عہدہ برآ ئی نہ کی میرے فتوٰی میں بعد بیان حکم وعبارت کتب تھا "مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہر گز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریر دینا چاہئے"۔ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اسی کو

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا،

اولاً: مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل، اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سنے میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔

ثانیاً: مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے" فرمایا "عین ثمن خلقی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں فقیر نے انہیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کردیا تھا" گویا بعینہٖ روپیہ ہے، گویا وہ سو روپے تھے"۔

ثالثاً: ولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کارد سن چکے، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ "عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسخ لی فرمانا بجا ہے **لکل ساقطۃ لاقطۃ** (ہر گری پڑی شیئ کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت) اب جواب کی طرف چلئے، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا "مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے" (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۷ تک گزریں بیان کرکے لکھا" نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہٰذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلیقہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دو سو کا فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہوگئے یونہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں، باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی ہے یہ اس سے کم و بیش نہ کرسکیں، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خرید لیں صرف تراضی درکار ہے وبس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بألف یجوز ولا یکرہ[1] الخ۔	اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلا کراہت جائز ہے۔الخ (ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہاء نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا" جب یہاں تک شرعًا جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحد نہ جنس واحد الی اٰخرہ"۔ یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہ اولیں قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائز ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمدللہ رب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے:

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) ان میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازہ قیمت نے اسے روپے نہ کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم وبیش کریں۔

(۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی۔

(۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے اولاًیکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اڑا کر بالکل کھویا، مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کردیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

ثانیًا: ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثاً: اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بیگھیوں میں پھیلایا اور بات اتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رد کیا کہ عرف نے اسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا اور سو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے اس کا جواب غائب۔

رابعاً: امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلم ٹھہر کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۳۴ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خامساً: تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی روپے اشرفی کی کری مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری سن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اس کا لطف ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اٹھائیے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمد للہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلہ اکابر فضلاء کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ **قال ابوحنیفۃ کذا والحق کذا** (ابوحنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) "**استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل**(ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) "**ھھنا وھم اٰخر لصاحب الکتاب**" (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کے خاک پاکے زلہ رباؤں کے ادنٰی خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اس نے ادا کی ادا نہ کر سکیں پھر اس نے جو اس کے جواب دیئے ان سے عہدہ برآنہ ہوں، اس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا ایک ایک لفظ ایک حرف پر **ھٰھنا وھم آخر** (یہاں ایک اور وہم ہے۔ت) کا ویرا پڑا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم

من الثریا ابوحنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبٰی للغرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ت) کا بلا استحقاق محض ان کے فضل سے امیدوار، بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرامت عالیہ کا اظہار ہے وبس، الٰہی! تیری بے شمار رضائیں ابوحنیفہ پر اور ان سب پر جو عقائد میں ان کے موافق ہو کر اعمال میں ان کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور ان کے ایسے ہی مقلدوں پر تار وز قیام وعلٰی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود سلام ہو۔ت)

تنبیہ: اتنا ملحوظ رہے کہ میدان **بحمد اللہ تعالٰی** ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کے بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے، کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرالیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ جانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے **وللہ الحمد**۔

تسجیل جلیل: چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جایئے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوٰی کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے انکے جواب لکھے اور ان میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی، جیساکہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

سوال: ربا چیست؟ **جواب:** فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضہ مالیہ بلا عوض، در بحر الرائق آورد **ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص**	**سوال:** سود کیا ہے؟ **جواب:** مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلا عوض زیادتی۔ بحر الرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانس علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن[1]، انتھی۔	مراد ہے اور وہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل ووزن کے ساتھ، انتہی۔ (ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سود نہیں، بازار کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں، بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اس تقریر کو **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) بنادیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہوسکتے، اور بفرض باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو کہ سو روپے بلا شبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر دہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہر حال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچیے یہاں ربا آہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، **وھو المقصود** (اور وہی مقصود ہے۔ت)

قولہ: اور اگر اسمیں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہہ ربا باعث حرمت ہے[2]۔

اقول اولاً: یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہٰذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً ادھر ادھر خواب جھانک لینا تھا کہ تصریحات ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵، ۹۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

کہ نوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لیناپڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقد۔بہت دلائل علمائے متاخرین **شکر اللہ تعالٰی سعیھم** نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں ان میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں توآپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے توجب تک مناط کامل طورپر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نرازبانی قیاس محض وسواس۔ثالثاًاس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھاکہ وہ مناط نوٹ میں متحقق،اس وقت آپ کافرمانا قابل سماعت ہوتااور خالی دعوی توپادرہوا

ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کافتوی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھرگیہوں سواسیر گیہوں کے عوض بیچناآپ نے جائز مانا،یونہی ایک سیب دوسیب کو،یہاں توجنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم،یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا،آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دومشت گندم جائزست یانہ؟ **جواب:** جائزست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس درکم از نصف صاع تفاضل درست ست،درعالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ[1] انتہی۔	**سوال:** ایک سیب کی بیع دوسیبوں کے بدلے میں یاایک مٹھی گندم کی بیع دومٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یانہیں؟ **جواب:** جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم،لہٰذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے حکم میں ہے۔(ت)

ثالثاً: رسالہ صفحہ ۱۶۹،۱۷۰ پر بحرالرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سوپیسے کو بیچناجائز،یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی،پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

رابعاً: آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کادو جنس ہونانہ معلوم ہو تو انہیں اہل عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کاسارادار ومدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے،یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سوکا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ "نوٹ سوروپے کا کوئی ہلاک کردے"، اور فرمایا "سوروپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے"، اور فرمایا "نوٹ سوروپے کا دیوے" اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتار کر، وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

۱۔ ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سواشرفیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۶۳۔

۲۔ ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ص ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۷۷۔

۳۔ ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہہ ربا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

ان میں شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامسًا: بتصریح ائمہ یہاں شبہہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت، تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت، بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سوکا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کررہے ہیں صراحۃً سود حلال کررہے ہیں۔

قولہ: علاوہ ازیں جو بیع وشرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہوجائیں اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور پر ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا[1]۔

اقول اولًا: قصور معاف ع

مستی از بادہ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحر الرائق سے نقل کرچکے ہیں کہ مطلقًا زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہاں میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیًا: آپ کی "علاوہ ازیں" کہہ رہی ہے کہ اب ربا وشبہہ ربا دونوں سے قطع نظر فرماکر

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۹۸۔۳۹۷

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمایئے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا، تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے پچیس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتایئے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سولے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اسلئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ ان کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہوجائے وہ بیع کہ بلاشبہہ حلال تھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آیندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز وحرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثاً: صفحہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی وامام شمس الائمہ زرنجری وامام بکر خواہر زادہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلاکراہت جائز وحلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعاً: اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوٰی نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم ودنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہوجائے تب بھی درست ہے"[1]

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۱

اقول: یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲/ کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔ ت) بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہر گز خرید نے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲/ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر ربا و شبہہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسًا: (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ ص ۱۷۰ سے ۱۷۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسًا: یہی چھ کیا ہزار حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ وہ کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعًا: آپ خود اپنی ہی نہ کہئے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرما برابر کرکے بیچو"۔ اس پر عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ دار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم جنیبا[1]۔	یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنیب) روپوں سے خرید لے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمہ صورۃ لاتدخل فیہ الربا مع حصول المقصود[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھا دی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

[1] المؤطا للامام محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۴-۳۵۳

[2] التعلیق الممجد علی مؤطا محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۳

جناب من! اسی کا نام تو حیلہ شرعیہ ہے پھر اس سے حکم حلت نہ ہو سکنا کیا معنی، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ بات بتارہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

ثامنًا: اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابوسعید خدری وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی وہ حدیث [1] روایت فرمائی جو رسالہ کے ص ۱۹۵و۱۹۶پر گزری اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ:

اشار الیه بما یجتنب عن الربا مع حصول المقصود [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس میں ربا سے بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے۔

سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا:

بهذا كله ناخذ وهو قول ابی حنیفة و العامة من فقهائنا [3]۔	یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے سب فقہاء کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔

رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیّہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے [4]۔

اقول اولا: یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا ممنوع ہوگا، حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھئے تو وہ بھی حرام ہو۔

کلید در دوزخ ست آں نماز　　　　کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کی چابی ہے جس کو تو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے لمبا کرکے پڑھے)

ثانیًا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا، تمام

---

[1] الموطا للامام محمد باب الربٰو فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[2] التعلیق الممجد علی موطا محمد باب الربٰو فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[3] الموطا للامام محمد باب الربٰو فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[4] التعلیق الممجد علی موطا محمد باب الربٰو فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

ائمہ مذہب اس پر عمل فرمارہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی "**والحق**" اگر اس کے موافق ہے چشم ماروشن دل ماشاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ت) اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چننی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہل حق کے نزدیک بجوئے نیرزد" (ایک جو کے لائق بھی نہیں۔ت)

ثالثًا: آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو تو حیلہ جائز ہے اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیچ میں مبادلہ دراہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم خریدنی، بلکہ منظور انہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام اعظم وامام محمد وجملہ ائمہ مذہب نے معاذاللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وہ تو حیلہ شرعیہ کو جائز فرمارہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت "حیلہ شرعیہ ہی کب ہوئی" بلکہ قصدًا شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی "**والحق**" کی الگ چنائی کاہے پر چنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپیوں سے بیچ کر وہ قسم روپیوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہوجائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵و۱۹۶پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہوجائے، کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم وامام محمد وائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی [1] جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہٰذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

---

[1] التعلیق الممجد علٰی مؤطا امام محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۳۵۷

تاسگا جانے دیجئے گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جناب من! پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہوسکتا[1]۔

قولہ: تہذیب الایمان میں ہے[2]۔

اقول: مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلٰی پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے ان کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل وبے قدر وبے وقعت زید و عمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے، اور اتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے، انہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الآثار، تہذیب النحو سنی تھی، معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوٰی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلٰی واعلم وافضل واکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرمالیتے تو جھگڑا چکتا۔

قولہ: انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ماشرعھا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کائدالشرعہ[3]۔	**قولہ:** بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالٰی نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کرنیوالا اسکے دین سے دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کرنیوالا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو، یہ وہی صورت ہوئی کہ بیچ میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے، اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقینا یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں، شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اسکی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے، مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا رہے۔

اقول: تو کیا گناہ کیا، اس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر، شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو، وہی اس نے چاہا تو مقصد شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حرمت کدھر سے آئی۔

قولہ فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلك الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ[1] **انتہی۔**	**قولہ** کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اولاً: حرام مراد لازم المحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے، بر تقدیر اول اسی لازم المحرمۃ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول و فرار پہلے صورت پر حیلہ ہی کب ہوا، صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہو گی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل کو وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہو جائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولٰی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً: دور کیوں جایئے خود اپنی سنئے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام، اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہو گیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہو جائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کر لیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ **نفع المفتی** میں دیکھئے:

الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی	حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یونہی برجندی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا عـــہ فی الایقاد قلت الانتفاع بالجنس بالاستھلاك جائز کاراقہ الخمر و تخلیل الخمر وھذا کذلك فیجوز [1] اھ باختصار۔	میں کہا ہے اگر تو کہے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کرکے جائز ہے جیسے شراب کو بہا دینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انہیں صورتوں جیسی ہے لہٰذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔(ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا مگر یوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ: پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا[2]۔

اقول: عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقینا معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اسے بعینہٖ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے اور سود نہ ہو حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے، خیر یہ تو پہلے معروض ہوچکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہہ ربا سے قطعی گزر گئے، "علاوہ ازیں" کہہ کر تو ان کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کر دیانۃً، قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم واثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً وشرعًا غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلاف دیانت ہے۔

قولہ: اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل ماباع وغیرہ ذلک (کسی چیز

عـــہ: الاصوب بہ ۱۲۔

---

[1] نفع المفتی والسائل مایتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳۶

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو اس سے کم پر خرید نا جتنے پر بیچا ہے وغیرہ ذلک۔ت) کی ممانعت مذکور ہے۔[1]

اقول اولا: **الحمد ﷲ!** اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہ تحریمی۔ حاشا ہر گز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز، حلال، روا، درست غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولٰی بھی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابویوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلاف اولٰی ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰و ۱۷۱و ۱۷۳تا ۱۷۶و ۱۷۸و ۱۷۹، ۱۸۰ بلکہ ۱۶۴تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابویوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولٰی۔

ثانیًا: وہ خلاف اولٰی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ ۱۷۹ و ۱۷۱، ۱۷۰ وغیرہما پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا در کنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بد خواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے، **والحمد ﷲ رب العٰلمین۔**

ثالثًا: **شراء ما باع باقل مما باع عند التحقیق ربح ما لم یضمن** (کسی چیز کو اس سے کم پر خرید نا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا ضامن نہیں بنا۔ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادانہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہو جائے تو اس کی جائے مشتری پر اس کا اثر نہ ہو، وللہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں **کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں **کما فی جمیع الکتب** (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ ت) ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی، یوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خرید لی، احتمال سقوط ساقط ہوگیا تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کرلئے یوں شبہہ ربا آیا بہر حال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریة بالف درہم حالة اونسیئة فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائة قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی، لان الثمن لم یدخل فی ضمانه فاذاوصل الیه المبیع ووقعت المقاصة بقی له فضل خمس مائة وذٰلك بلاعوض [1]۔	جس شخص نے ہزار درہم نقد یا ادھار کے بدلے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر پہلے ثمن کی ادائیگی سے قبل وہی لونڈی پانچ سو درہم کے بدلے بائع کے ہاتھ فروخت کردی، تو دوسری بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئے تو جب مبیع دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا اور پانچ سو درہم اس کے بدلے میں ہوگئے تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بچ گئے اور وہ بلاعوض ہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذی عقل من معنی النھی انه استربح مالیس فی ضمانه ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لایدخل فی ضمانه قبل القبض [2]۔	وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز پر نفع سے منع فرمایا جو اس کے ضمان میں نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وھذا احسن من تقریر قاضی خاں اعتبار الشبھة بان الالف	یہ قاضی خاں کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہ ربا کا اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے کی بایں طور

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۳ /۶۰

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۷۷

وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتھی[1]۔	کہ ہزار درہم جو کہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہوسکتا تھا اس احتمال کی بنا پر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پاکر واپس کردیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہوجاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔ انتہی۔ (ت)

رابعًا: وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہ ربا ہے آپ ربا وشبہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہ ربا ہے اس سے اس پر استناد کیونکر کرسکتے ہیں۔

خامسًا: آپ "اسی وجہ سے" کہہ کر دونوں مسئلوں میں علت حکم ایک بتارہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا۔ کیا **شراء ماباع باقل مماباع** (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ ت) بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز، **فافھم**

سادسًا: آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کردئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچسو کو خریدلی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے یہ جائز وحلال ہے۔ درمختار میں ہے:

فسد شراء ماباع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[2] اھ ملتقطا۔	اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادائیگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادائیگی کے بعد ہو تو جائز ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہر حال موجود، مولوی صاحب! مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بیخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قولہ: اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے[1]۔

اقول اوّلاً: احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ میں گزریں اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی،

ثانیاً: خود آیہ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰ پر تلاوت ہوئی، فتاوٰی ذخیرہ، فتاوی ہندیہ میں ہے:

الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالٰی وخذ بیدك ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث وہذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام عن یمینہ التی حلف لیضربن امرأتہ مائۃ عود وعامۃ المشایخ علی ان حکمھا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب[2]۔	اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو، حضرت ایوب نبی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھالی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمایا (کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

قولہ: اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہوسکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانھا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ[3] (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ت)

اقول اوّلاً: یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہ وہیں دفع

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

ہو چکا، پھر "اگریہ شبہہ ہو" کا محل کیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہو گیا بات وہی ہے کہ لے دے کر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی تو سہی عبارت تو وزنی ہو جائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کردیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہیں نہیں۔

ثانیاً: ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت سے نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہو گی اور حرمت لازم۔

اقول: بجاہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثاً: حل کروں آپ مقاصد شرعیہ واغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت وفساد حلت وحرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ انکے نزدیک انہیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض وتصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیچ کر ثمن اس کو معاف کردے دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض ان میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد وحرام اور دوسری صحیح وحلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولٰی سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی موجب دخول نار، اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلاانکار، نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام ومقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القاء کرتا ہے انصاف کیجئے تو ایک ہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی ووافی ہے ﷲ الحمد۔

رابعًا: ایک ذرااور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناسی دیانت پرور ہیں۔اسی جلد دوم کے فتوٰی نمبری ۷ ۹ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے "خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا بھی نقد خریدے تو مثلا سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعا کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے،اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعا کوئی قباحت نہیں،**صح الجواب واللہ اعلم۔حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ**[1]،ذرا فرمائے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصا وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا اور بلادغدغہ صح الجواب جڑ دیا،پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے "**والاجل یقابلہ قسط من الثمن**"مگر ایک بات قطع ہونا لازم،اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر یہ حرام وفاسد ہے، فتح القدیر میں ہے:

لابد ان یکون الاجل معلوما لان جھالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذٰلك انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلجھالۃ الثمن[2]۔	میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے،رہا اس صورت کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی فروخت کی تو یہ جہالت ثمن کی وجہ سے (باطل) ہے۔(ت)

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵۔ ۳۹۴

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۴۶۸۔۴۶۹

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد واجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل باع علی انه بالنقد بکذا و بالنسئیة بکذا اوالی شهر بکذا والی شهرین بکذالم یجز[1]۔	ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی، یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی (ت)

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کردیا، پھر بین المیعاد ثمن قبول کرلینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا، پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حق مشتری ہے، کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا، اشباہ میں ہے:

الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمه لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطه هکذا ذکر الزیلعی فی الکفالة وهی ایضاً فی الخانیة والنهایة[2]۔	اگر مقروض میعادی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقروض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کردے، زیلعی نے باب الکفالہ میں یونہی ذکر کیا، اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے، اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہئے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پرکھنے کا ادعا رکھے، اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے، ولا حول ولاقوۃ الا باللّٰه العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے۔ت) اس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے براہ خطاء صریح دودھ کے چچا کو

[1] فتاوی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۳۸

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوی پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوادیں، فتوی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سجھائے سے سوجھیں اور دوسرا فتوی حرمت پر لکھا اور پہلے فتوی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کی در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد[1]۔	قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے مہر لگادی گئی۔(ت)

حلال وحرام خصوصا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت وبیباکی کا کھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]۔	تم میں سے جو فتوی میں زیادہ بیباک ہیں وہ جہنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے "مگر بر اعتماد ایشاں" نے ان کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی اے **سبحان اللہ**! مجتہدی کا دعوی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کر گیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے **نسأل اللہ العفو والعافیۃ** (ہم اللہ تعالی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ت)

قولہ: باقی رہا فتح القدیر **کالو باع کاغذۃ بالف یجوز**[3] **انتھی** (اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے **انتھی**۔ت)

اقول: انتہی نہیں اس کے بعد ولا یکرہ[4] (اور مکروہ نہیں ہے۔ت) بھی ہے اور خود میرا

---

[1] فتاوٰی نذیریہ

[2] سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فتوی آپ کے پیش نظر ہے اس میں بھی منقول یعنی "کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلا کراہت بھی نہیں" اسے پردہ انتھی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ "لایکرہ" مکروہ لگتا ہے تو محقق کی شان یہ تھی کہ اسے نقل کرکے رد فرماتے، آخر امام ابن ہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہوسکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الی آخرہ لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی "**یجوز**" تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتھی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی، یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ: پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمنی خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ[1]۔

اقول اولاً: عینیت تو بارہا گھر تک پہنچادی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیئے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ توہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہوجائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نو سو پچانوے اڑ گئے۔

ثانیاً: عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرماکر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنادیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتایئے۔

ثالثاً: صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے، ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور تا قیامت ہوتے رہیں گے، ان کے احکام اطلاقاتِ ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اس زمانے میں کب تھیں لہذا یہ ان کی مراد وزیر حکم نہیں۔

رابعاً: سنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لائیے گا جن کا بیچنا مقصود بنایئے گا، ایک محقق عالم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے، نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں **نسی ماقدمت یداہ** (بھول گیا وہ جو اسی کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ت)

خامسًا: جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ **یجوز ولایکرہ**[1] بلاکراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں "**نسی ماقدمت یداہ**" ہو گیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے "**لایکرہ**" چھوڑ کر انتی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتی پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہٖ تعالٰی ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا **وللہ الحمد**۔

قولہ: ھذا ماسنح لی[2] (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت)

اقول: ای من دون دلیل و مایلی لاخفی ولاجلی۔	**میں کہتا ہوں** بغیر دلیل خفی اور دلیل جلی ہے۔(ت)

قولہ: واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب[3] (اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ت)

اقول: ھو المصوب سے یہاں تک فتوی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز حجاب ہے،

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[4]۔ اللھم ربنا ارض عنا بکرمك و منك ورأفة حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یاعزیز	مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے، اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل واحسان کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یا غفور اٰمین والحمد للہ رب العلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سیدالمرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین سبحنك اللھم وبحمدك اشھدان لا الہ الاانت استغفرك واتوب الیك سبحن ربك رب العزۃ عما یصفون و سلم علی المرسلین و الحمد للہ رب العلمین۔	میں خسارہ نہ ہو اے عزت والے اے بخشنے والے! ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰی اور آپ کی تمام آل واصحاب پر اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمدللہ! کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلٰی کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہٰذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ **ھذا ما ظھر لی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت) پھر بفضل رب قدیر عزجلالہ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے:

مؤید اول: محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظّمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جداوی دواما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ **کفل الفقیہ** وہیں لکھ دیا، پہلا فتاوٰی ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہٖ تعالٰی پہروں کا خوض کامل جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سدراہ نہ ہوا، یہ نظر اولین کا پہلا مؤید تھا۔

مؤید دوم: اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیر نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوض تام کیا اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم: مکہ معظّمہ کے اجلہ علمائے کرام ومفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھوا کر سنا اس کی نقلیں لیں اور **بحمد الله** سب نے یک زبان مدحیں کیں، جسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میرداد حنفی حضرت عالم العلماء مفتی سابق وقاضی حال علامہ مولٰنا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیّہ عبدالله صدیق حفظہم الله تعالٰی، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر ان سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے ان کو نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیرہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیّہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبدالله بن عمر من ہذا البیان اولفظاہذا معناہ۔	شیخ جمال ابن عبدالله ابن عمر اس بیان تک کیوں نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کہے۔ (ت)

حضرت مفتی اعظم مکہ معظّمہ مولانا جمال بن عبدالله بن عمر حنفی رحمۃ الله تعالٰی علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتی حنفیّہ تھے اس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے اس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرمادیا کہ "**العلم امانۃ فی اعناق العلماء والله تعالٰی اعلم**۔ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے والله تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطانہ فرمایا، حنفیّہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیّہ نہایت کرم واکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی، ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، **والحمدلله رب العلمین**۔

مؤید چہارم: اب کہ **کفل الفقیہ** دوباہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰی نظر پڑا اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہوجائے خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں غایت درجہ چھ ورق بس ہوں گے، مگر فیض قدیر سے اضافہ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جزء کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگانہ رکھا یہ بحمد اللہ تعالٰی اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ذی رائے اثر ثابت ہوں یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کرکے ناکام رہیں واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے ہے آسمان فیض مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے **وللّٰہ الحمد**، بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنٰی غلاموں کا پاسنگ ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوٰی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جُہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش، اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات دلکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہٖ عزوجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

فان یك صوابا فمن اللہ تعالٰی وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان واللہ ورسولہ برئیان [1]۔ **واقول: کما قال ابونا اٰدم علی نبینا**	اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت) اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۸

الکریم وعلیه افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللهم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم مافی نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی الله تعالٰی علی سیدنا محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخردعوٰنا ان الحمدلله رب العلمین سبحنك اللهم وبحمدك اشهدان لااله الا انت استغفرك واتوب الیك قال الفقیر احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفرالله تعالٰی له وحقق امله واصلح عمله والحمدلله والصلوٰۃ والسلام علی مصطفاه اٰخرکل کلام واوله اٰمین۔	(اللہ تعالٰی ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین درود و سلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما، اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار اور آقا محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اس کے منتخب نبی، (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول وآخر میں، آمین۔ (ت)

باب الاستحقاق

(استحقاق کا بیان)

مسئلہ ۲۲۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیازن اور ہمشیرہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پختہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑ کر انتقال کیا، نیاز بی بی کا ایک ہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا۔ نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پختہ بعوض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسب معمول صرف اپنا مالک و قابض و متصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلادیا بعدہ، بائعہ حج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وارثت تین ربع کا مکان پر دعوی کیا اور کچہری سے ڈگری پائی ایک ربع مشتری کے پاس رہا، نیاز بی بی حج سے واپس آکر انتقال کر گئی وارثان نیاز بی بی نے دعوی مہر کیا ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تو تین ربع مکان پختہ اور کل مکان خام مہر میں نیلام ہوگئے اب وارثان نیاز بی بی ایک ربع پر باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کرلینا چاہتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعوی وارثان صحیح ہے یا باطل؟ اور تین ربع کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربع باقی ماندہ بھی اگر بحکم شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابل واپسی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نیاز بی بی نے جس کا مہر مال غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پوجو بذریعہ مہر

قبضہ کیا صحیح تھااور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتوٰی ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہوچکی اور وہ بیع کہ اس نے بدست محمد وزیر کی صحیح ونافذ تھی نہ بنی کو اپنا دعوی وارثت پہنچا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثان نیاز بی بی دعوی مہر کرسکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پاچکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کرلینا بذریعہ مہری تھا تو اب دین اداشدہ کا دعوی کا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پاچکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کرچکی وہ تمام مالک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ نیاز بی بی ٹھہر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہوجائے۔

فی الشامی والطحطاوی عن شرح الکنز العلامۃ الحموی عن الامام العلامۃ علی المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان [1]۔	شامی اور طحطاوی میں علامہ حموی کی شرح کنز سے بحوالہ امام علامہ علی مقدسی منقول ہے، انہوں نے اپنے دادا اشقر سے بحوالہ شرح قدوری از امام اخصب ذکر کیا کہ خلاف جنس سے وصول کرنے کا عدم جواز مشائخ کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ لوگ حقوق میں باہم متفق تھے آج کل فتوی اس پر ہے کہ جب اپنے کی وصولی پر قادر ہو چاہے کسی بھی مال سے ہو تو وصول کرلینا جائز ہے۔ (ت)

اور بالفرض اگر اس فتوی کو ماخوذ نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ بنی کی۔

فان الدین المحیط یمنع ملك الوارث [2]، کما فی الاشباہ وغیرہا	کیونکہ تمام مال کا احاطہ کرنے والا قرض وارث کی ملکیت سے مانع ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

تو بیع کہ نیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھہرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۰۴

قطعاً مشتری زر ثمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ مبیع بھی اس سے لے لیں اور ثمن ادا کردہ بھی واپس نہ دین پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دیئے جائے جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کرلیں۔

فی الخانیه وغیرہا اشتری شیئا فاستحسن من یدہ رجع المشتری علی البائع بالثمن [1] اھ ملتقطا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خانیہ میں ہے کہ کسی نے کوئی شے خریدی پھر اس کے قبضہ میں اس شیئ میں استحقاق ثابت ہوگیا (تو وہ اس کے قبضہ سے نکل گئی) تو مشتری بائع سے ثمن واپس لے گا اھ التقاط۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۱:　　از شہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب　　۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسر نابالغ اور ایک دختر نابالغہ چھوڑی تھی منجملہ ان ورثاء کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کرکے فروخت کردیا، اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں اس اثناء میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر ومرمت جدید مذکورہ از روئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادائے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑ لے جائے۔

الجواب:

اگر ثابت ہو کہ شرعاً مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم کردیں گے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کرلے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت ومرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انہیں چھوڑ دے واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲:　　مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مسئولہ علی بہادر خاں صاحب　　۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ "موازی (۷ اللعہ) پختہ اراضی نمبری (۴۲۴ معہ ۵)، (۴۳۵ معہ ۱۲)، بعوض چار سو روپے بدست زید

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی الاستحقاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۷۸

بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم وشریک پیدا ہو ضمان ذمہ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط" بکرنے زر ثمن تمام وکمال وصول کر لیامبیعہ پر مشتری کو قبضہ کرادیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکم ریاست کو معلوم ہوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف (۳للعہ) تھی ۱۴ بسوۃ زائد پر اس نے دخل کیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہوگیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ (۱۷للعہ) بیچ ڈالی جس میں ۱۴ بسوہ زمین سرکاری ہے لہٰذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعہ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کرکے ضبط سرکار ہو باقی (۳للعہ) کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عملدرآمد ہوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہوگیا اب مشتری اس چودہ بسوہ خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعًا اسے اس کا حق ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بکر ایک زمین (۱۷للعہ) بتاکر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام وکمال ملتی مگر پیمائش میں ۱۴ بسوہ خواہ بیگھوں کم آئی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا۔

لان المساحة وصف فی الممسوح ولم تصر مقصودہ کان یقول کل ذراع بکذا فلم یقابلها الثمن	کیونکہ پیمائش وصف ہے اس چیز میں جس کی پیمائش کی جاتی ہے اور وہ مساحت مقصود نہیں ہوتی جیسے یوں کہے کہ ہر گز اتنے کا ہے تو اس کے مقابل ثمن نہیں ہوتے۔(ت)

بلکہ اس پر کم پر مشتری کی رضا ظاہر نہ ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اس کو پوری قیمت پر قبول کر یا مبیع پھیر کر ثمن واپس لے **لانہ فات علیہ وصف مرغوب فیہ فیتخیر** (کیونکہ اس پر پسندیدہ وصف فوت ہوگیا ہے لہٰذا اس کو اختیار ملے گا۔ت)

درمختار میں ہے:

ان باع صبرة علی انها مائة قفیز بمائة درہم وہی اقل او اکثر اخذ المشتری الاقل بحصتہ ان شاء او فسخ، وما زاد للبائع، وان باع المذروع علی انہ مائة ذراع مثلا اخذ المشتری الاقل بکل	اگر ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ یہ سو بوری ہے سو درہم کے بدلے میں، حالانکہ وہ ڈھیر سو بوری سے کم یا زیادہ ہے تو مشتری کو اختیار ہے کہ کمتر کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے یا بیع کو فسخ کردے، اور جو سو بوری سے زائد ہے وہ بائع کا ہے، اور اگر مذروع کو مثل سابق بیچا کہ یہ مثال کے طور پر سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں تو مشتری کو اختیار ہوگا

الثمن واترك واخذالاكثر بلاخيار للبائع [1]۔	کہ وہ کمتر کو پورے ثمن کے عوض لے لے یا چھوڑ دے اور اکثر کو مشتری لے لے گا، بائع کو اس میں اختیار حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

مگر یہاں یہ صورت نہیں مبیع بتمامہ قبضہ میں رہ کر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ مبیع سے ایک قطعہ ملک ریاست قرار پاکر قبضہ سے نکل گیا، یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع سے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی وقیمی مذروع ومعدود وغیرہا سب برابر ہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا كان المشترى شيئا واحدا كالثوب الواحد والعبد فاستحق بعضه قبل القبض اوبعده فللمشترى الخيار فى الباق ان شاء اخذه بالحصة وان اء ترك [2] الخ وعزاه للمحيط وظاہر ان الثوب قيمى مذروع قال فى ردالمحتار وان بع المذروع كثوب وارض درمنتقى [3] اھ وقد حكم فى استحقاق بعضه باخذ الباقى بالحصه۔	جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام، پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی کو اس کے حصہ کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے، ردالمحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین درمنتقی اھ، بے شک اسکے بعض میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لینے کا حکم کیا گیا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

استحق بعض المبيع فلم لو يميز الابضرر كدار او كرم الارض وزوجى خف ومصراعى باب	بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوگیا تو (دیکھیں گے کہ) اگر وہ بلانقصان جدا نہیں ہوسکتا جیسے مکان، انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱

وفق یتخیر المشتری والا فلا، ثم لو اورث الاستحقاق عیبا فیما بقی یخیر المشتری کما مر ولولم یورث عیبا کثوبین استحق احدھما فالمشتری یاخذ الباقی بحصتہ بالاخیار [1]۔ ملتقطا	دروازے کے دوپٹ تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ملے گا ورنہ نہیں، پھر اگر استحقاق باقی مبیع میں عیب پیدا کردے تو مشتری کو اختیار ملے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر وہ عیب پیدا نہ کرے جیسے دو کپڑوں میں سے ایک میں استحقاق ثابت ہوجائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا۔ ملتقطا۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے ۹۷/۱۴ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی ۵۴/۷۵ پائی، یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسدہ واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرائط فاسد مذکور ہیں مثلا یہ کہ اگر جز کل اراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہرجہ وخرد چہ ذمہ بایعان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ف تک قطع کرکے اراضی مکشوف کردیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع متصور ہوں گے اس کے دعوی چوب درختان نہ رہے گا، بعینامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا، درمختار میں ہے:

لو کتب فی الصك فما اتفق المشتری فیھا من نفقۃ اورم فیھا من مرمۃ فعلی البائع یفسد البیع [2]۔	اگر بیعنامہ میں لکھا گیا کہ جو کچھ مشتری مبیع پر خرچ کرے گا یا اس میں حرمت کرے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ (ت)

تو بائع ومشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کردیں، زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے، اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبرا فسخ کردے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخہ	فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ

[1] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰-۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قبل القبض اوبعدہ مادام المبیع بحالہ فی ید المشتری اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعہا بحر، و اذا اصر احدھما علی امساکہ وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیہما حقاللشرع، بزازیۃ[1]۔	کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو دور کرنا واجب ہے بحر، اور اگران میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں پر جبر کرتے ہوئے فسخ کرسکتا ہے، بزازیہ۔ (ت)

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں صحیح بیع کرلیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

باب البیع السلم
(بیع سلم کا بیان)

مسئلہ ۲۲۳: از فیروز پور ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹوتی کا روپیہ پیشگی دے دیا اور ناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے بیع سلم کہتے ہیں، یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہو جائے گی:

(۱) اس شیئ کی جنس بیان کردی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ میں لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کردی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فرد یا کسیلے

(۴) اس کی مقدار معین کردی جائے مثلاً اتنے من، اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل مقدار خود معلوم ہو جائیگی۔

اور جہاں مختلف پسیروں کارواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کردی جائے جو یاک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار ہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلّہ میں چاہے پہنچادے وار جو مکان بھی خاص کردیا تو وہی پہنچانا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعین ہوجائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا ہوتے جیسے سونا، چاندی، روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر، چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی وانگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہئے۔

یہ دسوں ۱۰ باتیں خاص عقد ایجاب وقبول میں بیان کرنی ضروری ہےں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید وعمر سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے، وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے دعدہ پر مرادآباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا، وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کردیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کرکے ثمن دیئے بغیر متفرق ہوگئے تو بنا بنایا عقد فاسد وناجائز ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے آٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور

بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہو گئی عقد فاسد ہو گیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دیئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو ناجائز وگناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار بالتلفیق والاختصار، شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة (اجمالا والافالاربعة الاول منها تشترط فی کل من راس المال والمسلم فیه ثمانیة بالتفصیل، بحر) بیان جنس کبر او تمر، وبیان نوع کمسقی (ما سقته الماء، وفیه عن الخلاصة لایشترط بیان النوع ما لا نوع له وفیه عن المعراج انما یشترط بیان النوع فی رأس المال اذا کان فی البلد نقود مختلفه والا فلا) وصفة کجید اوردی، وقدر ککذا کیلا، واجل واقله شهر به یفتی، وقدر رأس المال ان تعلق العقد بمقداره (بان تنقسم اجزاء السلم فیه علی اجزاءه فتح ای بان یقابل النصف	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں مخلوط عبارت بطور اختصار یوں ہے کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (مبیع) دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلا یہ چار کے بجائے آٹھ ہوئیں، بحر) (۱) مسلم فیہ کی جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جسمیں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔ (۳) مفسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص (۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتوی ہے۔ (٦) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے

بالنصف والربع بالربع وھکذا وذٰلك انما یکون فی المثلی)،والسابع بیان مکان الایفاء للمسلم فیه فیماله حمل ومؤنة شرط الایفاء فی مدینة فکل محلاتھا سواء فیه حتی لو اوفاہ فی محلة منھا بریٔ ولیس له ان یطالبه فی محلة اخری بزازیة ولو عین مکانا تعین فی الاصح فتح،وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدا نھما وان ناما او سارفرسخا اواکثر ولودخل لیخرج الدراھم ان تواری عن المسلم الیه بطل وان بحیث یراہ لاوھو شرط بقائه علی الصحة لاشرط انعقادہ بوصفھا فینعقد صحیحاثم یبطل بالافتراق بلاقبض [1]۔	کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے اور یہ صورت صرف مثلی چیزوں میں متحقق ہوسکتی ہے،(۷)اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں باربرداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تواس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلّہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچادیا توبری الذمہ ہوگیا مشتری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلّہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے(بزازیہ)اوراگر کوئی مکان معین کردیا تو وہی معین ہوگا اصح مذہب پر(فتح)اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو،اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طورپر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سوگئے ہوں یاایک فرسخ یااس سے کچھ زیادہ اکٹھے چلتے گئے ہوں(اس کے بعد قبضہ کیا ہو)اوراگر رب السلم(مشتری)درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ مسلم الیہ(بائع)کی نظر سے اوجھل ہوگیا توعقد باطل ہوگیا اوراگر وہ نظرآتا رہا توعقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد سلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے،تو بیع کا انعقاد صحیح ہوجائے گا پھر راس المال پر قبضہ کئے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہوجائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

لایصح فی منقطع لایوجد فی الاسراق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق [2]۔	ایسی چیز میں عقد سلم صحیح نہیں جو وقت عقد سے وقت استحقاق یعنی ختم میعاد تک بازار میں موجود نہ رہے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸،ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۲۰۶۔۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

اسی میں ہے:

ولافی حنطة حدیثة قبل حدوثها لانها منقطعة فی الحال[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	عقد سلم نئی گندم میں اسکے پیدا ہونے سے پہلے صحیح نہیں کیونکہ وہ فی الحال موجود نہیں۔(ت)

مسئلہ ۲۲۴: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گیہوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں کہ روپے دے دے اور بھاؤ معین نہ کیابلکہ یہ ٹھہراکہ فصل کا بھاؤ یااس سے مثلاً دوسیر زائد لیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب: محض ناجائز ہے جب تک مقدار معین نہ کردی جائے۔

فی الدرالمختار شرط صحته بیان جنس وقدر ککذا کیلا[2] اھ ملخصا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط جنس کو بیان کرنااور مقدار کو بیان کرنا ہے جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی ہے اھ تلخیص۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۵: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی ایکھ کھڑی ہے اور اسے خرید لیااور روپیہ دے دیا، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محض ناجائز ہے کہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعاد استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود ہیں، گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتااور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودامن حین العقدالی	جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لیے کر وقت استحقاق تک مسلسل بازار میں موجود نہ رہے بیع سلم

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۸

حین المحل[1]۔	جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق وان کان فی البیوت کذا فی التبیین شرنبلالیہ ومثلہ فی الفتح والبحر والنہر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نایاب ہونے کا معنی یہ ہے کہ چیز بازار میں موجود نہ ہو اگرچہ گھر میں موجود ہو تبیین شرنبلالیہ میں یونہی ہے اور اس کی مثل بحر، نہر اور فتح میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: ۸ رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرالیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع ومشتری اسی عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتناہی روپیہ لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک حبہ لینا حرام اور سود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتاخذ الاسلمك او رأس مالك[3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس کرلے اس کے سوا کچھ نہ لے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۲۷: ۴ رمضان المبارک

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسامیان کو بدنی پر روپیہ اور فی روپیہ ۲۰ ثار یا ۱۹ ثار گندم عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اسامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادانہ کرسکا تو اسے زر قیمت غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جائے اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جائے تو آیا صاف

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۰۵

[3] درمختار باب السلم ۲/ ۴۹ و تبین الحقائق باب السلم ۴/ ۱۱۴

کرا کر عمدہ لیا جائے یا جیسا پیدا ہوا ہے کس طور پر اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جائے تو کس شرح سے یعنی کہ زر قیمت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدنی مذکور لئے جائیں یا کہ بقیہ زر دادہ کے گندم بحساب بدنی لئے جائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

روپیہ دینے والے کو دو ہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کر دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلا سو روپے پچاس من گیہوں پر دئے تھے پچیس من ملے تو باقی پچاس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کرلیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ سے اس کے دام کاٹے اور بدنی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کردیا یہ نرا سود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے۔

فی الدرالمختار لو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ راس مالہ [1] اھ وفیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال و لالرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع و شرکۃ ومرابحۃ و تولیۃ ولو ممن علیہ حتی لو وھبہ منہ کان اقالۃ اذا قبل وفی الصغرٰی اقالۃ بعض السلم جائزۃ [2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب السلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کرکے راس المال واپس لے لے اھ، اور اسی میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ تصرف جیسے بیع، شرکت، مرابحہ اور تولیہ جائز نہیں اگرچہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر راس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب السلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کردیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اسی کو قبول کرے اور صغرٰی میں ہے کہ بعض سلم کا اقالہ جائز ہے الخ (ت)

اور گیہوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تو عمدہ صاف ہی لے گا۔

فی الھندیۃ اسلم فی کندم نیکو او	ہندیہ میں ہے اگر کسی نے گندم میں عقد سلم کیا اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم ۲ /۴۹۔۴۸

قال نیك او قال سرہ یجوز ھذا ھوالصحیح والماخوذ بہ کذا فی الغیاثیۃ [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کہا گندم نیکو یا کہا نیک یا کہا سرہ یعنی کھری تو جائز ہے اور یہی صحیح اور مختار ہے، یوں غیاثیہ میں ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ٢٢٨: غرہ محرم الحرام ١٣١٢ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یانہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دو سو روپے اسے دے دئے یہ صورت شرعا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے جبکہ سانچا معین کر دیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی۔

لانہ منقطع فی الحال کحنطۃ جدیدہ قبل وجودھا وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس و لبن واٰجر بملبن معین [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ فی الحال نایاب ہے جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے جیسے کیلی چیز ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلا اخروٹ، انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی پکی اینٹیں، (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ٢٢٩: از آنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر ٦ ربیع الاول شریف ١٣١٢ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ٣٣ ٹکہ فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ٣٣ ٹکہ بلا تعیین وقت روز یا ماہ کے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١٧٩

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٤٧

کٹوتری کرلے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے شرعا درست ہے یا نہیں اور اگر عمرو فلوس کے ہمراہ دونی یا چونی زید کو دے تو دونی یا چونی ہمراہ فلوس کے عمرو سے لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر عمرو باجازت زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ رائج الوقت خود فروخت کرکے زید کو نقد روپیہ بعوض فلوس دے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز وگناہ ہیں، بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کردی جائے جب یہاں تعین وقت نہ ہوا بیع حرام ہوگئی۔

فی الدرالمختار شروط صحته التی تذکر فی العقد بیان جنس ونوع وصفة وقدر واجل [1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں جن کو عقد میں ذکر کیا جاتا ہے یہ ہیں: جنس، نوع، صفت، مقدار اور اجل کا بیان کرنا اھ تلخیص (ت)

پھر بیع سلم جس چیز کی ہو اسے بدل کر دوسری شے لینی جائز نہیں، تو کل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہا نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام لاتاخذ الاسلمك او رأس مالك ای الاسلمك حال قیام العقد اورأس المال عند انفساخه فامتنع الاستبدال [2] اھ درمختار۔	کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے اپنے مسلم (مسلم فیہ) یا راس المال کے کچھ مت لے یعنی اگر عقد قائم رہے تو مسلم فیہ اور اگر عقد فسخ ہوجائے تو راس المال لے لے، چنانچہ بدلے میں کوئی اور چیز لینا ممتنع ہو اھ درمختار (ت)

نہ یہ روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے تو عمرو کا باجازت زید خواہ بلااجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے،

فی الدالمختار لا یجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولا لرب السلم	درمختار میں ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ

---
[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ [1]۔	میں تصرف جیسے بیع اور شرکت ناجائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ میں کے مثلاً زید نے بکر کو دس رپے دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لوں گا خصوصی شرط مذکور زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ (۵ ما/) فروخت ہوتے تھے توزید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یاناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دئے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گیہوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گیہوؤں کو قیمت قرار دے کر دئے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا اب جب گیہوں موجود ہوئے بکر اگر اس بھاؤ پر نہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کرسکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گیہوں کی بیع کرلی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں "اگر کرلی ہیں اور وہ متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو حلال (عہ) ہے ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۱: از میرانپور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دے دئے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فروچنے دیں گے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس میں بارہ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ف ہمارے فتاوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز ہے اور اگر وہ آسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کما مر مرارا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

عــــہ: اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے "تو بھی حلال ہے"

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۸

فـــ: تفصیل کے لیئے جلد ہذا میں مسئلہ ۲۲۳ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۲۳۲: از موضع خورد مئوڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علیہ صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں جو نرخ ہوگا ہم فلاں غلہ لیں گے۔

الجواب:

فلاں غلہ لیں گے، یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہو سکتا اسے اختیار ہے کہ وروپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے، اور اگر عقد بیع کیا تو یہ بیع سلم ہے اس کی بارہ ف شرطیں اگر جمع ہیں حلال ہیں ورنہ حرام، اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خرید امطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۳: از شہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کر دیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ یا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ (۱۰مار) کا تھا اور اس نے (۱۴ مار) فی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپیہ دے دیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم وبیش (۱۴مار) سے ہو لیکن وہ فی روپیہ (۱۴مار) کے حساب سے غلہ لے لے گا۔ بکر کہتا ہے کہ تو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرالیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلا شبہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے، ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھرلے

لقولہ تعالٰی "اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ ۟ " [1]	اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے، مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔(ت)

اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام وکمال ادانہ کر دیا تو ضرور حرام وسود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو اور اگر خرید وفروختم (میں نے خریدا میں نے فروخت کیا۔ت) کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ف: یہ بارہ شرطیں جلد ہذا کے مسئلہ ۲۲۳ کے تحت مندرج ہیں۔

کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دوں گا تو یہ نہ سود ہے نہ حرام، نہ اس کے لئے کسی وجہ شرط کی حاجت، نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے، اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴ تا ۲۳۵: از گھٹنگاہ میو بند باغات ضلع جورہاٹ آسام مسئولہ عبیداللہ ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) زید نے بکر کو دو روپے دئے اور غلہ کا دینا بروقت درو زراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان، اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دوچند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے دس بیگھ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کا روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بندوبست کیا کہ جب خزانہ کا روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد درو زراعت بیس روپے کرکے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دوچند ہوتا ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہولیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہو کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہو کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہذا صورت مذکور ناجائز وحرام ہوئی، درمختار میں ہے:

لایصح البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف لانہا تتقدم وتتاخر [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فصل کاٹنے، گاہنے اور پھل چننے کی وجہ میعاد پر بیع کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے

لانہ بیع الکالئ بالکالئ وقد نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ ادھار کی ادھار سے بیع ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[2] سنن الدارقطنی حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

مسئلہ ۲۳۶: از موضع گھگورہ ڈاکخانہ سندر گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیر الدین صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کے پاس ۲۳ من پٹوا دینے کی شرط پر (معہ/) روپے لئے جب موسم پٹوا آیا تو بکر نے اپنے دئے ہوئے روپے کے عوض پٹوانا مانگا اس وقت پٹوا دینے سے مجبور ہوا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنے دو بیل فروخت کرنے پر آمادہ ہوگیا یہاں تک کہ ایک بیل کو فروخت کر دیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوئی اس بیل کی فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت کرنا چاہتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو، تب زید نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل ۴۵ روپے قیمت مقرر کرکے اور دیگر ایک بیل ۲۵ روپے قیمت کیے ہوئے بیل کو ۲۰ روپے مقرر کرکے پہلے خریدار سے واپس لاکر بکر کو دے دیا اور بکر نے رسید بھی لے لی اور زید نے ۲۰ روپے نقد بھی دئے تھے جبکہ زید نے دو بیل دئے اور (عہ ۲۰) بھی دئے تو اب مبلغ (صہ لہ) روپے ہوئے اصل سے (مہ عہ/) روپے زیادہ ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوئی یا کہ نہیں اور اس زیادہ روپے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہوئے تھے مگر جبکہ وہ پٹوا دینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی (معہ ۷۰) روپے واپس لے ان کے عوض بیل لئے یہ حرام پندرہ روپے زیادہ لئے یہ حرام او نرا سود۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتأخذ الاسلمك اور أس مالك [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس چیز کے جس میں تو نے عقد سلم کیا (مسلم فیہ) یا سوائے راس المال کے کچھ مت لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷ و ۲۳۹: از کچھوچھہ شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلمہ ۹ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے بکر کو ایک من گیہوں وایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گیہوں تم کو بلا معاوضہ چیزے دیتا ہوں اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گیہوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس ثاء لوں گا۔

(۲) زید نے بکر کو ایک گنی دے کر کہاں کہ فلاں مہینہ میں دو نوٹ دس دس روپے کا لوں گا یا بیس روپیہ کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۱۱۱، درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹

پیسے لوں گا۔

(۳) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کردے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے، یہ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ایک من گیہوں دینانہ دینا کچھ ضرور نہین جملہ شرائط بیع کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل تو تمثیل ہمارے فتوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے۔

لان بیع معدوم لم یرد الشرع بجوازہ وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1]۔	کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کے جواز پر شرع وارد نہیں ہوئی اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔(ت)

اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گیہوں خریدے

قال اللہ عزوجل "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتماً اوسکینا من الخباز بالف من الخبز[4]۔	ذخیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص (گندم (اکٹھی دے کر اس کے بدلے میں) روٹیاں متفرق طور پر لینا چاہے تو گندم والے کو چاہئے کہ وہ انگوٹھی یا چھری ہزار روٹیوں کے بدلے میں روٹیاں پکانے والے کے ہاتھ فروخت کرے (پھر روٹیوں والا گندم والے کے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[2] القرآن الکریم ۴ /۲۹

[3] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۴ /۴

[4] ردالمحتار باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۶

ہاتھ انگوٹھی یا چھری گندم کی مطلوبہ مقدار کے عوض بیچ کو گندم لے لے)۔(ت) غمز العیون والبصائر میں ہے:

جواز بیع المقرض من المستقرض مما یساوی طسوجا بعشرۃ دنانیر فانه علی وفاق الدلیل لانه بیع موجود مملوك له بالقاضی [1]۔	قرض دینے والے کو قرض مانگنے والے کے ہاتھ دو رتی برابر کوئی چیز دس دینار کے عوض فروخت کرنے کا جواز دلیل کے موافق ہے کیونکہ یہ اپنی موجود ملکیت کا قاضی کے حکم سے سودا ہے۔(ت)

یہ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو "بعت اشتریت فروختم خریدم" (میں نے بیچا میں نے خریدا۔ت) کہیں، لوں گا دوں گا عقد نہیں وعدہ ہے اور اس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کر دیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی، تنویر الابصار و درمختار باب السلم میں ہے:

(یصح فیما امکن ضبط صفته ومعرفة قدرہ کمکیل وموزون) خرج بقوله (مثمن) الدراھم والدنانیر لانھا اثمان فلم یجز فیھا السلم (وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس [2]	عقد سلم اس چیز میں صحیح ہے جس کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو جیسے کیلی چیز اور ایسی وزنی چیز جو مثمن یعنی مبیع بنے، اس قید سے دراہم ودنانیر خارج ہو گئے کیونکہ وہ ثمن ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں، اور ایسی چیز جو عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ، انڈے، اور پیسے (ت)

شرائط بیع سلم موجود ہوں اور ایجاب و قبول ہو لوں گا دوں گا کوئی چیز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار (جیسا کہ ابھی درمختار کے حوالہ سے گزرا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۰: از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خاں صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر ربیع گزشتہ میں ولید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف

---

[1] غمز العیون البصائر الفن الاول بیان ان المعتبر العرف العام لا الخاص ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

موجودہ ہیں عمرو کو جس کا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمرو اگر یہ کرے کہ جس قدر گیہوں ولید کافر اور زید مسلمان کے ذمہ چاہئے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کردے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمرو کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دے دے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیہوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیہوں ثالث کو ہبہ کردے پھر بائع اسی ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈ ساری نے ایک موضع کا رس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خریدا اور روپیہ دے دیا پھر اس کھنڈ ساری نے اپنے رس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کردیا ۲۵ روپیہ کے حساب سے، اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا، پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا رس کوئی شخص خریدلے اور دوسرے کھنڈ ساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھ کو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے رس کا گڑ بنالو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ حساب سے مجھ کو ادا کردینا پہلے بائع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کردینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل توجروا عندالجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کریں جلال والے اللہ تعالٰی کے ہاں اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

پہلی دوسری تیسری یہ سب بیعیں ناجائز وحرام ہوئیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے، حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1] اما ما رخص فی السلم فلہ شرائط منھا عدم انقطاع المسلم فیہ یوم العقد الی یوم الوعد	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہوں، بیع سلم میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم فیہ عقد والے دن سے لے کر وعدہ والے دن تک بازار سے منقطع نہ ہو۔(ت)

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

اور خاص تیسری بیع اگر رس کے باوجود پر بھی ہوئی تو ناجائز ہے۔

لان المشتری فاسد الایملك قبل القبض وبعدہ ایضالایرتفع الاثم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ بیع فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز مملوک نہیں بنتی قبضہ سے اور بعد بھی اس کا گناہ مرتفع نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعی مبین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسا رواج رس نیشکر کے فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دے دیا آیا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وقت تیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ بموجب رس خریدا جائے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو ضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی بھی ہے یا نہیں کیونکہ زمانہ کا رواج بہت مجبور کر رہا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ درختوں کے نمود پر جائز نہ نیشکر کی تیاری پر جائز نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہو جائے اور بکنے لگے اس آئندہ سال کے رس کی بیع کرلیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے عقد سے وقت قرار داد تک کس وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اس وقت عقد منقطع تھا گنے کی تیاری سے رس بازار میں تو نہ آگیا جو شرط جواز متحقق ہو اور پچھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرار داد یعنی آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہو جائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کا ان سب صورتوں کے ناجائز وحرام ہونے پر اجماع ہے متون وشروح وفتاوٰی ان کی تحریر سے مالامال ہیں ہمیں خلاف مذہب فتوٰی دینے کی کسی طرح اجازت نہیں، ہاں اگر رس کہیں تیار ہو گیا کہیں ابھی ایکھ کھڑی ہے ایسے زمانہ میں جن کے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کرلینا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب مدت تک کا کیا جائے جس میں اس سال کا رس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے، بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

مایکتب فی وثیقة السلم من قوله جدید عامه مفسد له ای قبل وجود الجدید امابعد فیصح کمالا یخفی[1]۔	وہ جو عقد سلم کے وثیقہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس سال کی جدید (گندم) تو یہ جدید کے موجود ہونے سے مفسد عقد ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے بعد صحیح ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸، بحرالرائق کتاب البیع باب السلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۶۰

اور اس تیاری وغیر تیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی تیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کرسکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بعد عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایکھ ماری جائے یا رس پر کوئی افت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفقود ہے اور مثلاً مصر یا برہما میں تیار ہوگیا تو ایسی تیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں، درمختار میں ہے:

لوانقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المنقطع [1]۔	اگر ایک ملک میں مسلم فیہ نایاب ہے دوسرے میں نہیں ہے تو جہاں نایاب ہے وہاں سلم جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای المنقطع فیہ لانہ لایمکن احضارہ الابمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم، بحر [2]۔	یعنی جس ملک میں نایاب ہے کیونکہ سوائے سخت مشقت کے وہاں سے لانا ممکن نہیں لہٰذا تسلیم سے عجز لازم آئے گا۔ بحر۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں ان کا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یا فتنی فلان بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۱۳۰۰ ف جس کا پیداوار ۱۳۰۱ ف میں ہوگا وقت تیار ہوجانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویز اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلا علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ واقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا یہ صورت فی نفسہٖ اصلا جواز کی تھی، اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرلے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں جس وقت دے گا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہوجائے گی اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرارداد کی حاجت ہوئی نہ کوئی شرط درکار، فقط اتنا چاہیے کہ دیتے وقت انہیں باہم معلوم ہو کہ اس بھاؤ پر دی گئی، فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۵

سئل فی رجل استلم من اٰخر الفی قرش دینادوعده ان یعطیه بهازیتا بالسعر الواقع یوم کذا فلما جاء الیوم الموعود وکان سعر الزیت معلوما فیه ارسل یطلبه منه فارسل به زیتا ہل یکون بیعا بالسعر المعلوم یومئذ ام لایکون بیعا وللمدیون طلب الزیت (اجاب)نعم یکون بیعانافذ والحال ہذا کما صرح به مجمع الفتاوٰی والقنیة والمجتبٰی معزیاالی النصاب وقد افتی بذلك المرحوم صاحب منح الغفار (الی قوله)والاصل فی ذٰلك ان البیع عندنا یعقد بالتعاطی فافهم والله تعالٰی اعلم۔[1] ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه **اقول**:انما انعقد بالتعاطی لان الذی جری بینهما من قبل انما کان وعدا اما لوکان ذٰلك عقدا لماصح لعدم اجتماع شرائط السلم کمالا یخفی واذالم یصح ذٰلك لم یجز التعاطی المبنی علیه کماصرح به فی البحر والدروغیرہما۔	اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے دوسرے سے دوہزار (ترکی سکے) قرش بطور قرض وصول کئے اور وعدہ کیا کہ اس کے بدلے فلاں دن روغن زیتون دوں گا اس بھاؤ پر جو اس دن ہوگا، پھر جب وعدے کا دن آگیا اور اس دن زیتوں کا بھاؤ معلوم تھا چنانچہ قرض دہندہ نے مدیون سے روغن زیتون مانگ بھیجا اور اس نے روغن زیتون بھیج دیا تو کیا یہ اس دن کے معلوم بھاؤ پر بیع ہوگی یا نہیں ہوگی اور مدیون کو روغن زیتون واپس مانگنے کا حق ہوگا؟ آپ نے جواب دیا ہاں بیع نافذ ہوگی اور حال یہی ہے جیسا کہ نصاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے مجمع الفتاوی قنیہ اور مجتبٰی میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور تحقیق اسی پر مرحوم صاحب منح الغفار نے فتوی دیا، (اس کے اس قول تک کہ) اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعاطی (باہمی لین دین) کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے پس سمجھ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس پر یوں حاشیہ لکھا میں لکھتا ہوں کہ تعاطی سے صرف اس لئے بیع منعقد ہوئی کہ جو گفتگو اس سے پہلے ان کے درمیان ہوچکی تھی وہ وعدہ تھا لیکن اگر وہ عقد ہوتا تو صحیح نہ ہوتا کیونکہ اس میں عقد سلم کے شرائط جمع نہیں ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں تو جب عقد صحیح نہیں تو تعاطی بھی جائز نہیں جس کی بناء پر اسی عقد پر ہے جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریه کتاب البیع باب السلم دارالمعرفة بیروت ۱/۲۲۵

مگر یہاں اور دقت درپیش ہے یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا جس کے عوض کوئی شے دیگر لینا نہ قرار پایا تھا اس کے بعد مدیون نے بطور خود وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دین یہ شے دوں گا یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بناء پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہا اور وہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جو منفعۃ فھو ربا [1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے۔

علی مافی الدر ومتنہ عن الخانیۃ القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منہا لا یبطلہ ولکنہ یلغو شرط ردشیئ اٰخر ،فلو استقرض الدراھم المکسورۃ علی ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا لو اقرضہ طعاما بشرط ردہ فی مکان اٰخر وکان علیہ مثل ماقبض [2] الخ	اس بنا پر جو در اور اس کے متن میں خانیہ سے منقول ہے کہ قرض جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو فاسد شرط قرض کو باطل نہیں کرتی لیکن دوسری شے لوٹانے کی شرط ہو جاتی ہے چنانچہ اگر کسی نے پھوٹے درہم قرض لئے اس شرط پر کہ صحیح درہم واپس کرے گا تو یہ شرط باطل ہے اور یوں ہی اگر کسی کو اناج قرض دیا اس شرط پر کہ دوسرے شہر میں واپس لوٹائے گا اس صورت میں مقروض پر واجب ہے کہ جیسی چیز اس نے قرض لی تھی ویسی ہی واپس لوٹائے الخ۔(ت)

مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے۔

فی الدر عن الخلاصۃ القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد کذا	در میں خلاصہ سے منقول ہے کہ شرط کرکے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو فلاں شہر کی طرف

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

لیوفی دینه [1] الخ	لکھ دے تاکہ وہاں اس کا قرض ادا کیا جائے۔(ت)

اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر وآشکارہ ہوتا ہے۔

والمعهود عرفا کالمشروط لفظا فی ردالمحتار من اٰخر الحوالة عن الفتح عن الواقعات قالوا انما یحل ذٰلك عند عدم الشرط اذالم یکن فیه عرف ظاهر فان کان یعرف ان ذٰلك یفعل کذلك فلا [2]۔	جو عرف میں معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے لفظ شرط لگائی گئی ہو ردالمحتار میں باب الحواله کے آخر میں فتح سے بحوالہ واقعات منقول ہے فقہاء نے کہا ہے کہ عدم شرط کے وقت یہ قرض اس وقت حلال ہے جب اس میں (دوسرے شہر کی طرف لکھنے کا) عرف ظاہر نہ ہو چنانچہ اگر معروف ہے کہ وہ ایسا کرے گا تو حلال نہیں۔(ت)

غرض یوں بھی جواز حاصل نہ ہوا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کا رس خریدنا ہو اتنے روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کاشتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہے میں نے یہ شیئ تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی اس سے زائد کوئی رس وغیرہ کا ان لفظوں می نہ ہو پھر وہ شیئ مبیع اس کاشتکار کے قبضہ میں دے دے اور اس سے زر ثمن نہ لے جب وہ قابض ہو جائے اسی چیز کو اب کاشت کار اس بائع کے ہاتھ سو روپے پر بیع کردے، اور اس میں کوئی میعاد ادائے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اس وقت کاشتکار کو روپے دے کر شیئ مبیع لے لے، یہ مبیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کاروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہولے جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن مؤجل کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ ٹھہرا تھا تو یہ کاروائی گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہولے وعلی ہذا القیاس، اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے حقیقۃً خرید وفروخت کا قصد کریں، فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشکار کو سو روپے مل گئے اور اس کے سو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے، جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں تیرا دین دیتا ہوں اگر نہ دوں گا تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہ اسی

[1] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحواله داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۲

مضمون کا اقرار نامہ لکھا جائے جیسا کہ کھنڈ ساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر نہ تو بیع سلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہوتا نہ قرض ہوا جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کا شتکار پر لازم ہوا بعدہ، اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرار داد ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے۔

فانه لیس بشرط رأسا بل وعد مستأنف و قد قال فی ردالمحتار ذکر فی البحر انه لو اخرجه مخرج الوعد لم یفسد وصورته کما فی الولوالجیة قال اشترحتی ابنی الحوائط [1] اھ۔**قلت** والذی فی الهندیة عن الظهیریة اشتر بصیغة[2] الامر فاذا کان هذا فی الوعد لمقارن فکیف فی المفارق فهذا یوجب الصحة اجماعا و لوسلم فالشرط المتأخر لایلتحق باصل العقد عندهما،وفی روایة عنه رضی الله تعالٰی عنهم وفی اخری له یلتحق وقد صححتا فعند اختلاف التصحیح لك العمل بایتهما شئت لاسیما ماوافق علیه الصاحبان رضی الله تعالٰی عن الجمیع قال فی ردالمحتار قوله ولا بیع بشرط اشار بقوله	کیونکہ یہ سرے سے شرط ہی نہیں بلکہ نیا وعدہ ہے تحقیق، ردالمحتار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ اگر اس نے بطور وعدہ اس کو ذکر کیا تو بیع فاسد نہ ہوگی اور اس کی صورت جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے یوں ہے کہ بائع نے کہا تو (انگور کے خوشے) خرید لے میں (باغ کی) دیواریں بنادوں گا اھ میں کہتا ہوں کہ ہندیہ میں بحوالہ ظہیریہ امر کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی "اشتر" (تو خرید) یہ اس وعدے کے بارے میں ہے جو عقد سے مقترن ہو اگر اس سے جدا ہو تو کیسے بیع فاسد ہو سکتی ہے تو یہ صحت بیع کو بالاجماع ثابت کرتی ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے (کہ یہ شرط ہے) تو شرط مؤخر صاحبین کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوئی، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ایک روایت یوں ہی ہے اور ان سے منقول دوسری روایت میں ہے کہ لاحق ہوتی ہے، تحقیق دونوں روایتوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جب تصحیحیں مختلف ہوجائیں تو تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے خصوصا وہ تصحیح جس پر صاحبین بھی امام اعظم سے متفق ہوں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ردالمحتار

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

بشرط الی انه لابد من کونه مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفة وقیل لا وهو الاصح کما فی جامع الفصولین فی فصل ۳۹ لکن فی الاصل انه یلتحق عند ابی حنیفة وان کان الالحاق بعد الافتراق عن المجلس وتمامه فی البحر قلت ہذہ الروایة الاخری عن ابی حنیفة وقد علمت تصحیح مقابلها وہی ولهما ویؤیدہ ماقدمه المصنف تبعا للهدایة وغیرہا من انه لو باع مطلقا عن ہذہ الاٰجال ثم اجل الثمن الیها صح فانه فی حکم الشرط الفاسد کما اشرنا الیه هناك[1] اھ	میں کہا کہ ماتن نے اپنے قول "ولا بیع بالشرط" میں لفظ بشرط سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرط کا عقد کے مقارن ہونا ضروری ہے کیونکہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی گئی تو ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد کو لاحق ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ لاحق نہیں ہوگی اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۳۹ میں ہے لیکن اصل میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک لاحق ہوگی اگرچہ اس کا الحاق مجلس سے عاقدین کے جدا ہونے کے بعد ہو اور اس کی پوری بحث بحر میں ہے، میں کہتا ہوں یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دوسری روایت ہے حالانکہ اس کے مقابل روایت کی تصحیح تو معلوم کرچکا ہے اور وہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی تائید کرتا ہے وہ جو ہدایہ وغیرہ کی اتباع میں مصنف پہلے ذکر کرچکے ہیں وہ یہ کہ اگر کسی نے مذکورہ مدتوں کا عقد میں ذکر کیے بغیر بیع کی پھر ثمن کو ان میعادوں کے ساتھ مؤجل کردیا تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ اھ (ت)

اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلا اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رس نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے کا اس سے تقاضا کرسکتا ہے رس کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضاء جبر نہیں کما نصوا علیه قاطبة (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں ایسی شکل کا وعدہ وعدہ لازمہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ایفاء پر جبر پہنچتا ہے، جامع الفصولین میں ہے:

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد مطلب فی البیع بشرط فاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲۰

لوذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس [1]۔	اگر بائع اور مشتری نے بغیر شرط کے بیع کا ذکر کیا پھر بطور وعدہ شرط کا ذکر کیا تو بیع صحیح ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا کبھی ضروری ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کی حاجت کے لئے اس کے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح علماؤنا بانهما لوذکرا البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد [2]۔	ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر بائع اور مشتری نے بیع کو بلاشرط ذکر کیا پھر بعد میں شرکاء کا ذکر وعدہ کے طور پر کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوبعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح کما فی الکافی والخانیة واقره خسرو هنا والمصنف فی باب الاکراه وابن المالك فی باب الاقالة الخ [3]۔	اگر عقد کے بعد شرط کا ذکر بطور وعدہ کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا لوگوں کی حاجت کے پیش نظر کبھی لازم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ اور کافی میں ہے خسرو نے یہاں مصنف نے باب الاکراہ میں اور بن الملک نے باب الاقالہ میں اس کو برقرار رکھا الخ (ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا قال معلقا بان قال ان لم یؤد فلان فانا ادفعه الیك ونحوه یکون کفالة لما علم ان	اگر کوئی بطور تعلیق ضامن بنایا بایں صورت کہ کہا اگر فلان نے قرض کی ادائیگی نہ کی تو میں تجھے ادا کروں گا یا اس جیسی کوئی اور صورت کی تو یہ کفالت درست ہے

[1] ردالمحتار بحوالہ جامع الفصولین باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۸،۵۷

المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمۃ فان قولہ انا احج لایلزمہ شیئ ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا احج یلزمہ الحج [1]۔	کیونکہ تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوتے ہیں چنانچہ کسی کے یوں کہنے سے کہ میں حج کروں گا اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور اگر یوں کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوا تو حج کروں گا یعنی تعلیق کی تو اس صورت میں (دخول دار سے) اس پر حج لازم ہوگا (ت)

اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ وقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل، دستاویز تو لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدے پر بیچ کر قبضہ میں دے کر فوراً خرید لے اور روپیہ دے دے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وعدہ لے لے، اس الٹ پھیر میں نہ کچھ وقت ومحنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الٰہی سے بچ کر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشے، آمین!

تنبیہ: یہ قیدیں جو ہم نے ذکر کیں کہ پہلی بیع میں ثمن مؤجل ہو دوسری میں معجّل اور دوسری میں بیع اور اس کے ثمن کا ادا کر دینا پہلے ثمن کے میعاد مثلاً گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہولے اور دوسری بیع کاشتکار کی طرف سے شیئ بیع پر قبضہ کرلینے کے بعد ہو انھیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد وبیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کاشکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وعدہ ہوسکے اگر دونوں ثمن معجّل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں پرسے برابر ہو کر اتر جاتے، یونہی اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دے دینے کی کاروائی اس میعاد مقررہ سے پہلے نہ ہولیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پر معجّل ہوجاتا اور دونوں بری الذمہ ہوجاتے اب کہ کاشتکار کا دین اس پر معجّل ہوا اور اس کا دین اس پر ہنوز مؤجل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دے دئے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا۔

فی ردالمحتار عن الحلی عن البحر سائر الدیون ای ماسوی النفقۃ یقع التقاص فیہا تقاصا اولا بشرط	ردالمحتار میں حلی سے بحوالہ بحر منقول ہے کہ نفقہ کے سوا تمام قرضوں میں ادلہ بدلہ ہوسکتا ہے چاہے فریقین خود ایسا کریں نا نہ کریں بشرطیکہ دونوں طرف کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳

التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدہما جیدا وردیًا فلا بد من رضا صاحب الجید [1] وفی الاشباہ علیہ الف قرض فباع من مقرضہ شیئا بالف مؤجلۃ ثم حلت فی مرضہ وعلیہ دین تقع المقاصۃ [2] الخ قال فی غمز العیون انما قید بالحلول لانہا لو لم تحل تقع المقاصۃ لاختلاف الوصف کالجید مع الردی [3]۔	قرض باہم برابر ہو، اور اگر مختلف ہو مثلاً ایک طرف عمدہ اور دوسری طرف ردی ہو تو عمدہ والے کی رضامندی ضروری ہے، اور اشباہ میں ہے کہ ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہے اس نے قرض دہندہ کے ہاتھ کوئی چیز ہزار روپے کے بدلے میں ادھار فروخت کردی پھر مقروض کے مرض الموت میں ادھار کی مدت پوری ہوگئی درانحالیکہ ابھی تک اس پر قرض موجود ہے تو اب یہ قرض ثمن مؤجل کا بدلہ ہو کر اتر جائے گا الخ، غمز العیون میں کہا کہ اس کو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا کیونکہ اگر مدت پوری نہ ہوئی تو ادلہ بدلہ نہ ہوگا کیونکہ وصف مختلف ہے جیسا کہ عمدہ اور ردی میں ہوتا ہے۔(ت)

اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کے ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کردے گا تو بیع فاسد و ناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمرو نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقولہ لے کر پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کردی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہذا قبضہ لازم ہے۔

فی الدر المختار صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ (متعلق بقبض لا ببیع لان بیعہ من بائعہ قبل قبضہ فاسد کما فی المنقول) ولا یصح	درمختار میں ہے غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ

[1] ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷

[3] غمز عیون البصائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷

اتفاقا بیع منقول قبل قبضه ولو من بائعه بخلاف هبته واقراضه ورهنه واعارته من غیر بائعه فانه صحیح علی الاصح [1] اھ ملخصا مزیدا من ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بالاتفاق صحیح نہیں۔ بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے قرض دینے رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ یہ اصح قول کے مطابق درست ہے۔ اھ تلخیص (مع ردالمحتار سے کچھ اضافہ کے)۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۳: ۲۹ شعبان ۱۳۳۳ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پورہ

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کرلہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ بال کی یہ شرط قرار داد ہوئی کہ شاہ نگر کے سے ایک روپیہ یا (۸/) کم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہوجاتی ہے اور جو روپیہ اس وقت بوقت تحریر لینا ٹھہرتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا آخر اختتام پر کل مال کا حساب وکتاب ہوجاتا ہے اگر صورۃ مذکورہ جائز ہے وفیہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب:

نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل وبوجوہ ناجائز ہے اس وقت گنا بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ رس، اس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی خرید وفروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹے بھر کے وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دے دیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی شے سو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کردے اور یہ اسی وت سو روپیہ اس کے ادا کردے اب اس کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو نقد اسے پہنچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب وہ وعدہ کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اسے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے دس منٹ میں دوں گا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دوں گا اس کے دستاویز جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگئی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۷، ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۱

باب الاستصناع

(بیع استصناع کا بیان)

مسئلہ ۲۴۴: مسئولہ حافظ یعقوب خاں صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھئی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کُرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیمت مبلغ ـہ کو دوں گا اور جب تک تمھاری کُرسیاں تیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کُرسیاں مذکورہ بقیمت (للعہ عہ/) کو دوں گا، پس بڑھئی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کُرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار (للعہ عہ/) کو درجن لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بنا پر نہ (للعہ عہ/) درجن کو لینا جائز نہ ـہ کو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض، ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کرکے اب یہ کُرسیاں بعقد جدید باہمی رضامندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں، وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہو گئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد

مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادی جائے تو وہ عقد بعینہٖ بیع سلم ہو جاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہوگیا۔

فی رد المحتار عن البدائع من شروطه بیان جنس المصنوع ونوعه وقدرہ وصفته وان یکون ممافیه تعامل وان لایکون مؤجلا والاکان سلما [1] الخ وفیه المراد بالاجل ماتقدم وهو شهر فما فوقه [2] الخ وفی الطحطاوی الاجل تارۃ یکون کاجل السلم بان کان شهرا فازید وهو عندہ سلم من غیر تفصیل [3] الخ، وفی الهندیة ان ضرب الاجل صار مسلما (حتی لایجوز الابشرائط السلم) هذا اذا کان ضرب المدۃ علی وجه الاستمهال بان قال شهرا اوماشبه ذٰلك امااذا ذکر علی وجه الاستعجال بان قال علی ان تفرغ منه غدا اوبعد غد لایصیر سلما کذا فی الصغرٰی [4] اھ ملخصا۔	ردالمحتار میں بحوالہ بدائع ہے استصناع کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب ہے) کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم ہو جائے گا الخ اور اسی میں ہے کہ میعاد سے مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زیادہ الخ، طحطاوی میں ہے کہ میعاد کبھی سلم کی میعاد جیسی ہوتی ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زائد تو اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے یہ سلم ہے الخ، ہندیہ میں ہے کہ اگر میعاد مقرر کی تو یہ عقد سلم ہوگا جو کہ سلم کی شرطوں کے بغیر جائز نہیں) یہ اس وقت ہے جب بیان مدت مہلت طلب کرنے کے طور پر ہو مثلاً ایک ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور پر ہو مثلاً کہا تجھ سے یہ چیز اس شرط پر بنواتا ہوں کہ تو کل یا پرسوں اس کو بنا کر فارغ ہو جائیں تو یہ عقد سلم نہ ہوگا یہ صغرٰی میں ہے اھ تلخیص (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲
[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲
[3] الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع باب السلم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۶
[4] فتاوٰی ہندیہ ابواب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۰۸

یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یازائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہوگیا اور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت، حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہٰذا عقد فاسد ہوگیا بلکہ عند التحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے۔

کما نص علیه فی المتون وصححه المحققون من الشراح ففی النقایة الاستصناع باجل سلم تعاملوا فیه او لا، وبلا اجل فیما یتعامل فیه بیع والمبیع العین لاالعمل اھ [1] ومثله فی الاصلاح والملتقی والتنویر وغیرها وفی الهدایة الصحیح انه یجوز بیعا لاعدة والمعدوم قد یعتبر موجودا حکما و المعقود علیه العین دون العمل هوالصحیح اھ ملخصا [2] ونحوہ فی الایضاح والدر وغیرهما من الاسفار الغر و قد اوضحنا المقام مع ازالة الاوهام بتوفیق الملك العلام فیما علقناه علی ردالمحتار۔	جیسا کہ متون میں اس پر نص کی گئی اور محقق شارحین نے اس کی تصحیح فرمائی، چنانچہ نقایہ میں ہے استصناع میں اگر مدت مقرر کی جائے تو وہ سلم ہوجاتا ہے چاہے لوگوں کا عرف اس میں جاری ہو یا نہ ہو اور بغیر مدت مقرر کرنے کے اگر اس میں عرف جاری ہو وہ بیع ہے اور مبیع عین (مصنوع) ہے نہ کہ عمل اھ اور اصطلاح، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں اس کی مثل ہے، ہدایہ میں ہے کہ یہ بطور بیع جائز ہے نہ کہ بطور وعدہ اور معدوم کو کبھی کبھی حکمی طور پر موجود اعتبار کرلیا جاتا ہے اور معقود علیہ (مبیع) عین ہے نہ کہ عمل، اور یہی صحیح ہے اھ تصحیح، اور اسی کی مثل ہے ایضاح اور در وغیرہ روشن کتابوں میں اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے تمام وہموں کا ازالہ کردیا ہے۔ (ت)

اور بیع ہرگز ایسی جہالت ثمن کا تحمل نہیں کرسکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ

فی الخلاصه رجل باع شیئا علی انه بالنقد بکذا وبالنسئة بکذا اوالی شهر بکذا اوالی شهرین بکذا لم یجز [3]۔	خلاصہ میں ہے ایک شخص نے کسی شیئ کی بیع اس طرح کی نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو جائز نہیں۔ (ت)

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایه کتاب البیع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ١٠٣

[2] الهدایه کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ٣/ ١٠٢

[3] خلاصه الفتاوٰی کتاب البیوع فصل فی خامس الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ٣/ ٦٠

تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائیگی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب، **ھذا ماظھر لی، واللّٰہ تعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۴۵: زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھ کو کحل الجواہر بھیج دو، زید عمرو کے دکان سے قرض خرید لایا، اور بعد دو ایک روز کے واپس کر دیا، اس کے یہاں جا کر اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی، غرض اس کے سامنے یعنی مالکان دکان کو دے دیا اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے، میاں ذرا سی بات کے لئے پھر شرمندہ ہونا پڑا ہے، اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیج دیں گے تم کو قیمت، تم ان کو کحل الجواہر بھیج دو، پس بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لا کر بھیج دیا اپنے دوست کے پاس، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور وصول کر سکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جس میں حقیقۃً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل سہی،

والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف النکاح فلیس فیہ الامعبرا اوسفیرا کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب۔	بیوع میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں بخلاف نکاح کے کہ اس میں وکیل محض تعبیر کرنے والا سفیر ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے عام کتابوں میں اس کی تصریح کر دی۔ (ت)

توکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقینا اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہوسکتا۔

فانہ اشارۃ لا اکراہ فالشراء انما وقع من زید برضاہ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	کیونکہ یہ مشورہ ہے اکراہ نہیں ہے اور زید سے بیع اس کی رضامندی سے ہوئی ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم اتم ومستحکم ترین ہے۔ (ت)

باب الصرف

(بیع صرف کا بیان)

مسئلہ ۲۴۶: از شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو (ما/) روپے کا نوٹ ننانوے (لع لعہ) کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلانہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جُزیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی پر ظاہر کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہو تو دونوں حلال۔

کما فی عامۃ الاسفار وفی تنویر الابصار علتہ القدر مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء وان	جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ زیادتی کے حرام ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے اور یہ دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار

عدما حلا وان وجد احدھما حل الفضل وحرم النساء [1] ۔	دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے اور اگر دونوں معدوم ہو تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں۔(ت)

اور مانحن فیہ میں بالبداہۃ دونوں مفقود عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی، اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون، پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہئے، مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپیہ نقد دینے میں ہر گز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموما اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں تو صورت مسئولہ میں حکم تحریم دیا چاہئے۔

اقول: جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس کا وہم کا ازالہ نہایت آسان، نوٹ کے ساتھ تو معاملہ اثمان برتا جانا اسے حقیقۃً ثمن یعنی احد النقدین نہ کردے گا غایت یہ کہ اثمان مصطلحہ سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں سلع وکالا ہیں مگر عرف واصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرالیا ہے جیسے پیسے یا بعض بلاد ہند میں کوڑیاں بھی، اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا زر وسیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ سے کریں گے، اسی لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا، فلاں دو سو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہر گز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے یوں ہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا، پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں نہ عاقدین اتباع عرف واصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں یہ اپنے معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراضی درکار ہے، آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بہ تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا، اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

کے عوض ایک اشرفی خرید ناجائز ٹھہرایا تو یہ وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں

فی الدر المختار ومن اعطی صیر فیا درہما کبیر افقال اعطنی بہ نصف درہم فلوسا (بالنصف صفۃ نصف) ونصفا (من الفضۃ صغیرا) الاحبۃ صح (ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ ومابقی من الفلوس[1])	درمختار میں ہے کہ کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ مجھے نصف درہم کے عوض ایک چھوٹا درہم جو بڑے درہم کے نصف سے ایک حبہ کم ہو دے دے تو یہ بیع صحیح ہے اور چھوٹا درہم جو بڑے کے نصف سے ایک حبہ کم ہو وہ اپنے مثل کے مقابل ہو جائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔(ت)

اوراسی میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین لصرف الجنس بخلاف جنسہ[2]۔	دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے بدلے میں صحیح ہے کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس کے خلاف کے مقابل قرار دیا جائے گا۔(ت)

جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد، یہ حکم بیع وشراء کا ہے جہاں نفع وانتفاع شرعاً روا، البتہ قرض اس طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لے گا بے شک ممنوع ہوگا

فان کل قرض جر منفعۃ فہو ربٰو نطق بذلك الحدیث و الفقہ[3]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے حدیث اور فقہ اس پر ناطق ہیں(ت)

یہاں تک کہ علمانے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہنڈوی کو ناجائز ٹھہرایا کماذکروہ اٰخر کتاب الحوالۃ (جیسا کہ فقہا نے اس کا ذکر کتاب الحوالہ کے آخر میں کیا ہے۔ت) اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پر روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسب حاجت وقتاً فوقتاً چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا

کما فی الکراہیۃ الہدایۃ وغیرہا قبیل مسائل متفرقۃ۔	جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کتاب الکراہیۃ کے تحت مسائل متفرقہ سے تھوڑا پہلے مذکور ہے۔(ت)

حالانکہ یہ منفعتین کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکر درست ہوگا بیشک یہ امر مقصد شرع کے (کہ صیانت

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

اموال ناس ہے اور وہی علت تحریم ربا کما فی الفتح (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) بالکل خلاف ہے هذا ماظهر لی (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیر آبادی ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چہ میفرمایند مسند آرایان شرع مبین ومولویان دین متین درباب کہ زید یک درم نزد بکرآورد گفت کہ این درم برگیرد فلوس بدہ بکر منجملہ نرخ فلوس رائج الوقت زید راداد گفت کہ فلوسے چند بموجب نرخ کم اند بازآمد برگیرید آید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس بر گرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نامشروع ست یا جائز وفلوسہائے باقی ماندہ از روئے شرع شریف ربٰو باشد یانہ؟ بینوا توجروا بحوالہ کتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب	مسند شریعت پر جلوہ افروز ہونے والے دین متین کے علمائے کرام اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں کہ زید ایک درہم بکر کے پاس لایا اور کہا یہ درہم لے لو اور اس کے پیسے دے دو، بکر نے بازار کے نرخ کے مطابق رائج الوقت پیسے زید کو دیتے ہوئے کہا کچھ پیسے کم ہیں پھر کسی وقت آکر لے جانا، چنانچہ زید بعد میں کسی وقت آیا اور باقی پیسے لے لئے شریعت لطیفہ کی رو سے یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بقیہ پیسے جو بعد میں لئے گئے سود ہونگے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بیان فرمائیں اور اجر پائیں، اللہ تعالٰی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔(ت)

الجواب:

در بیع فلوس بدرہم برمذہب راجح تقابض شرط نیست ہمیں قبضہ یک جانب کافیست پس چوں زید درہم بہ بکر داد قبضہ از یک طرف متحقق شد، اگر زید آن دم یک پول ہم نگرفتے روابودے حالانکہ بعض آں وقت وبعض دیگر وقت دیگر گرفت وہنوز فلس رائج بودہ کاسد نشدہ ہم جائز ماند وہیچ احتمال ربٰو رانیافت فی الهندية عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن	راجح مذہب کے مطابق پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دو طرفہ قبضہ شرط نہیں بلکہ صرف ایک طرف کا قبضہ کافی ہے لہٰذا جب زید نے بکر کو درہم دے دیا تو ایک طرف سے قبضہ متحقق ہوگیا، اگر زید اس وقت ایک پیسہ بھی نہ لیتا تب بھی جائز تھا حالانکہ یہاں تو کچھ پیسے اس وقت اور کچھ دوسرے وقت اس نے لئے اور دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج تھے کھوٹے نہیں ہوئے تو یہ جائز ہے، اور سود کا اس میں کوئی احتمال نہیں، ہندیہ میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے درہموں کے بدلے

ولم تکن الفلوس عند البائع بالبیع جائز اھ [1] وفیها عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم و قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولولم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس [2] اھ ملخصا وایں مسئلہ رادر فتوائے دیگر ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے جبکہ بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تھے تو یہ بیع جائز ہے اھ، اسی میں حاوی وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے بائع نے درہم پر قبضہ کرلیااور مشتری نے پچاس پیسوں پر قبضہ کرلیااب پیسے کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع فاسد ہوگئی اگروہ کھوٹے نہ ہوتے تو بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری کو باقی پیسے لینے کاحق ہوتا اھ تلخیص اس مسلہ کومیں نے دوسرے فتوی میں تمام تر تفصیل کارنگ دیا ہے،اور اللہ تعالٰی بہتر جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۲۴۸: از پکسرانوالہ ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اسی وقت زید کو دے دئے اور کہا چار آنے اس وقت نہیں کل یاپرسوں دے دوں گا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یار بالازم آئے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کا قبضہ کافی ہے صورت مسطورہ میں کوئی ربانہ ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۹: از کانپور گور کھپور دکان مرسلہ محمد حی صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مروجہ مبلغ یک صد روپیہ کا ہے اس کا خوردہ نوٹ لیا جائے کم بیش پر جائز ہے یانہیں؟ خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سو روپے نقد کے مقابلہ میں سو روپے کا نوٹ لیا جائے یا اس پر کچھ بٹہ لے کر کمی بیشی جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۵

الجواب

نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی برضامندی فریقین مطلقاً جائز ہے کہ وہ اموال ربویہ سے نہیں۔ ہاں سو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرالیا جائے کہ پیسہ اوپر سو لیں گے یہ سود اور حرام قطعی ہے، اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو تو ہمارے رسالہ **کفل الفقیه الفاهم** میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۵۰: از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۱صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیوپاری موتیوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں سو روپیہ اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فی صد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم لینے دینے کا رواج ہے، آیا اس طرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں

قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو، لہٰذا اگر ان روپوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جن کا نرخ اس وقت کمی بیشی ہو جاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیوں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کی جائیں تو یہ عمل شرعاً درست ہے کہ نہیں یا کہ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیوں کا درست تو نہیں ہے جواب بطریق مذہب حنفی دیا جائے، آفرید گار عالم جزائے خیر عنایت فرمائے گا۔

بینوا توجروا

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب:

صورت مذکورہ سوال حرام ہے

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاھاء وھاء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مگر (یہ اس وقت جائز ہے) جب ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی مجلس میں دونوں طرف سے قبضہ کرلیا جائے۔ (ت)

ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گرانی بیچیں یا باجازت اہل چندہ نوٹ خرید کر ادھار زیادہ کو بیچیں مگر عقد ہو جس میں ثمن ایک مدت معینہ کے بعد دینا قرار پائے، یہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور پیسہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [4]۔	جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔ (ت) اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: از بیرم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یازدہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ کا جیسے سود کا شبہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

[4] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/۴

الجواب:

صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سود و حرام و گناہ نہیں، صرف مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولٰی ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں۔

فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما من الاسفار لا کراھۃ فیہ الاخلاف الاولی لما فیہ من الاعراض عن مبرۃ القرض [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اس میں یہ قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۳تا۲۵۴: از بدایوں محلّہ سوتھنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپے میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکمشت ادا کردے تو یہ بیع صحیح ہے اور سود تو نہیں ہے؟

(۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کرکے بکر کے ہاتھ (صہ عہ/) روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجّل خواہ موجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ" [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہو رہا ہے تو

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۴۴

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

دس کانوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سود ہے یہ اس کی محض نافہمی اور قواعد شرعی سے بیگانگی بہ استیلائے وہمی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہم جنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اجماع سے اختلاف جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بفرض غلط اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کانوٹ دس کو بیچنا عین سود اور حرام مردود ہوگا، اموال ربویہ میں شرع نے مالیت کالحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن وکیل میں برابری کاحکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ **جیدہ وردیہ سواء** (اس کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ت) سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعا ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک روپے کی بیچنی حلال ہوگی، حاشا بلکہ قطعاً سود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی کا قرار پاگیا تو ہرگز اس کالحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھئے دونی چونی جو کچھ چڑھے بس اتنے کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سود کا وبال تو ظاہر ہوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہرا کر جو لوگ دس کانوٹ دس ہی کو بیچنا بتارہے ہیں اب اپنے منہ آپ سود کو حلال کرتے اور بندگان خدا کو حرام کا راستہ سکھا رہے ہیں، جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کرلیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابر لازم ہے بہت اچھا، جب وہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہوسکے گا یا ایک ہی چیز یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقینا سود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ درمختار وغیرہ کتب مذہب میں مصرح ہے **صرفا للجنس الی خلاف الجنس**[1] (جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے۔ت) یعنی یہ قرار دینگے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو۲ روپے دو۲ اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کرسکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح وغیر مردود۔

بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلا دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کی کرامت ہے کہ حدوث نوٹ سے صدہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرماگئے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [1]۔	یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلا کراہت بھی نہیں۔

اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بکتا کہاں تھا وہ یہی نوٹ کہ اب حادث ہوا اور علماء نے صدہا سال پیشتر اس کا حکم بتایا، یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اہل انصاف کو اسی قدر کافی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) غلہ کہ ابھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرالیا گیا اس میں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل و تمثیل سب بتکمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور، اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کی مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہوجائے اور اگر سونا یا چاندی بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام، ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دے دینا صحیح ہے اور سود نہیں،

لما مر صرف الجنس الی خلاف الجنس [2] ای فیکون بالفضۃ مایساویھا وزنا من الدراھم وبالباقی الباقی، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ گزرا کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرا جائیگا یعنی چاندی کے بدلے درہم میں سے اس وزن کے برابر ہوگا اور باقی باقی کے بدلے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۵: از شہر کہنہ مرسلہ حمایت اللہ خاں صاحب ۲۹ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپے کا نوٹ دے کر بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں فتح القدیر و ردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [3]۔	اگر کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی کو نہیں روکتا، ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو برضائے مشتری سو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دے دے۔

قال الله تعالٰی " اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔(ت)

نوٹ کا ثمن اصلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلاف جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بہ تعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنہ آتے ہیں نہ پندرہ نہ سترہ، یہ عرفی تعیین اور اس کا ثمن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کرسکتا۔ علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے، درمختار میں ہے:

من اعطی صیر فیادرہما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درہم فلوساونصفا الاحبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ ومابقی بالفلوس [2]۔	کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ نصف درہم کے پیسے دے دو اور نصف درہم دے دو جس میں سے ایک حبہ کم تر ہو تو بیع صحیح ہوگی نصف درہم ایک حبہ کم اپنی مثل کے مقابل ہوجائے گا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔ (ت)

نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے، مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے کہ اختلاف جنس کے بعد تفاضل جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ [3]۔	دودرہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے بدلے فروخت کرنا صحیح ہے جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے۔(ت)

عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہوجاتیں اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

پچیس کی پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے چونسٹھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یا چاندی کی جنس ہوجاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یایوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہوااور ربانہ ٹھہرا تو دس کا نوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہوجائیگا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کردیا تھا یونہی دس کا نوٹ کہنا کاغذ کو نقرہ نہ بنادے گا۔ عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علت ربا اتحاد وقدر وجنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعی کے باعث اپنے وزن سے دوچند قیمت کا ہوگیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کرکے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہوجائے گا یونہی عمدہ سونا پچیس روپے تولے والا خراب سونے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اس کا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گئی ہے، ہدایہ ودرمختار میں ہے:

لایجوز بیع الجید بالردی ممافیه الربا الا مثلا بمثل لاهدار التفاوت فی الوصف۔[1]	اموال ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ برابر برابر ہوں کیونکہ یہاں وصف میں تفاوت معتبر نہیں(ت)

اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ربا کدھر سے آیا، ابھی فتح القدیر ورد المحتار وغیرہا سے تصریح گزری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جس میں نام کو کراہت تک نہیں، خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صدہا سال پیشتر تحریر فرماگئے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جس کا بیان مشرح گزرا اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب الٹا ربا تم پر وارد ہوگا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلو تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کا نوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھ کر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رو سے سود حلال کررہے ہیں اس سے بھی قطع نظر سہی نوٹ اگر عین

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۱

ہو گیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہو گا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہو جائے گی اور ابھی در مختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہر گز ربا نہیں۔ نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہوگا اب یہ عجیب حکم پیدا ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلا سود نہیں، غرض ان لوگوں کی مخالفت اصلا کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سروپا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرا لینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا [1]۔ رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے، اس کو حارث بن ابواسامہ نے سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرا لینا کیوں حرام ہوا تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

فقیر ان مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعونہ تعالٰی ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی انصاف کو یہی جملے بس ہیں مسلمان انھیں بغور وانصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والھادی وولی الایادی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی (عہ/) روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ (ع عہ/) روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ماہوار قسط کرکے بارہ مہینہ میں اس زر ثمن کو

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

پورا کردے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کے لئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کردیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کرسکے۔ بینوا توجروا

الجواب:

جبکہ حقیقۃً بائع ومشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہو اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی، اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے جہال اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

اور خالی استغراق بے قبضہ شرعا کوئی چیز نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: پس رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلاً زید کو اس مکان میں رہنا یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: از مارہرہ مطہر ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفلس بالفلسین جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

راجح یہ کہ ناجائز ہے،

کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح واقرہ علیہ من بعدہ من المحققین کالبحر والنہر والغزی والمقدسی والشرنبلالی وفی الدر المختار حرم الکل محمد وصحح [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی تحقیق فرمائی اور بعد میں آنے والے محققین نے اس کو برقرار رکھا جیسے بحر، نہر، غزی مقدسی اور شرنبلالی، اور درمختار میں ہے کہ امام محمد نے سب کو حرام کہا اور اس قول کو صحیح قرار دیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۲۵۷: از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں جائز ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ" [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال کیا ہے اللہ تعالٰی نے بیع کو۔ ت) در مختار میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس ومثلہ بیع کُرّبر وکر شعیر بکر بر وکر شعیر وکذا بیع احد عشر درہما بعشرۃ دراہم ودینار [2]	جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے عوض بیچنا صحیح ہے، اور اسی کی مثل ہے ایک بوری گندم اوایک بوری جو کو دو بوری گندم اور دو بوری جو کے عوض فروخت کرنااور اسی طرح گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض بیچنا۔ (ت)

اور قرض میں حرام **قال اللہ تعالٰی** وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس نے سود کو حرام کیا۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا [4]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

یعنی اگر دس روپے دوسو چالیس آنے کو بیچے توحلال اور اگر دس روپے قرض دئے اس شرط پر کہ دوسو چالیس یاایک سو اکسٹھ ہی آنے لوں گا توحرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵
[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵
[4] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ مولوی احسان حسین ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بہ نیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچہری سے خرید کرکے دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو قرض فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک مدیون سے لے لینا مقرر کیا اور اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیا اور مدیون سے تمسک لکھا کہ شرط کرلیتے ہیں کہ سال بھر میں ادانہ کروگے تو نالش کرکے مع خرچہ کے مدیون کی جائداد سے یا اس کے ضامن سے وصول کیا جائے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام وواجب الفسخ اور مدار اعمال کا نیت پر ہے،

"**وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ**" [1] (اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ ت) جو فعل سود کی نیت سے کیا جائے قطعاً موجب گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہ ربا نہ اور قرض زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید وفروخت پر کمی بیشی بلاشبہہ جائز ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۰: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا ایک سو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

نوٹ مثل اور اشیاء فروختنی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے بیع وشراء شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے، امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [2]۔	اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کراہت نہیں ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

ہاں یوں کہ سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ اس کے عوض ایک سو دس روپے کا نوٹ لوں گا یا سو روپے کا نوٹ ایک سو دس کو بیچا اور قرار داد کیا کہ یہ زر ثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار یہ صورتیں قطعی سود و حرام ہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا، دونوں ایک ہی سے ہیں، یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔(ت)

مسئلہ ۲۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دے دے اس نے ۸/ دئے اور کہا کہ ۸/ کل دوں گا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و در مختار و فتاوٰی بزازیہ و مبسوط و محیط و ذخیرہ و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاوٰی علامہ حانوتی و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں جواز پر جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے **خروجا عن الخلاف** (اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ت) اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں **لجنوح عامة العلماء الی الجواز** (عام علماء کا جواز کی طرف بیان ہونے کی وجہ سے۔ت) تنویر الابصار میں ہے:

باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز[3] انتھی۔	کسی نے پیسے فروخت کئے اپنی مثل کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض، اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے۔ انتھی۔(ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز کذا فی المبسوط وروی الحسن عن ابی حنیفة اذا اشتری فلوسا بدراہم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الاٰخر دراہم ثم ان احدہما دفع و تفرقا جاز وان لم ینقد واحد منہما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط [1] اھ ملخصا۔	اگر کسی نے درہموں کے بدلے پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہ تھے تو بیع جائز ہے یونہی مبسوط میں ہے، اور حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے جبکہ نہ اس (بائع) کے پاس پیسے ہیں نہ دوسرے (مشتری) کے پاس درہم ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کردی اور وہ جدا ہوگئے تو جائز اور اگر جدا ہونے تک دونوں میں سے کسی نے بھی ادائیگی نہ کی تو ناجائز ہے محیط میں یوں مذکور ہے اھ تلخیص۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس نسئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله لو باع فضة اوذہبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الہدایة من انه لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذہب اوفضة اھ قلت	حانوتی سے سونے کے پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور اگر کوئی پیسوں کے بدلے سونا یا چاندی بیچے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ محیط کے حوالے سے بحر میں مذکور ہے اور فرمایا کہ جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے اس سے دھوکہ مت کھانا یعنی یہ کہ پیسوں کی سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیع ناجائز ہے اھ میں کہتا ہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

والجواب حمل مافی فتاوی قاری الهداية علی مادل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض فی الجانبین فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی مافی الاصل [1] الخ اهملخصاً۔	جواب یہ ہے کہ جو جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے وہ اس پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی ایک طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے لہٰذا اس پر بزازیہ کی اس عبارت سے اعتراض نہیں کیا جائے گا جو کہ مبسوط کے بیان پر محمول ہے الخ تلخیص (ت)

اسی میں ہے:

لو باع فضة بفلوس فانه یشترط قبض احدا البدلین قبل الافتراق لاقبضهما کمافی البحر عن الذخیرة ونقل فی النهر عن فتاوی قاری الهداية انه لایصح تاجیل احدهما ثم اجاب عنه [2] الخ۔والله تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی چاندی کو پیسوں کے عوض بیچے تو اس میں افتراق سے پہلے بدلین میں سے صرف ایک پر قبضہ شرط ہے دونوں پر قبضہ شرط نہیں جیسا کہ بحر میں بحوالہ ذخیرہ مذکور ہے، نہر میں فتاوٰی قاری الہدایہ سے منقول ہے کہ بدلین میں سے ایک کو مؤجل کرنا صحیح نہیں، پھر صاحب نہر نے اس کا جواب دیا۔ الخ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منصوری پیسے سے بدلنا اور کُچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے،

کما ہومذهب الامام محمد وهوالراجح والاقرب الی الصواب لتحقق العلة اعنی القدروالجنس ووجود التفاضل قطعاً وورود الشرع بحرمته یقیناً واما ما ذکروا من حدیث التفرقة	جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اور وہی راجح اور حق کے قریب ترین کیونکہ اس میں علت ربا یعنی قدر و جنس متحقق ہے اور قطعی طور پر تفاضل موجود ہے، اور اس کی یقینی حرمت پر شرع وارد ہے اور وہ جو فقہاء نے فرق والی بات ذکر کی ہے کہ اگر کوئی چیز

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۵

بین ما اذا دخل تحت المعیار فلا یجوز واما اذا لم یدخل کفنة بحفنتین وفلس بفلسین فیجوز فقد زیفه العلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح [1] بما ترکن الیه البصائر وتسکن لدیه الخواطر فلیراجعه من شاء۔ قال الشامی وقد نقل من بعده کلامه ھذا واقروہ علیه کصاحب البحر والنھر والمنح والشرنبلالیة والمقدسی [2] انتھی قال العلائی وحرم الکل محمد وصححه کما نقله الکمال [3] انتھی فافھم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معیار کے تحت داخل ہو تو بیع ناجائز اور اگر نہ داخل ہو جیسے ایک مٹھی دو مٹھی کے بدلے میں اور ایک پیسہ دو پیسوں کے بدلے میں تو جائز ہے اس کا رد علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں کیا ہے جس کی طرف نظریں مائل ہوتی ہیں اور دل سکون پاتے ہیں تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، شامی نے کہا کہ اس کے بعد والوں نے اس کا یہ کلام نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے جیسے صاحب البحر، نہر، منح، شرنبلالیہ اور مقدسی (انتہی) علائی نے کہا امام محمد نے اس سب کو حرام کہا اور ان کے قول کی تصحیح کی گئی جیسا کہ کمال نے اس کو نقل کیا (انتہی) پس سمجھ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳تا۲۶۵: از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلّہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے عوض زید سے روپے لے کر قبضہ کرلیا پھر روپے زید کو ادا کردئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھا لیا پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کرلو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بیچتا ہوں تم خریدار تلاش کردو، دلال عمرو کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۱، فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۳۔۱۶۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

پاس آیا عمرو نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمرو سے تمسک لکھوالیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دے دیا اور نوٹ لاکر عمرو کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(ا) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے،

لکونہ شراء ماباع باقل مما باع فان قلت ھو ثمن و الاثمان لاتتعین فی العقود فلا یحکم بانہ یبیع ما شری قلت المناط ثمہ ایراد العقد علی عین ما مبلکہ سابقا وھذا منتف عند عدم التعین اماھھنا فالمناط ان یعود الیہ عین مبلکہ کما خرج قال فی التبیین فی تعلیل المسألۃ لان الثمن لم یدخل فی ضمان البائع قبل قبضہ فاذا عادالیہ عین مالہ بالصفۃ التی خرج من مبلکہ وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی لہ علیہ فضل بلا عوض فکان ذٰلك ربح مالم یضمن وھو حرام بالنص اھ[1] وقال فی الفتح وھذا الان الثمن	کیونکہ یہ اپنی ہی فروخت کردہ شیئ کو اس قیمت سے کم پر خریدنا ہے جس پر اس نے فروخت کی تھی اور تو کہے کہ وہ ثمن ہے اور ثمن عقود میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ وہ اسی چیز کو بیچ رہا ہے جس کو اس نے خریدا۔ **میں کہتا ہوں** کہ وہاں دارومدار عقد کے بعینہٖ اس چیز پر وارد کرنے پر ہے جس کا وہ سابق عقد میں مالک ہوا اور وہ عدم تعین کے وقت منتفی ہے لیکن یہاں دارومدار اس پر ہے کہ اس کا مملوک بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آئے جیسے اس کی ملک سے خارج ہوا تھا، تبیین میں اس مسئلہ کی تعلیل یوں فرمائی کہ چونکہ ثمن قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب اس کا مال بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آیا اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی ملک سے خارج ہوا تھا اور بعض ثمن بعض کا بدلہ ہوگئے تو اس کے لئے دوسرے پر کچھ زیادتی بلاعوض رہ گئی تو یہ نفع ہے اس چیز پر جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، اور یہ نص سے حرام ہے اھ، فتح میں کہا یہ حکم اس لئے ہے کہ ثمن

[1] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۵۴

لایدخل فی ضمانہ قبل البقض فاذا عادالیہ الملك الذی زال عنہ بعینہ وبقی لہ بعض الثمن فھو ربح حصل لا علی ضمانہ من جھۃ من باعہ [1] اھ ومثلہ فی سائر الکتب المعللۃ ومعلوم ان الاثمان لاسیما الاصطلاحیۃ وان لم تتعین فی العقود متعینۃ فی الملك قطعا فلیس للمودع ان یبدل دراہم الودیعۃ بدراہم من عندہ فعود مامللك کما خرج ثابت قطعا وعلیہ تدور رحی المنع کما علمت ھذا ماظھر لی وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی واعلم۔	قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتے پھر اس کی مملوک جو اس کی ملکیت سے زائل ہوئی تھی بعینہٖ اس کی طرف لوٹ آئی اور اس کے بعض ثمن باقی رہے تو یہ ایسا نفع ہے جو اس چیز پر حاصل ہوا جو اس کی ضمان میں نہیں اور اس شخص کی طرف سے حاصل ہوا جس کو اس نے یہ چیز بیچی تھی اھ اور اس کی مثل تمام تعلیل بیان کرنے والی کتابوں میں ہے،اور یہ معلوم ہے کہ ثمن خصوصا اصطلاحی ثمن اگرچہ عقود میں متعین نہیں ہوتے مگر ملک میں قطعی طور پر متعین ہوتے ہیں لہٰذا جس کے پاس امانت کے طور پر درہم رکھے گئے ہوں وہ ان کو اپنے پاس سے دوسرے درہموں سے بدل نہیں سکتا چنانچہ مملوک کا لوٹ کر آنا جیسا کہ وہ ملک سے خارج ہوا تھا قطعی طور پر ثابت ہوگیا اور ممانعت کی چکی اس پر گھومتی ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا،اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا ہو، غمز العیون میں ہے:

یفھم من فروع الواقعات الحسامیۃ ان لصاحب الدراہم الدین استبدال الدنانیر بھا وعکسہ وھو ظاہر وکثیر الوقوع وھی مسألۃ بیع الدین من المدیون [2]۔	فروع واقعات حسامیہ سے مفہوم ہوتا ہے دراہم کے قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اس کے بدلے دینار لے لے اور اسی طرح اس کا عکس،اور یہ ظاہر اور کثیر الوقوع ہے اور یہ دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے کا مسئلہ ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷

[2] غمز العیون البصائر مع اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

اشباہ میں ہے:

فی وکالۃ الواقعات الحسامیۃ لوقال وھبت منك الدراھم التی علی فلان فاقبضھا منه فقبض مکانھا دنانیر جاز لانه صار الحق للموھوب له فیملك الاستبدال[1]	واقعات حسامیہ کے باب الوکالۃ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے وہ دراہم ہبہ کردئے جو میرے فلاں پر ہیں تو ان پر قبضہ کرلے، پھر اس نے دراہم کے بدلے دنانیر وصول کرلئے تو جائز ہے کیونکہ یہ موہوب لہ کا حق بن گیا لہٰذا وہ تبدیل کرسکتا ہے۔(ت)

نیز یہاں اگر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کریوں گیارہ سو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے، اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کردیا تھا جب تو ظاہر **لان من باع لم یشترو من شری لم یبع** (کیونکہ جس نے بیچا اس نے خریدا نہیں اور جس نے خریدا اس نے بیچا نہیں۔ت) اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادانہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کرکے اس کے ذریعہ سے وہ چیز کم قیمت کو خریدے، ہاں اگر بکر وکیل نہ ہوتا صرف رسول ہوتا مثلاً زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمرو سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دے دے بکر آکر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس پر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سو کا نوٹ ملا کر بھیج دیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا رسول تو بیچ میں نرا ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوق بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یوں ہوا کہ عمرو سے اس نے خریدا اور اس سے زید نے لیا بیچ میں ایک بیع کا توسط ہوگیا لہٰذا زید کو لینا حلال ہوا، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام ابوالحسن کرخی سے ہے:

ان وکل البائع من یشتریه باقل من الثمن الاول فاشتراہ فالشراء جائز عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه وقال ابویوسف الشراء لازم للوکیل ولایلزم الاٰمر، وقال محمد للاٰمر بشراء	اگر بائع نے وکیل بنایا کہ وہ بائع کی فروخت کردہ چیز کو ثمن اول سے کم پر خریدے اور اس نے خرید لیا تو یہ خریداری امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ خریداری وکیل کے لئے لازم ہوگی آمر کے لئے لازم نہ ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

فاسد الی ھنا لفظ الکرخی وجه قول محمد انه امرہ بما لو باشرہ بنفسه یکون فاسدا و وجه قول ابی یوسف العقد له زیادۃ فساد بدلیل ابطال الجھاد فلم یجز التوکیل به ولابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ان الموکل فی المعنی مشتری من الوکیل قاصدا کما اذا اشتری من غیرہ[1]۔	نے فرمایا یہ خریداری فاسد ہے، یہاں تک کرخی کے لفظ ہیں، امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کام کا وکیل بنایا جس کو اگر یہ خود کرتا تو فاسد ہوتا، امام ابویوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں زیادہ فساد ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اس پر ابطال جہاد کی وعید حدیث میں آئی ہے لہٰذا اس کی توکیل جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل دراصل وکیل سے خریدتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے وہ کسی غیر سے خریدے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو باع ثم وکل اٰخر حتی یشتری باقل جاز عندہ[2]۔	اگر کسی نے کوئی چیز بیچی پھر کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ اس کو پہلے سے کم قیمت پر خریدے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو اشتراہ الوکیل صح لانه ماباع ولابیع له ولو باع الوکیل ثم اشتراہ احدھما لایصح اما الوکیل فلانه باع واما المؤکل فلانه بیع له اھ مختصرا[3]۔	اگر وکیل نے اس کو خریدا تو درست ہے کیونکہ نہ تو وکیل نے اس چیز کو بیچا اور نہ ہی اس کے لئے بیچا گیا، اور اگر وکیل نے اس چیز کو بیچا پھر ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس کو (ثمن اول سے کم پر) خریدا تو درست نہیں کیونکہ وکیل نے تو خود اسے بیچا اور مؤکل کے لئے وہ چیز بیچی گئی اھ اختصار (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو اشتری وکیل البائع باقل من الثمن	اگر بائع کے وکیل نے ثمن اول سے کم پر خریدا تو

[1] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصر الکرخی باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

[3] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۵

الاول جاز عندہ خلافا لهما لان تصرف الوکیل عندہ یقع لنفسه [1] الخ **اقول**: وبالجملة النقل فی المسألة فاش مستفیض فما وقع فی ردالمحتار لواشتروا بالوکالة عن البائع لایجوز لوکانوا اجانب عنه کما فی قول المصنف اوبوکیله [2] اھ سهو عظیم یجب التجنب عنه ومنشأہ ان المصنف قال فسد شراء ماباع بنفسه اوبوکیله [3] الخ والظرف کان متعلقا بباع وحدہ وتوهم العلامة رحمه الله تعالٰی تعلقه بکلا لفظی الشراء وباع علی سبیل التنازع حیث قال قوله بنفسه اووکیله تنازع فیه کل من شراء وباع الخ [4]، ثم نقل من البحر کلاما لایوهم مابتخیله اصلا انما فیه منع شراء البائع	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے بخلاف صاحبین کے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف اپنی ذات کے لئے واقع ہوتا ہے اھ۔ **میں کہتاہوں** خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نقل عام تواتر کے ساتھ ہے اور جو ردالمحتار میں واقع ہوا ہے کہ اگر بائع کے وکیل ہوکر انہوں نے خریدا تو ناجائز ہے اگرچہ وہ بائع سے اجنبی ہوں ــــــ جیساکہ مصنف کے قول "اوبوکیلہ" میں ہے اھ یہ بہت بڑا سہو ہے جس سے بچنا واجب ہے، اس سہو کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے کہا اس چیز کو خریدنا فاسد ہے جس کو بائع نے بذات خود بیچا یا اس کے وکیل نے بیچا الخ اس عبارت میں ظرف (جارمجرور) صرف "باع" سے متعلق تھا جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وہم کیا کہ یہ بطور تنازع "باع" اور "شراء" دونوں لفظوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ شراء اور باع میں سے ہر ایک نے مصنف کے قول "بنفسہ او وکیلہ" میں تنازع کیا الخ اس کے بعد علامہ شامی نے بحر سے ایسا کلام نقل فرمایا جو علامہ شامی کے تخیل کا وہم تک نہیں رکھتا کیونکہ اس میں تو بائع

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۸

[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۵

[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

[4] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

سواء باع لنفسه اولغیرہ ومن باع له وکیله وسواء کان شراء لنفسه اولغیرہ اماالذی لم یبع ولا بیع له فلا تعرض فیه لمنعه من الشراء اصلا سواء شری لنفسه او لغیرہ کوکیل البائع بالشراء اما مافی مختصرا لکرخی فی صدرالکلام المذکور لایجواز ان یشتری ذٰلك وکیل البائع فی قولهم جمیعا [1] (ملخصا) فمعناہ وکیله بالبیع کما قدمناہ عن التبیین وفیه لو وکل رجلا ببیع غیرہ فباع ثم ارادالوکیل ان یشتری باقل لنفسه اولغیرہ بامرہ لم یجز [2] اھ(ملخصا) ومثله فی الهندیة عن المحیط نعم وکیل البائع فی کلام الفتح المذکور بمعنی وکیله بالشراء فتثبت ولا تزل وباللّٰه التوفیق واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کی خریداری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے بائع نے بذات خود بیچا ہو یا اس کے وکیل نے اور چاہے اپنے لئے خریداری کرے یا غیر کے لئے لیکن وہ شخص جس نے نہ تو خود بیچا نہ ہی اس کے لئے اس چیز کو بیچا گیا اس کی خریداری کی ممانعت سے اس عبارت میں بالکل کوئی تعرض نہیں چاہے وہ اپنے لئے خریدے یا غیر کے لئے جیسے خریداری کے لئے مقرر کردہ وکیل اور وہ جو کلام مذکور کے شروع میں مختصر کرخی میں مذکور ہے کہ بائع کے وکیل کا اس چیز کو خریدنا تمام فقہاء کے قول میں ناجائز ہے اس کا معنی وہ وکیل جس کو بیع کے لئے مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ تبیین کے حوالے سے ہم اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں، اسی میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو کسی چیز کی بیع کا وکیل بنایا اور اس نے وہ چیز فروخت کردی پھر اسی وکیل کا ارادہ ہوا کہ اس چیز کو ثمن اول سے کمتر ثمن کے عوض اپنی ذات کے لئے یا کسی اور کے لئے اس کے حکم پر خریدے تو یہ ناجائز ہے اھ اور اس کی مثل ہندیہ میں بحوالہ محیط ہے، فتح کے کلام مذکور میں وکیل بائع سے مراد بائع کا وہ وکیل ہے جس کو خریداری کے لئے اس نے مقرر کیا چنانچہ ثابت قدم رہ مت ڈگمگا، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے اور اللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) جائز ہے اگر عمرو نے کہا کہ خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اس جلسہ میں قبضہ کرلیا اس صورت میں عمرو کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دے دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمرو سے کہا اور عمرو نے جواب دیا کہ میں نے خریدا یعنی عقد بیع وشراء یہیں ہولیا اور تمسک لکھ گیا بعدہ دلال نے نوٹ زید سے

---

[1] حاشیه الشلبی تبیین الحقائق بحواله مختصر الکرخی باب بیع الفاسد الطبعة الکبرٰی مصر ۴ /۵۴

[2] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۵۴

لا کر دیا تو حرام و باطل ہے کہ جلسہ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہوا نہ روپوں پر۔

فکان افتراقا عن دین بدین وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	تو یہ دین سے دین کے بدلے جدائی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے بدلے بیع سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از بنارس محلّہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جزو شریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہذا کلابتوں مذکور حکماً چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزار ہا بندہ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالا ناجائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دئے جائیں تو باب تجارت خصوصاً اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہوجائے گا نوبت فاقہ کشی کی پہنچے گی، بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جدا نہ ہو سکتا ہے۔

فان ح تمویہ والتمویہ لاعبرۃ بہ لانہ مستھلک کما صرحوا بہ قاطبۃ وفی کافی الامام الحاکم الشھید اذا اشتری لجاما مموہا بفضۃ بدراہم اقل مما فیہ او اکثر فھو جائز لان التمویہ	کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے امام حاکم شہید کی کافی میں مذکور ہے اگر کسی نے ایسا لگام خریدا جس پر چاندی کا پانی چڑھا یا گیا تھا کچھ درہموں کے بدلے میں جو اس چاندی سے کم

[1] سنن الدار قطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

لایخلص الا تری انہ اذا اشتری الدار المموھۃ بالذھب بثمن مؤجل یجوز ذلك وان کان مافی سقوفھا من التمویۃ بالذھب اکثر من الذھب فی الثمن [1]۔	ہوں جس کا پانی لگام پر چڑھا یا گیا یا اس سے زیادہ ہوں تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ پانی چڑھانے میں مستعمل چاندی لگام سے الگ نہیں ہو سکتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی ثمن مؤجل کے بدلے ایسا مکان خریدے جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی اگرچہ پانی چڑھانے میں مستعمل سونا ثمن کے سونے سے زیادہ ہو اھ۔ (ت)

مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس صورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل و تقابض دونوں اور بحالت اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہو تاکہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہو جائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یوں کہ اس مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کرلے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل و حرام ہے در مختار میں ہے:

الاصل انہ متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض و مزرکش بنقد من جنسہ شرط زیادۃ الثمن فلو مثلہ او اقل اوجھل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض [2] فقط۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب نقد کو غیر کے ساتھ ملا کر بیچا جائے جیسے مفضض اور مزرکش (جن چیزوں پر سونے یا چاندی کے پتر چڑھائے گئے ہوں تو اگر نقد مبیع کے ہم جنس نقد کے بدلے بیچا جائے تو ثمن کا زیادہ ہونا شرط ہے اگر برابر ہو یا ثمن اس سے کم ہو یا کمی بیشی مجہول ہو تو بیع باطل ہے اور اگر غیر جنس کے نقد کے بدلے میں بیچا جائے تو فقط تقابض (دو طرفہ قبضہ) شرط ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار بحوالہ کافی الحاکم کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

احکام الٰہیہ جل وعلا کے اتباع وامتثال سے ہر گز باب رزق مسدود نہیں ہو سکتا جبکہ وہ رب کریم رحیم رؤف رحیم احکام نفس وشیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازہ رزق بند نہیں کرتا ع

گناہ بیند وناں برقرار میدارد

(وہ گناہ دیکھتا ہے اور اس کے باوجود روزی برقرار رکھتا ہے۔ت)

تو اپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابل افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انہیں سیکھ لے تاکہ معصیت الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانونی میں جاری کیا اور قانون ربانی میں چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اصلا حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، توجہ کیا کہ دو روپے **استغفر اللہ** بلکہ دو۲ پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے دین کی پرواہ کیا ہے، یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہ عظیم سر پر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستور یوں ہی جاری رہے اور خالص حلال وطیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی، دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہو اتنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلاً سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ احاطہ فلاں رقمی صد روپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماثل شرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ نہ یہ بیع صرف ہے کہ قرضوں مطلقاً حرام ہوتا، بنائے کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صرف وہی کہ ثمن خلقی ثمن خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونا یا چاندی ہے وبس، ہاں از انجا کہ فلوس ونوٹ اصطلاحاً ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے کیلا یلزم الافتراق عن دین بدین (تاکہ دین کے بدلے میں دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ت) لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہب راجح ومعتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہٖ یہی حال کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو، درمختار میں ہے:

الصرف شرعا بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیہ [1] اھ ملخصًا	صرف اصطلاح شرع میں ثمن کے بدلے ثمن کی بیع ہے یعنی جسے ثمنیت کے لئے پیدا کیا گیا اھ تلخیص۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفی رد المحتار عن البحر عن الذخیرۃ فی مسألۃ بیع فلس بفلسین باعیانہما ان محمدا ذکرھا صرف الاصل ولم یشترط التقابض (وعللہ من اعتمد من المشائخ) بان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس بہ[1] کما فیہ عنہ عنہما عنہم قلت وقد حققنا المسألۃ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ بمایتعین الوقوف علیہ فانہ بحمدہ تعالٰی نفیس لھم قال ابن عابدین سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لواشتری مائۃ فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ مالو باع فضۃ اوذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط[2] الخ۔	اور ردالمحتار میں ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض بیع کے مسئلہ کے ضمن میں بحوالہ بحر ذخیرہ سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد نے اس کو اصل کے باب الصرف میں ذکر کیا اور تقابض کو شرط قرار نہیں دیا، اور معتمد مشائخ نے اس کی تعلیل یوں بیان کی تعیین کے ساتھ تقابض تو صرف میں شرط ہے حالانکہ یہ صرف نہیں، جیسا کہ اس میں امام ابوحنیفہ، صاحبین اور ان تمام سے منقول ہے **قلت** (میں کہتاہوں) بے شک ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ" میں اس انداز سے کردی ہے جس پر واقفیت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ بحمداللہ یہ ان کے لئے بہت عمدہ ہے، امام ابن عابدین نے کہا کہ حانوتی سے سونے کی پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے سو پیسے ایک درہم کے عوض خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے پیسوں کے عوض سونا یا چاندی بیچا تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے بحر میں محیط کے حوالے سے یونہی منقول ہے۔ الخ (ت)

پھر لیتے وقت یہ ضرور نہ ہوگا کہ خاص پیسے یا نوٹ ہی لیں بلکہ برضائے مشتری ان پیسوں یا نوٹوں کے روپے بھی لے سکتے ہیں،

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

فانہ بیع عین بدین کان علیہ فیجوز برضاہ وقد علمت انہ لیس بصرف ولا سلم قال فی الدرالمختار لوباع ابلا بدراہم اوبکُرّبر جاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر وکذا الحکم فی کل دین قبل قبضہ کمھر واجرۃ و ضمان متلف وبدل خلع وعتق بمال وموروث و موصی بہ والحاصل جواز التصرف فی الاثمان و الدیون کلھا قبل قبضھا عینی سوی صرف وسلم فلا یجوز اخذ خلاف جنسہ لفوات شرطہ[1] اھ۔	کیونکہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شیئ کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہوجانے اس کی شرط کے اھ (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کردیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہوجائیگا۔

للافتراق عن الکالئ بالکالئ فی ردالمحتار قولہ جاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر لکن بشرط ان لایکون افتراقا بدین کما یاتی فی القرض[2] اھ (وقال فی قرض الدر) جاز شراء المستقرض القرض ولوقائما من المقرض بدراہم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بزازیۃ[3] فلیحفظ۔	دین کے بدلے دین کی بیع سے جدا ہونے کی وجہ سے ردالمحتار میں ہے کہ مصنف کا قول کہ ان دونوں کے بدلے کوئی شے لینا جائز ہے مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ بائع اور مشتری میں جدائی نہ ہو جیسا کہ قرض کے باب میں آرہا ہے اھ اور در کے باب القرض میں فرمایا مستقرض کے لئے جائز ہے کہ قرض دہندہ سے درہم مقبوضہ کے عوض قرض کو خریدے اگر قائم ہو پھر اگر وہ دونوں ان دراہم مذکورہ پر قبضہ سے پہلے متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ قرض سے افتراق ہے (بزازیہ) اس کو

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸۔۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۶

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹۔۴۰

	محفوظ کرلینا چاہئے۔(ت)

تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جو ان بائعوں میں جاری ہے صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے حلت ہوگئی اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلاوجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں، وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از بجنور در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب تلمیذ حضرت والاعلام قدس سرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اگر صراف کو روپیہ دیا اس کے پاس کل روپیہ کے پیسے نہ تھے موجود دئے باقی کا وعدہ کردیا تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دی جائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماثل اور تقابض اور مختلف الجنسین میں تقابض ہے درصورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع الفلوس بالدراہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری۔

فان الصرف بیع ماخلق الثمنیة بماخلق لها کما فسرہ بذٰلك فی البحر وتبعه فی الدرالمختار [1] واقرہ الشامی وغیرہ و معلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لها حکم الاثمان بالاصطلاح مادامت رائجة والافهی عروض کما فی اصل خلقتها وبعدم کونه صرفا صرح العلامة الشامی عن البحر وصاحب البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربٰو من رد المحتار [2]۔	کیونکہ صرف تو خلقی ثمن کو خلقی ثمن کے عوض بیچنے کا نام ہے جیسا کہ اس کی تفسیر بیان کی بحر نے اور درمختار میں اس کی اتباع ہے اور شامی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیسے ثمن خلقی نہیں انہیں تو جب تک وہ رائج ہیں اصطلاح میں ثمنوں کا حکم عارض ہے ورنہ تو یہ سامان ہیں جیسا کہ اصل خلقت میں تھے اور اسکے بیع صرف نہ ہونے کی تصریح علامہ شامی نے ردالمحتار کے باب الربٰو میں بحر کے حوالہ سے کی اور صاحب بحر نے بحوالہ ذخیرہ عن مشائخ نقل کیا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب الصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۹۲، درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

مگراس قدر میں شک نہیں کہ جب تاعین رواج ان کے لئے حکم اثمان ہے تواحد الجانبین میں قبض بالید ہونا ضروری ہے۔

والالکان افتراقا عن دین بدین و قد نہی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ [1]۔	ورنہ یہ دین کے بدلے دین سے افتراق ہوگا حالانکہ رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کے بدلے ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(ت)

اختلاف اسی میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یاایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیاحاجت۔

وھم الاکثرون وعلیہ نص محمد فی المبسوط و اعتمدہ فی المحیط والحاوی والبزازیۃ والبحر الرائق والنہر الفائق وفتاوی الحانوتی وتنویر الابصار و الدر المختار والفتاوی الھندیۃ وغیرہا من متون المذھب وشروحہ و فتاوٰہ وھو مفاد کلام الامام الاسبیجابی کمانقلہ الشامی عن الزین عن الامام	اور وہ اکثر ہیں اسی پر امام محمد نے مبسوط میں نص فرمائی اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے محیط، حاوی، بزازیہ، البحرالرائق، النہر الفائق، فتاوٰی حانوتی، تنویر الابصار، درمختار اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہ مذہب کے متون، شروح اور فتاوٰی میں، اور یہی مفاد ہے امام اسبیجابی کے کلام کا جیساکہ اس کو شامی نے بحوالہ زین امام اعظم سے نقل کیا ہے۔(ت)

اور جس نے ثمنیت مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا۔

کما افتی بہ العلامۃ قاری الھدایۃ واولہ الفاضل عمر بن نجیم بما یخرجہ عن الخلاف ونازعہ المحقق الشامی قائلا انہ محمول علی مادل علیہ کلام الامام محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین وکل ذٰلک مشرح فی ردالمحتار [2]	جیساکہ اس پر فتوٰی دیا علامہ قاری الہدایہ نے اور فاضل عمر بن نجیم نے اس کی ایسی تاویل کی جو اس کو خلاف سے نکالتی ہے اور محقق شامی نے یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ منازعت کی کہ اس کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع صغیر میں امام محمد کاکلام دلالت کرتا ہے یعنی دونوں جانبوں سے تقابض شرط ہے اور اس تمام کی تفصیل ردالمحتار

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

وغیرہ من الاسفار، قال العبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی له وما جنح الیه الفاضل الشامی سیدی محمد بن امین الدین اٰفندی ابن عابدین رحمة اللہ تعالٰی علیه من دلالة کلام الجامع الصغیر علی ذٰلك الاشتراط فقد تبع فیه صاحب البحر والعلامة زین الدین عول علی ماوقع فی الذخیرة کما ھو ایضا مذکور فی الحاشیة الشامیة ولکن لی فیه تأمل بعد فانی راجعت الجامع فوجدت نصه ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیة اوباع رطلین من لحم برطل من شحم البطن اوبیضة ببیضتین اوجوزة بجوزتین اوفلسا بفلسین اوتمرة بتمرتین یدا بید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمة اللہ تعالٰی علیه وقال محمد رحمة اللہ علیه لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرة بتمرتین[1] انتھی کلامه الشریف نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاته فی الدنیا والاٰخرة اٰمین۔

وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ جس معنی کی طرف علامہ سید محمد امین الدین آفندی ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی مائل ہوئے اس میں انہوں نے صاحب البحر کی پیروی کی اور علامہ زین الدین نے اس پر اعتماد کیا جو ذخیرہ میں واقع ہوا جیسا کہ حاشیہ شامیہ میں بھی مذکور ہے لیکن ابھی تک مجھے اس میں تامل ہے بیشک میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تو اس کی نص کو یوں پایا کہ محمد نے یعقوب سے اور اس نے ابوحنیفہ سے روایت کیا (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کہ ایک شخص نے دو رطل پیٹ کی چربی ایک رطل الیہ کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک رطل پیٹ کی چربی کے عوض بیچا یا ایک انڈہ دوانڈوں کے عوض یا ایک اخروٹ دواخروٹوں کے عوض یا ایک پیسہ دو پیسوں کے عوض یا ایک چھوہارا دو چھوہاروں کے عوض فروخت کیا اس طور پر کہ ان تمام چیزوں کا لین دین ہاتھوں ہاتھ ہوا اور یہ تمام چیزیں معین تھیں تو یہ بیع ہے اور یہی قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض ناجائز اور ایک چھوہارے کی بیع دو چھوہاروں کے عوض جائز ہے، امام صاحب کا کلام شریف ختم ہوا، اللہ تعالٰی ہمیں دنیاوآخرت

---

[1] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

فمحمل الاستنباط انما هو قوله رضی الله تعالٰی عنه یدا بید ولکن قدری من مارس الفقه ان هذا اللفظ لیس نصاصریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمهم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث معروف بالعینیة کما قال فی الهدایة ومعنی قوله علیه الصلٰوة والسلام یدا بید عینابعین کذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه [1] انتهی کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ماسواه ممایجری فیه الربٰوا فانما یعتبر فیه التعین فان حمل قول هذا فی العبارة التی ذکر نا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذٰلك فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین و بیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین فان المسائل کلها مسوقة بسیاق واحد وہذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله

میں اس کی برکات سے نفع عطا فرمائے آمین، تو محل استدلال امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "یدا بید" (ہاتھ ہاتھ) ہے لیکن فقہی مہارت والا جانتا ہے کہ بیشک یہ لفظ انگلیوں کے پوروں کے ساتھ قبضہ کرنے میں نص صریح نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے حدیث معروف میں اس کی تفسیر عینیت کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "یدا بید" "عینا بعین" ہے، یونہی روایت فرمایا ہے اس کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے، انتہی، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا ہے کہ بے شک باہمی قبضہ تو فقط بیع صرف میں شرط ہے اس کے علاوہ جس میں ربا جاری ہوتا ہے وہاں فقط تعیین معتبر ہے، اگر ہمای ذکر کردہ عبارت میں اس کے قول کو تقابض (دو طرفہ قبضہ) پر محمول کیا جائے اور اس سے ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع میں تقابض کا شرط ہونا اخذ کیا جائے تو پھر ایک کھجور کی دو کے عوض، ایک انڈے کی دو کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو کے عوض بیع میں بھی تقابض شرط ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل کا سیاق ایک ہی ہے (لہٰذا حکم بھی ایک ہوگا) حالانکہ ہمارے ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں لہٰذا

[1] الهدایه کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳۔۸۲

علی اشتراط التعین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیر القوله یدا بید و الا لکان حشوا مستغنی عنه فان التقابض فیه التعیین مع شیئ زائد فذکرہ بعدہ خال عن الفوائد ولذا لما نقل الامام صاحب الهدایة هذہ المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدر العینی فی البنایة[1]) یجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة بالتمرتین و الجوزة بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما[2] انتهی، فلیس فی الجامع ان شاء الله تعالٰی دلیل علی ماذکر هٰؤلاء الاعلام وان کان فمع احتمال الغیر احتمالا بینا لایراد ولایرام بخلاف عبارة الاصل اعنی المبسوط فانها نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما ستری ان شاء الله تعالٰی فعلیه فلیکن التعویل والله تعالٰی ولی التوفیق ہذا ما سنح للعبد القاصر	اس کو اشتراط تعیین پر محمول کرنا واجب ہے اور امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "باعیانها" ان کے قول "یدا بید" کی تفسیر ہوگا ورنہ یہ قول لغو اور بلاضرورت ہوگا کیونکہ تقابض میں تعیین کچھ اضافے سمیت موجود ہے تو پھر اس (تعیین) کو تقابض کے بعد ذکر کرنا فائدہ سے خالی ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب امام صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جامع صغیر سے نقل کیا تو اس میں سے یہ کلمہ (یدا بید) ساقط کرکے فقط عینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (بنایہ علامہ عینی) نے فرمایا کہ جائز ہے بیع ایک انڈے کی دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں کے عوض اور ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض، انتہی، چنانچہ جامع صغیر میں توان شاء اللہ اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی جو ان بزرگوں نے فرمایا اور اگر ہو بھی تب بھی غیر کا احتمال بین ہوتے ہوئے اس کا ارادہ نہیں کیا جائے گا، بخلاف اصل یعنی مبسوط کی عبارت کے کہ وہ تقابض کے شرط نہ ہونے پر نص ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تو دیکھے گا چنانچہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے یہ وہ ہے جو اس قاصر بندے

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربٰو المکتبة الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳ /۱۵۴

[2] الهدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

فتامله فان وجدته حقا فعليك به والا فارم به الجدار۔	پر منکشف ہوا اس میں غور کر اگر تو اس کو حق پائے تو عمل کرنا تجھ پر لازم ہے ورنہ اس کو دیوار پر دے مار۔ (ت)

بالجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، پس صورت مستفسرہ میں بیع بلاتردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم،

فی المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ[1] کذا فی الهندية و فيها عن الحاوی وغیرہ لواشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم و لم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا و لوقبض خمسین فلسا فکسدت بطل البیع فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس[2] اھ ملتقطا، وفی التنویر وشرحه باع فلوسا بمثلها او بدراہم او بدنانیر فان نقد احدہما جازوان تفرقا بلا قبض احدہما لم یجز[3] اھ ومسئلة المقام یستدعی اکثر من ھذا وفیما ذکرنا کفایة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبسوط میں ہے کہ جب کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے اور ثمن نقدا ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تو بیع جائز ہے اھ ہندیہ میں یونہی ہے، اسی میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے، بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا مگر مشتری نے ابھی پیسوں پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو قیاس کی رو سے بیع باطل نہیں ہوئی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع باطل ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری باقی پیسے لینے کا حقدار ہوتا اھ تلخیص، تنویر اور اس کی شرح میں ہے کہ کسی نے پیسوں کو ان کی مثل کے عوض یا درہموں کے عوض یا دیناروں کے عوض بیچا پس اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کردی تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں قبضہ کئے بغیر متفرق ہوگئے تو ناجائز ہے اھ اس مقام کا مسئلہ اس سے زیادہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] المبسوط للسرخسی کتاب البیوع باب البیع بالفلوس دار المعرفة بیروت الجزء الرابع عشر ص ۲۴، فتاوی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

مسئلہ ۲۶۸: از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھٹچراسٹریٹ مسئولہ عبدالکریم ابن قاسم ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم مجدد مائۃ حاضرہ، تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولانا صاحب کے نام سے کسی دوسرے نے چھپوا کر شائع کردئے ہیں اس بات کا بہت چرچا ہورہا ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس طرح سے ہوسکتا ہے، ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے، مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دست مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ان پر عمل کریں اور شک دور ہوجائے اور جب تک آپ کی طرف سے جواب نہیں آئے گا وہاں تک لوگوں کو بحث بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب:

رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظّمہ میں وہاں کے ایک عالم جدہ نے فقیر سے اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا، مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو ضرور بھیج دو، ان کو بھیج دئے گئے، نوٹ کا مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کردیا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

باب بیع التلجیة

(دکھلاوے کی بیع کا بیان)

مسئلہ ۲۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جس کا وہ مالک تھا بدست عمرو اپنی کسی مصلحت سے بلاوصول زرثمن فرضی طریق سے بیعنامہ تصدیق کرادیا اور قبضہ اپنا مبیعہ پر نہیں دیا ہے، اور عمرو کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کردوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسی مکان کو ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہوسکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

عمرو کو اگر اقرار وتسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی ہے جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہٰذا اگر عاقدین اسے جائز کردیں نافذ ہوجائیگی۔

فی الدر المختار انه بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار [1] الخ وفی ردالمحتار	درمختار میں ہے کہ وہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع الخ، اور ردالمحتار میں

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۵۷

انهما لو اجازاه جاز والباطل لاتلحقه الاجازة [1] الخ و قولهم باطل ای سیبطل ان لم یجز کما حققناه فیما علقناه علی ردالمحتار۔	ہے کہ اگر عاقدین نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہوگی حالانکہ باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی الخ اور فقہاء کا قول کہ وہ بیع باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب باطل ہوجائے گی اگر اس کی اجازت نہ دی گئی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی۔

فان البیع الموقوف یبطل بموت المالك بل والعاقد و ان لم یکن مالکا کالفضولی ولاتصح اجازة ورثته بعده فی الدر المختار حکمه قبول الاجازة اذاکان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا یشترط قیام صاحب المتاع ایضا فلا تجوز اجازة وارثه لبطلانه بموته [2]۔ (ملخصا)	کیونکہ موقوف بیع مالک کی موت سے باطل ہوجاتی ہے بلکہ عاقد اگرچہ وہ مالک نہ ہو اس کی موت سے بھی باطل ہوجاتی ہے جیسے فضولی کی موت سے، اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت سے بیع صحیح نہیں ہوتی، درمختار میں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اجازت کو قبول کرتی ہے جبکہ بائع مشتری اور مبیع قائم ہوں اور اسی طرح مالک کا قائم ہونا بھی شرط ہے چنانچہ اسکی موت سے بیع کے باطل ہوجانے کی وجہ سے اس کے وارث کی اجازت نہیں۔(ت)

توعمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثان زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہ دیانت وامانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر ہوجائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کردے اور گواہ کرالے یا اقرار نامہ تصدیق کرادے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف بیع فرضی تھی یہ اظہار ہبہ محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ کے لئے شروط ہیں پھر جب تک موانع ہبہ سے کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ ہی اختیار کرے اس کی شکلیں اس طور پر کردے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲

بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1].	بیشک عملوں کا دارومدار تو نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

جس طرح نظر خلق میں وہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یونہی نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہو جائے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصہ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی کرکے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرادیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد فرضی کے مالک مکان وحصہ دکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

فی الواقع اگر بینہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو،

فانہ بیع منعقد موقوف علی اجازتھما الموقوف لا یفید الملك بالقبض کما حققناہ فیما علقناہ فی رد المحتار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کردی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

باب بیع الوفاء

(بیع وفاء کا بیان)

مسئلہ ۲۷۱: از ریاست رامپور بزریہ ملاظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۸ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

ما قولکم رحمکم اللہ ربکم فی جواز بیع الوفاء و الانتفاع بہ ھل ھو جائز اما لا۔بینوا بادلۃ الکتاب توجروا من الوہاب فی یوم الحساب	آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے بیع الوفاء کے جواز اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کتابوں کے حوالہ سے مدلل بیان فرمائیں، حساب والے دن بہت عطا فرمانے والے اللہ تعالٰی سے اجر دئے جاؤ گے۔(ت)

الجواب:

المسئلۃ طویلۃ الاذیال کثیرۃ الاقوال وسیعۃ المجال بعیدۃ المنال وقد فصلنا ھا بتوفیق اللہ تعالٰی فی بعض تحریر اتنا والذی تقررو	یہ مسئلہ لمبے دامنوں والا، بہت زیادہ اقوال والا اور وسیع مباحث والا ہے، اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنی بعض تحریروں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے اور وہ بات جو اس میں ثابت و

تحرر ان بیع الوفاء رھن لایزید علیہ بشیئ ولا یخالفہ فی شیئ قال العلامۃ خیر الدین رملی فی فتاواہ الذی علیہ الاکثر انہ رھن لا یفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیہ مفسدۃ عظیمۃ و فتواك انہ رھن وانا ایضا علی ذٰلك فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علی ھذا و نظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوٰنا وقد ظھر بین الناس ذٰلك فمن خالفنا فلیبرز نفسہ ولیقم دلیلہ وفیہ اقوال ثمانیۃ وعلی کونہ رھنا اکثر الناس[1] اھ وفیھا ایضا بیع الوفاء رھن[2] الخ.وفی العقود الدریۃ من کتاب النکاح باب الولی بیع الوفاء، منزل منزلۃ الرھن[3] الخ وفیھا من الرھن بیع الوفاء منزل منزلۃ الرھن کما صرحوا بہ[4] ثم ذکر نصوصا تدل علیہ فاذن لایجوز لھذا الذی

ثابت شدہ ہے یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ زائد اور نہ ہی کسی شیئ میں اس کے مخالف ہے، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اکثر فقہاء اسی پر ہیں کہ یہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے جدا نہیں ہے سید امام کا قول ہے کہ میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی اور اس میں فساد عظیم ہے جبکہ آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں تو بہتر ہے کہ ہم ائمہ کو جمع کرکے اس پر متفق کریں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں تو انہوں نے فرمایا کہ آج ہمارا فتوٰی معتبر اور لوگوں میں ظاہر ہے لہٰذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود کو سامنے لائے اور دلیل قائم کرے بیع الوفاء میں آٹھ اقوال ہیں اور اس کے رہن ہونے پر لوگوں کی اکثریت متفق ہے اھ اور یہ بھی اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے الخ، عقود الدریۃ کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن کے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن کے بمنزلہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر اس میں ایسی نصوص ذکر کی گئی ہیں جو اس کے رہن ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو ایسی صورت میں اس

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶۔۲۲۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶

[3] العقود الدریۃ کتاب النکاح ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۱۸

[4] العقود الدریۃ کتاب الرہن ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۵۴

ہو مشتر صورۃ مرتھن معنی الانتفاع بمشریہ المرھون مطلقًا علی ما ھو الفتوی الاٰن للعلم بمقاصد اھل الزمان وقد علم شرعا ان المعھود عرفا کالمعھود شرطا کما افادہ ھٰھنا العلامۃ السید الطحطاوی ثم العلامۃ السید الشامی فی حواشی الدر وقد افتیت بہ و ھو الحق الواضح جھارا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس شخص کے لئے جو بظاہر مشتری اور درحقیقت مرتہن ہے بالکل جائز نہیں کہ وہ اس خریدی ہوئی مرتہن شے سے نفع حاصل کرے اور اب اہل زمانہ کے مقاصد کو جانتے ہوئے اسی پر فتوی ہے، اور تحقیق یہ بات شرعا معلوم ہے کہ جو چیز عرف میں طے شدہ ہو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کی شرط لگائی گئی ہو جیسا کہ اس مقام پر علامہ سید طحطاوی نے پھر علامہ شامی نے در کے حواشی میں اس کا فائدہ دیا اور بیشک میں نے اسی پر فتوی دیا اور یہی واضح اور کھلا حق ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی کچھ جائداد اس طرح پر لیا کہ عمرو جب روپیہ زید کا ادا کر دے تو اپنی جائداد واپس لے اور جب تک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائداد کا لگان گورنمنٹی اسی جائداد سے ادا کرے اور جو روپیہ اس جائداد کا لگان گورنمنٹی سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے تصرف میں لا کر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ سود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو ان لوگوں کی نماز جو سود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت بیع بالوفاء کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سود لینے یا دینے والے ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلند شہر مرسلہ امیر حسن طالبعلم ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمرو کے ہاتھ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

بعوض سو۱۰۰ روپے کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تاواپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیّبِ خاطر پسند کرلیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تاواپسی مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا؟

الجواب:

اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلادغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرار داد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرار داد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرار داد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ، ردالمحتار میں ہے:

وفی جامع الفصولین ایضا لو ذکر البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع [1]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر بیع کا ذکر بلا شرط کیا پھر شرط کو بطور وعدہ ذکر کیا تو بیع جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی جامع الفصولین ایضا لوشرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد اھ **قلت** وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الھزل کما سیأتی اٰخر البیوع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقدا البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح	جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر عاقدین نے عقد سے پہلے کوئی شرط فاسد لگائی پھر عقد کیا تو عقد باطل نہ ہوگا۔اھ **میں کہتاہوں** کہ اگر وہ دونوں عقد کی بناء اس شرط فاسد پر کرنے پر متفق ہوئے تو عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل کے بارے میں تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب بیع کی بحث کے آخر میں آئے گا،علامہ خیر الدین رملی سے ان دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع الوفاء کی شرط ٹھہرائی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو آپ نے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰۔۱۲۱

فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرہا بانہ یکون علی ماتواضعا [1]. واللہ تعالٰی اعلم۔	وہی جواب دیا جس کی تصریح خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں کی گئی ہے یعنی یہ بیع اس شرط پر ہوگی جو انھوں نے ٹھہرائی تھی، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

باب متفرقات البیع
(بیع کے متفرق احکام)

مسئلہ ۲۷۴: از موضع دیورنیاں: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اس کی وصول پاکر پھر زید کے پاس امانت رکھ دی زید نے مہ عہ/ ماہوار مقرر کردی، ہندہ نے کہا کہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو، کہا اسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائے اس کا جواب ہندہ نے دیا کہ جب اس کی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی، اس پر کہا کہ میں اپنے پاس سے یہ خدمت کرتا ہوں، ہندہ نے کہا یہ معلل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیا ہندہ کے لئے یہ رقم لینا ناجائز ہے یا جائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائداد مبیعہ کی توفیر لینی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے اور بطور خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز، اور اس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اس قدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا روپیہ واپس لے لے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا بطور خدمت دیتا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے، اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز، اور ہندہ اسے اگر اپنے زرامانت میں مجرا کرکے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: مرسلہ مولوی احسان صاحب از مسجد جامع ۹ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جائے گا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجرانہ خاص آپ کو لکھا گیا ہے انتہی عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈوں پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں، جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر ان کے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کرگئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں؟ اور معہود کو حق مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور فیما بین تجاروں کے ہزاروں روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد واثق ہوتا ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا، فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزم الوفاء بالمواعید[1]، **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اگر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

مسئلہ ۲۷۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

اکثر لوگ ترکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کرکے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب:

جھگڑا کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ دے دے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتاب الکفالۃ

(ضامن بننے کا بیان)

مسئلہ ۲۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمرو کے ہے، زید نے کہا اسے میں ادا کردوں گا، عمرو نے بھی اسے قبول کرلیا، بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا، اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید اس قرضہ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اس قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلیق بشرط لازم نہیں ہوتا، اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا قال انچہ ترا بر فلان ست من بدہم فھذا وعد لا کفالۃ[1]۔	اگر کہا جو کچھ تمہارا فلاں پر لازم ہے وہ میں دوں گا تو یہ وعدہ ہے کفالہ نہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

اسی میں بنقل محیط فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

من قال لغیرہ ان الدین الذی لك علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقضیه لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام نحو قوله کفلت ضمنت علی الی وکان الشیخ الامام ظهیر الدین الحسن بن علی المرغینانی یقول اذا اتی بهذه الالفاظ منجز الا یکون کفالة واذا اتی بها معلقا بان قال ان لم یؤد فلان مالك علیه فانا اودی فانا ادفع یصیر کفیلا [1]۔	کسی نے دوسرے سے کہا تیرا وہ قرض جو فلاں پر ہے وہ میں دوں گا میں تیرے سپرد کروں گا، میں ادا کروں گا، وہ کفیل نہیں بنے گا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ کہے جو التزام پر دلالت کرتا ہو مثلاً میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمے ہے، امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی کہتے تھے اگر یہ الفاظ بطور تنجیز کہے تو کفیل نہ ہوگا اور اگر بطور تعلیق کہے مثلاً یوں کہے کہ تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر اس نے نہ دیا تو میں ادا کروں گا یا میں دوں گا، تو کفیل ہو جائے گا۔ (ت)

ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے اور اسی پر بزازیہ میں جزم فرمایا:

قائلا لما علم ان المواعید باکتساء صورۃ التعلیق تکون لازمة [2] اھ ونقله فی الحامدیة واقرہ فی العقود الدریة۔	یہ کہتے ہوئے، یہ بات معلوم ہے کہ وعدے جب تعلیق کی صورت اختیار کریں تو ان کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اھ اس کو حامدیہ میں نقل کیا اور عقود دریہ میں برقرار رکھا۔ (ت)

ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کروں گا تو بلاشبہ بکر اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کر سکتا ہے اور بکر کا عمرو کو مطالبہ سے بری کردینا زید کو بری نہ کردے گا اگر البتہ عمرو کو قرضہ سے بری کردیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔

فی الدر المختار من القنیة طالب الدائن الکفیل فقال له اصبر حتی یجیئ الاصیل فقال لاتعلق	درمختار میں قنیہ سے منقول ہے کہ قرض دہندہ نے کفیل سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ صبر کرو تاکہ اصیل آجائے اس پر قرض دہندہ نے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۳

لی علیہ انما تعلق علیك ھل یبرأ اجاب نعم وقیل لا وھو المختار [1]۔	کہا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق تو تیرے ساتھ ہے، کیا اس صورت میں اصیل بری ہو جائے گا جواب دیا ہاں، اور ایک قول یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا اور یہی مختار ہے۔(ت)

اور جبکہ وقت کفالت عمرو نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زر میں رجوع کرسکتا ہے گویہ کفالت بامر عمرو واقع نہ ہوئی

فی الدرالمختار ولو کفل بامرہ رجع علیہ بما ادی وان بغیرہ لایرجع لتبرعہ الااذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیۃ [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر مدیون کے امر سے کفیل بنا تو اس پر رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے امر کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا تبرع اور احسان کی وجہ سے مگر جب مجلس کے اندر مدیون نے اجازت دے دی تو رجوع کرسکتا ہے عمادیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹: از ریاست رام پور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

مطاع و مخدوم عالم جناب معظم و محترم زید افضالہ بصد ادب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدومنا جناب حافظ محمد عنایت اللہ صاحب سے سن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہو کر اپنا ماجرا عرض کروں لیکن "ارادۃ اللہ غالبۃ علی ارادۃ العباد" اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اس وقت حاضری سے مجبور کردیا مجبوراً اپنے معتمد محمد رضا خاں صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجنا پڑا، ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک شخص کی حاضر ضمانت کرلی، ۱۸ فروری تک کے لئے جس کے الفاظ بعینہٖ سوال فتوٰی میں درج ہیں، ۱۸ فروری گزر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا، نہ مدعی نے اس مدت میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی، اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھ سے روپیہ طلب کرتا ہے اور شرعاً مدعی کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ "من" نہیں درج ہے لہٰذا بعد ۱۸ فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی، حضور والا! اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق یہ نیت خالص صرف ۱۸ فروری تک کے لئے ضمانت

---

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

کی تھی مخدومی جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے لکھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کرسکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب ہیں، بنظر رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دریغ نہ فرمائیں گے تابعدار محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہٖ درج ذیل ہے جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ/ بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہٰذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء

الجواب:

مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجدھم بعد ادائے مراسم سنت ملتمس، فتوٰی نظر فقیر سے گزرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف ومقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب لازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتا ولہٰذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوٰی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے، اسی لئے علماء نے فرمایا:

من لم یعرف اہل زمانہ فھو جاھل[1]۔	جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ (ت)

علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی وکافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں، ایک کفالۃ بالنفس یعنی حاضری ضامنی، وہ ۱۸ فروری تک موقت ہے اور اس روایت وعرف کی رو سے بعد ۱۸ کے ختم ہوگئی، دوسری کفالت بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اس میں اگر توقیت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے اگر ۱۸ فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے۔

فی الھدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقھا بشرط ملائم لھا مثل ان یکون شرطا لوجوب	ہدایہ میں مذکور ہے کہ کفالت کو اس کی مناسب شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے مثلاً وہ شرط وجوب حق

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الحق کقوله اذا استحق المبیع اولامکان الاستیفاء مثل قوله اذا قدم زید وهو مکفول عنه اولتعذر الاستیفاء مثل قوله اذا غاب من البلدة [1]۔	کے لئے ہو جیسے اسکا کہنا کہ جب مبیع میں استحقاق ثابت ہوجائے یاوہ شرط وصولی کے امکان کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب زید آجائے جبکہ وہ زید ہی مکفول عنہ ہو یا وہ شرط وصولی کے تعذر کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ وہ شہر سے غائب ہوگیا۔(ت)

اور یہ صاحب جوآپ کالطف نامہ لائے ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار ہوگئے اگر یہ حق ہے تو شرط متحقق ہولی، پس اگر مطالبہ سے مراد زردعوی تھا تواس صورت میں فقیر کے نزدیک مال لازم ہوگیا اگرچہ بعد ۱۸فروری کے کفالت نفس زائل ہوجائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال اس کی تابع وتاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہوگیا تواب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یاطالب کی طرف سے معافی وگریچ

فی البزازیة کفل بنفسه علی ان المکفول عنه اذا غاب فالمال علیه فغاب المکفول عنهم ثم رجع وسلمه الی الداین لایبرأ لان المال بحلول المشروط لزمه فلا یبرأ بالاداء اوالابراء [2] والله تعالٰی اعلم۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کفیل بالنفس بنااس شرط پر کہ اگرمکفول عنہ غائب ہوگیا تو مال اس (کفیل) کے ذمے ہے بعد ازاں مکفول عنہ غائب ہوگیا پھر لوٹ آیا اور کفیل نے اس کو دائن کے حوالہ کردیا تب بھی بری نہ ہوگا کیونکہ مشروط کے پائے جانے سے مال اس پر لازم ہوگیا تواب ادائیگی یاصاحب حق کی طرف سے معافی کے بغیر بری نہ ہوگا۔والله تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۰: از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال غرہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمہ دیوانی میں الہ مامہ عہ/ کی نالش کی، حاکم نے بغرض امتحان زید سے حاضری ضامنی طلب کی، خالد نے ۶فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ بآں عبارت

[1] الهدایة کتاب الکفالة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۸

[2] فتاوٰی بزازیه علی هامش فتاوٰی ہندیه کتاب الکفالة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸

لکھ دیا جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ / کا بناسید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے، لہٰذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ تک مدعاعلیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں، بنابراں یہ حاضر ضامنی لکھ دی کہ سند ہو، المرقوم ۶ فروری ۱۸۹۹ء / مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضری اور کفالت نامہ مذکور لکھا اور اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیروکار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے، خالد نے بمواجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھا جس پر سررشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھ دیا کہ مقر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہوا کہ ناظر مدعاعلیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کرا کر محکمہ مال میں چلے گئے مدعاعلیہ بھی بعد داخل ہو جانے ضمانت کے عدالت سے چلا گیا لہٰذا تعمیل سپردگی سے معذور ہوں ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس پر حکم لکھا گیا کہ شامل مسل ہو، فروری ۱۸۹۹ء اس کے سوا نہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوا نہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ۱۸ فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعاعلیہ کو کفیل سے طلب کیا نہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا، ۱۸ فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعوی نامکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی۔ جب مدعاعلیہ نے دیکھا کہ ۱۸ فروری خالد کے منشائے کفالت تھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہو گئی اور اس وت تک کوئی مطالبہ نہ ہوا اپنے نفس کو قید ضمانت سے فارغ پا کر شہر سے فرار کیا ایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعاعلیہ پر قابو نہ رہا بحیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیا اب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتا ہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ۱۸ فروری تک میں ضامن ہوں ابتدائے مدت کا نام نہیں کہ اب سے یا آج سے یا فلاں تاریخ سے ۱۸ تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منتہی نہ ہو گی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہٰذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتا ہے مدعیہ نے جو فتوی لکھوایا اس میں بطور تقدم بالحفظ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مدعاعلیہ ۱۸ فروری سے پہلے فرار ہو گئے حالانکہ اس وقت تک کچہری میں اس کا کوئی ذکر نہ کیا نہ ہرگز ۱۸ سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالا نے ۱۸ کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ۱۸ فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامنی مدعاعلیہ کا یا زر دعوی کا مطالبہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس بھی بعد ۱۸ فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل و باطل، تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو[۲] ہیں

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جواس کفالت نامہ کا اصل مفاد ومقصود مراد ہے۔

(۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگرمستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۱۸تک مدعاعلیہ شہر سے نہ بھاگیں گے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں

ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بطور بعونہٖ تعالٰی حکم شرع واضح ہو **وباﷲ التوفیق۔**

کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلانہیں پہنچتا بوجوہ:

وجہ اول: خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگرزید بھاگ جائے تو ہندہ کے دین یا مال یازر دعوی یااس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ ودین میں فرق بدیہی ہے۔بزازیہ میں فرمایا:

الکفالۃ فی اللغۃ الضم وذٰلك قدیکون فی المطالبۃ لافی اصل الدین کما فی الوکیل مع المؤکل الدین للمؤکل والمطالبۃ للوکیل [1]۔	کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے مؤکل کے ساتھ وکیل کہ دین مؤکل کے لئے ہے اور مطالبہ وکیل کے لئے۔(ت)

اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب وتقاضا اصل زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی وارد و میں بھی اس معنی حقیقی پر عام محاورات میں علی وجہ الاشتہار دائر وسائر،اگرچہ اردو میں مجازًا آتے ہوئے مال کو بھی کہتے ہوں،مطالبہ یعنی مال قابل مطالبہ مگر معنی حقیقی یقینا معروف ومشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہوسکتا اور اصول فقہ میں مبرہن ہوچکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقًا اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جب تک معنی اصلی بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں تو حاصل کلام خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۱۸تک شہر سے بھاگ گئے تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب وتقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس سے دے

فی الھندیۃ عن المحیط نوادر ابن سماعۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ رجل لہ علی رجل	ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے نوادر ابن سماعہ میں منقول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمے کچھ مال

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲

مال فقال رجل للطالب ضمنت لك ماعلی فلان انا اقبضه منه وادفعه الیك قال لیس علی ہذا ضمان المال ان یدفعه من عندہ انما ہذا علی ان یتقاضاہ و یدفعه الیه وعلی ہذا معانی کلام الناس [1] اھ ونحوہ فی الخلاصة وغیرہا۔	قرض تھا، ایک تیسرے شخص نے طالب قرض سے کہا جو تمھارا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں، میں اس سے وصول کروں گا اور تجھے دے دوں گا، امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس پر مال کا ضمان لازم نہ ہوگا کہ اپنے پاس سے دے بلکہ یہ مدیون سے طلب کرکے طالب کو دے گا اور انہی معانی پر لوگوں کا کلام جاری ہے اھ اور خلاصہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ (ت)

امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

قال للطالب ضمنت لك ماعلی فلان ان اقبضه منه وادفعه الیك لیس بکفالة ومعناہ ان یتقاضاہ له ویدفع الیه اذا قبضه منه علی ہذا معانی کلام الناس [2]۔اھ	کسی شخص نے طالب دین سے کہا جو تیرا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں کہ اس سے وصول کرکے تجھے دوں گا تو یہ کفالہ نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدیون سے مطالبہ کرے گا اور جب اس سے وصول کرلے گا تو طالب قرض کو دے دیگا اور یہی مطلب ہوتا ہے لوگوں کے کلام کا اھ (ت)

نیز اس میں اور فتاوی انقرویہ وغیرہ میں ہے:

قال رجل لصاحب المال من ضمان کردم وپذیرفتم که باغ ویرا فروشم وایں مال بتودہم اوقال ضمنت ان اخذ المال من ترکته واوفیك لاتصح الکفالة وان ضمن علی ان یبیع مال نفسه ویوفیه هذا المقدار صح ویجبر علی البیع وقضاء المقدار [3]۔	کسی شخص نے صاحب مال سے کہا میں ضامن ہوں اور میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ میں مدیون کے باغ کو فروخت کروں گا اور یہ مال تجھے دوں گا، یا یوں کہا کہ میں اس کے ترکہ سے مال لے کر تجھ کو دوں گا، تو کفالہ صحیح نہیں اور اگر وہ ضامن بنا اس طور پر کہ اپنا مال بیچ کر قرض کی مقدار طالب قرض کو دے گا تو کفالہ صحیح ہے چنانچہ اس کو مال بیچنے اور قرض کی مقدار طالب کو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیة علی ہامش ہندیة کتاب الکفالة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸

[3] فتاوٰی بزازیة علی ہامش ہندیة کتاب الکفالة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۔۱۴

وجہ دوم: اگر بالفرض حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنی مجازہی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ تک بھاگ گئے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور **اذا فات الشرط فات المشروط اصل کلی صریح** (جب شرط فوت ہوجائے تومشروط بھی فوت ہوجاتا ہے، یہ واضح کلیہ ہے۔ت)

وجہ سوم: یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان وتسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرار دادہ باتوں سے مطالبہ مال کا کوئی استحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہوکر تا حصول برات ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلا کفالت نہ ہوگی بالجملہ ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ کے بعد ضمانت شروع ہوگی، فتاوٰی خانیہ وظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

الکفالۃ متی جعلت الی اجل فانما یصیر کفیلا بعد انقضاء الاجل[1]۔	کفالت جب کسی مدت تک ٹھہرائی جائے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

کفل بنفسہ الی شہر یصیر کفیلا بعد شہر ھو الاصح[2]۔	اگر ایک ماہ تک کسی کا کفیلِ نفس بنا تو ماہ کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا اور وہی صحیح ہے(ت)۔

خانیہ میں ہے:

رجل کفل بنفس رجل الی ثلثۃ ایام ذکر فی الاصل انہ یصیر کفیلا بعد الایام الثلثۃ وقال الفقیہ ابو جعفر یصیر کفیلا فی الحال قال وذکر الایام الثلثۃ لتاخیر المطالبۃ الی ثلثۃ ایام،	ایک شخص دوسرے کے نفس کا تین دن تک ضامن ہوا تو اصل میں مذکور ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد کفیل بنے گا، اور فقیہ ابو جعفر نے کہا کہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور ایام ثلثہ کا ذکر تین دن تک مطالبہ کی تاخیر کے لئے ہے اور فقیہ ابو جعفر کے

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکفالۃ الباب الثانی قلمی نسخہ ۲/ ۵۹

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نولکشور لکھنو، ص ۱۲۹

وغیرہ من المشائخ اخذوابظاہر الکتاب وقالوا لا یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت الایام الثلثة قبل تسلیم النفس یصیر کفیلا ابدالایخرج عن الکفالة مالم یسلم [1] اھمختصرا	علاوہ بعض دوسرے مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا اور کہا فی الحال کفیل نہیں بنے گا پھر جب تین دن گزر گئے اور وہ مکفول لہ کے حوالے اس شخص کو نہ کرسکا جسکا ضامن بنا تھا تو اب ہمیشہ کے لئے کفیل بن جائے گااور جب تک اس شخص کو مکفول لہ کے حوالہ نہ کرے گا کفالت سے خارج نہ ہوگا اھ مختصرا (ت)

علامہ انقروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرماکر وغیرہ من المشائخ اخذ وابظاهر الکتاب [2] (اوراس کے علاوہ دیگر مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا۔ت) یہ تحریر فرمایا: فی السراجیة وہوالاصح وبہ یفتی کذا فی السادس من التاتارخانیة وکذا فی التتمة [3]۔اور سراجیہ میں ہے کہ وہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے تاتارخانیہ اور تتمہ میں یوں ہی ہے۔(ت) وجیز کردری میں ہے:

کفل الی شہر طالبہ بعد شہر ویصیر کفیلا فی الحال وبہ یفتی [4] اھملتقطا	ایک ماہ تک کفیل بنا تو ایک ماہ کے بعد اس کا مطالبہ کرے اور فی الحال وہ کفیل بن جائے گا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے اھ التقاط (ت)

جامع الفصولین اواخر فصل ثلثین میں ہے:

لوارادان یکفل بنفسہ ولایصیر کفیلا فالحیلة علی ظاہر الروایة ان یقول کفلت بنفسہ الی شہر علی ان ابرأہ بعدہ	اگر کوئی چاہے کہ دوسرے کا کفیل بالنفس اس طرح بنے کہ درحقیقت کفیل نہ بنے تو ظاہر الروایۃ پر اس کا حیلہ یہ ہے کہ یوں کہے میں اس کے نفس کا ایک ماہ تک کفیل بنتا ہوں اس شرط پر کہ بعد میں اس سے بری ہوجاؤں گا

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۳

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالة دارالاشاعة العربیة افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] حواشی انقرویہ فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالة دارالاشاعة العربیة افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة کتاب الکفالة نوع فی الفاظ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴

فلایصیر کفیلا اصلاللحال فی الظاہر اذ فیہ یصیر کفیلا بعدہ فلما شرط ان یبرأ بعدہ بطل اصلا [1]۔	تو وہ بالکل فی الحال ہی کفیل نہ بنے گا کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک ماہ کے بعد اس نے کفیل بننا تھا مگر جب یہ شرط لگائی کہ ایک ماہ بعد اس سے بری ہو جائیگا تو کفالت اصلا باطل ہو گئی۔(ت)

ہامش انقروی میں ہے:

وہذا الحیلۃ انما تمشی علی ماقال عامۃ المشائخ انہ لایصیر کفیلا فی الحال وہو ظاہر الروایۃ علی ماقالہ ابوجعفر [2]۔	اور یہ حیلہ اس بنیاد پر جاری ہے کہ جو عام مشائخ نے کہا وہ فی الحال کفیل نہ ہوگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، جیسا کہ امام ابوجعفر نے کہا۔(ت)

اور پر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالۃ بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہوئی، خالد نے لکھا ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا میں حاضر ضامن ہوں، حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعا بغرض توثیق وتاکید اصل کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہو سکتا کما فی الدر المختار عـــہ نہ بحال عدم متبوع موجود ہو لہذا ایسی صورت میں جب کفیل کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بری ہو جاتا ہے، درمختار میں ہے:

ان قال ان لم اٰت بہ غدا فہو ضامن لما علیہ من المال فلم یواف بہ مع قدرتہ علیہ ضمن المال لانہ علق الکفالۃ بالمال بشرط متعارف فصح ولایبرؤ	اگر کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لے کر آیا تو اس پر جو مال ہے میں اس کا ضامن ہوں گا اب قدرت کے باوجود اس نے مطلوب کو حاضر نہ کیا تو کفیل اس مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کفالت بالمال کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو لوگوں میں

عـــہ: فی الاصل بیاض واظنہ الدر المختار ۱۲۔	(اصل میں بیاض ہے اور میرے گمان میں یہاں در مختار ہے ۱۲۔ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶

[2] حواشی فتاوٰی انقروی کتاب الکفالۃ دار الاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/۳۱۷

عن کفالۃ النفس لعدم التنافی فلو ابرأہ عنہا فلم یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطہ [1] اھ باختصار	متعارف ہے، تو یہ صحیح ہے، اور وہ کفالت نفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اگر طالب نے اس کو کفالت نفس سے بری کردیا حالانکہ اس نے مطلوب کو حاضر نہیں کیا، تو اب شرط فوت ہوجانے کی وجہ سے مال اس کے ذمہ واجب نہ رہا اھ اختصار۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شرطہ ھو بقاء الکفالۃ بالنفس [2]۔	اس کی شرط یہ ہے کہ کفالت نفس باقی رہے۔ (ت)

تو ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۸ فروری تک نہ کفالت بالنفس تھی نہ بالمال، تو اس قرار پر کہ حصول کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو الزام مال محض خیال محال۔

وجہ چہارم: اس سے بھی تنزل کیجئے اور بفرض غلط یہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال کفالت مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالت بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۸ کے محقق ہو کفالت بالمال اول تھی اور وہ اس کے حال ثبوت میں فرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیال اول سے زیادہ فاسد و باطل ہے، ہمارے امام اعظم و امام ثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب و قبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہو اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطل محض و بے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کرلے جب بھی اصلا مفید نہیں، مبسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے:

اذا کفل رجل لرجل والمکفول لہ غائب فھو باطل وقال ابویوسف اخرا ھو جائز [3]۔	اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے کفیل بنا درانحالیکہ مکفول لہ غائب ہے تو یہ کفالت باطل ہے اور امام ابویوسف نے دوسرے قول میں فرمایا کہ وہ جائز ہے۔ (ت)

قدوری وہدایہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ الا بقبول المکفول لہ	مکفول لہ کے مجلس میں قبول کئے بغیر کفالت

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکفالۃ جنس آخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۶۵

فی المجلس [1]	صحیح نہیں ہوتی۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا کان المکفول لہ غائبا فھی باطلۃ خلافا للثانی [2]۔	جب مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے بخلاف امام ثانی (ابویوسف) کے۔(ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ بلا قبول الطالب [3]۔	طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔(ت)

تنویر میں ہے:

لاتصح (الکفالۃ) بلا قبول الطالب فی مجلس العقد [4]	مجلس عقد میں طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔ (ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے: الفتوی علی قولھما [5] (فتوی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

واختارہ الشیخ قاسم حیث نقل اختیار ذٰلك عن اھل الترجیح کالمحبوبی والنسفی وغیرہما و اقرہ الرملی وظاھر الھدایۃ ترجیحہ لتاخیرہ دلیلھما و علیہ المتون [6] اھ ومن المتقرران الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی قول الامام	اور شیخ قاسم نے اس کو اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اہل ترجیح سے اس کا مختار ہونا نقل کیا جیسے محبوبی اور نسفی وغیرہ اور خیر الدین رملی نے اس کو برقرار رکھا۔اور ظاہر ہدایہ سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل کو مؤخر کیا اور اسی پر متون وارد ہیں الخ اور یہ بات مسلم ہے کہ فتوی میں جب اختلاف ہو تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نوع آخر نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۶

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[5] درمختار بحوالہ طرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[6] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۹

مالم یکن الاختلاف اختلاف الزمان و ان المتون مقدمة علی غیرہا فترجح من وجھین ولیس من العلم العدول عن الراجح الی المرجوح کما قد تبین فی محلہ	کے قول کے طرف رجوع لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اختلاف اختلاف زمانہ کی وجہ سے نہ ہو،اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ متون غیر متون پر مقدم ہیں تو دو وجہوں سے اس کو ترجیح ہو گئی اور راجح سے مرجوح کی طرف عدول کرنا علم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں واضح ہو چکا ہے۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

اذا قال لقوم اشھدوا انی کفیل فلان بنفس فلان والمکفول بہ حاضر و الطالب غائب فالکفالۃ باطلۃ فان قبل انسان عنہ توقف علی اجازتہ[1]۔	جب کسی نے قوم سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں فلاں کے لئے فلاں کے نفس کا کفیل ہوں درانحالیکہ مکفول بہ حاضر اور مکفول لہ غائب ہو تو کفالہ باطل ہے اگر کسی شخص نے مکفول لہ کی طرف سے قبول کیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

رکنہا الایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسف اولا حتی ان الکفالۃ لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ اوقبول الاجنبی عنہ فی المجلس العقد اما اذا لم یوجد شیئ من ذلك فلا تقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح[2] اھ مختصرا	کفالہ کا رکن امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ایجاب و قبول ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک کہ اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے مال کا کفیل ہے یا نفس کا جب تک کہ مجلس عقد میں مکفول لہ یا اس کی طرف سے کوئی اجنبی شخص قبول نہ کرے اور جب ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے قبول نہ پایا گیا تو کفالہ مجلس سے خارج پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب (مکفول لہ) کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کر لیا تو صحیح نہ ہوگا اھ اختصار (ت)

یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کرلی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لینے

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

کی توکیل ثابت ہو تو نافذاً واقع ہوئی ورنہ اجازت ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلا کسی سے واقع نہ ہوا اور اسے قرار دیا مستقلہ کہ طے کفالت **بالنفس من**۔۔(عہ)۔۔۔لاجرم کفالت مال باطل محض ہو گئی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی بالجملہ تحقیقاً والزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع ومدفوع ہی رہی کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم وافتا مناسب، خلاصہ وانقرویہ میں ہے:

قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس [1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

تتمہ وصغری وانقرویہ میں ہے:

ہوا شبہ بعرفنا ونفتی انہ اذا مضت المدۃ المذکور فالقاضی یخرجہ عن الکفالۃ [2]۔	وہ ہمارے عرف کے زیادہ مناسب ہے اور ہم فتوٰی دیتے ہیں کہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو قاضی اس کو کفالہ سے خارج کردے۔(ت)

ذخیرہ میں ہے:

قال وکان القاضی الامام اجل ابوعلی النسفی یقول قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس اذا کفلوا الی مدۃ یفھمون بضرب المدۃ انھم یطالبون فی المدۃ لابعدھا [3] **الخ**	قاضی امام الاجل ابوعلی النسفی فرماتے تھے کہ امام ابویوسف کا قول لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لوگ جب کسی مدت تک کفیل بنیں تو وہ بیان مدت سے ہی سمجھتے ہیں کہ مدت کے اندر ان سے مطالبہ کیا جائے گا نہ کہ اس کے بعد الخ۔(ت)

خانیہ میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی فی قول ابی یوسف انہ یطالب الکفیل بتسلیم النفس فی	شمس الائمہ حلوانی نے کہا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ کفیل سے تسلیم نفس کا مطالبہ تین دن کا

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

---

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[2] حواشی فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] ردالمحتار بحوالہ ذخیرہ کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

الایام الثلثۃ ولایطالب بعدھا اشبہ بعرف الناس[1]۔	اندر کیا جائے گا بعد میں نہیں لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی کان القاضی الامام الاستاذ ابو علی النسفی یقول کان الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل یعجبہ ھذہ الروایۃ وکان یقول لو قال بالفارسیۃ پذیرفتم تن فلاں راتادہ روز یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت المدۃ لایبقی کفیلا ولوقال پذیرفتم تن فلاں رادہ روزیصیر کفیلا بعد عشرۃ ایام، و بعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرفتم تن فلاں راتادہ روز ولم یسلم حتی مضت عشرۃ ایام یرفع الکفیل الامر الی القاضی حتی یخرجہ عن الکفالۃ وبہ کان یفتی الشیخ الامام الاجل ظھیرا لدین ویحکی ذٰلک عن جدی رحمھم اللہ تعالٰی[2]۔	شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا قاضی امام استاذ ابوعلی نسفی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل اس روایت کو پسند کرتے اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے فارسی میں کہا کہ میں نے دس روز تک فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور جب مدت گزر جائے گی تو دس دن کے بعد وہ بطور کفیل باقی نہ رہے گا، اور اگر کہا کہ میں نے دس روز فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ دس دن کے بھی کفیل رہے گا، اور بعض مشائخ نے کہا اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے بدن کو دس دن تک قبول کیا پھر دس دن گزر گئے اور اس نے مطلوب کو طالب کے حوالہ نہ کیا تو اب کفیل یہ مطالبہ قاضی کے پاس لے جائے گا تاکہ وہ اس کو کفالت سے خارج کردے، اسی پر شیخ امام اجل ظہیر الدین فتوٰی دیتے تھے اور میرے جدامجد سے بھی یہی منقول ہے اللہ تعالٰی اب سب پر رحم فرمائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وینبغی عدم الفرق بین الصور الثلث فی زماننا (ای مااذا قال شھرا	**میں کہتاہوں** ہمارے زمانے میں ان تینوں صورتوں میں فرق نہیں ہونا چاہئے (یعنی اگر کہے ایک مہینہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۸۳

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۸۴

اوالٰی شھر اومن الیوم الی شھر) کما ھو قول ابی یوسف و الحسن لان الناس الیوم لایقصدون بذٰلك الا توقیت الکفالۃ بالمدۃ وانہ لاکفالۃ بعدہا وقد تقدم ان مبنی الفاظ الکفالۃ علی العرف والعادۃ ان لفظ عندی للامانۃ وصار فی العرف للکفالۃ بقرینۃ الدین وقالوا ان کلام کل عاقدوناذرٍ وحالف و واقف یحمل علی عرفہ سواء وافق عرف اللغۃ اولا [1] الخ	یا ایک مہینے تک یا آج سے ایک مہینے تک) جیسا کہ امام ابویوسف اور حسن کا قول ہے کیونکہ آج کل لوگ اس سے سوائے کفالت کی توقیت بالمدۃ کے کچھ ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اس مدت کے بعد کفالہ نہیں اور تحقیق گزرچکا ہے کہ کفالہ کے الفاظ کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے۔ بیشک لفظ "عندی"امانت کے لئے ہے مگر عرف مین دین کے قرینہ کے ساتھ کفالہ کے لئے ہوگیا،اور فقہاء نے کہا کہ ہر عقد کرنے والے،نذر ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے کا کلام اس کے عرف پر محمول ہوگا چاہے اس کا عرف لغت کے موافق ہو یانہ ہوالخ(ت)

وانا اقول: (اور میں کہتاہوں) حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کوان واقعات سے اصلا تعلق نہیں ان میں بلاشبہہ روایت امام ابی یوسف ہی پر افتاء وحکم واجب ہے اور اس کاخلاف محض باطل،آخر اس قدر پر تواجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقینا دس روزتک یا فلاں تاریخ تک کفیل ہونے سے یہی معنی مقصود مراد مفہوم ومفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تک موقت کی جاتی ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہر گزایجاب نہ کیامگر کفالت موقتہ محدود کا،اب اگر بعد اس وقت وحد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وہ کفالت ہے جس کاایجاب ہر گزنہ ہوا،اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے محقق ہونا بالاجماع باطل ہے توظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر سائر سے اصلا تعلق نہیں اور یہاں اس پر حکم سراسر مقاصد شرع سے جدا وظلم ہوگا،ولہٰذاعلامہ محقق نے فرمایا:

ماذکرہ الامام النسفی مبنی علی ان المذکور ظاہر الروایۃ انما ھو حیث لاعرف اذ لا وجہ للحکم علی المتعاقدین بمالم یقصد أفلیس قضاء بخلاف	امام نسفی نے جو ذکر فرمایا وہ اس بات پر مبنی ہے کہ مذکور ظاہر الروایۃ وہاں ہے جہاں کوئی عرف نہ ہو کیونکہ متعاقدین پر ان کے مقصود کے خلاف حکم کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ یہ ظاہر الروایۃ کے

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

ظاہر الروایۃ [1]۔	خلاف قضاء نہ ہوئی۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں قطعاً حکم یہی ہے کہ ۱۸فروری کے بعد کفالت نہ رہی، بالجملہ اسی مسئلہ میں حق ناصح یہ ہے کہ کفالت بالنفس تو ۱۸فروری کو جزماً حتماً ختم ہوگئی اوراس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۸فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہو اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پر بھی اصلا احتمال ہی نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقینا زائل اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل یہ حکم قضا ہے، رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا، اور یہی مقصود مفہوم ہوا اور ۱۸ سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عنداللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کرسکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ وعذر نہ کرے اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عنداللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے، **ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم** (یہ ہی تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی مالک توفیق ہے اور وہ سبحنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۱: از رام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دائنہ کے لئے ایک مدت معہودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف ومعنی مقصود ومفہوم بین الناس اس مدت کے گزرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبہ مدعیہ کا ذمہ دار ہوں، اب کہ مدت گزر گئی اور کفالت بالنفس ختم ہوچکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتہی ہوگئی یا وہ باقی رہے گی **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہوگئی کہ یہ اسی کی تاکید وتوثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی۔

کیف وان زوال الموقتۃ بمرور الوقت زوال من کل وجہ کالابراء فیعمل فی الاصل والفرع	کیسے کفالت بالمال ختم نہ ہوگی حالانکہ وقت گزرنے کے سبب سے کفالت موقتہ کا زوال ہر لحاظ سے اس کا زوال ہوتا ہے جیسے کہ بری کرنا لہٰذا وہ

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی الکفالۃ الموقتۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۵۵

جمیعا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ کما بینه فی الفتح وغیرہ۔	اصل وفروع دونوں میں عمل کرے گا بخلاف مطلوب کی موت کے کیونکہ اس کی وضع فسخ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔(ت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لو ابراہ عنها فلم یواف به ولم یجب المال لفقد شرطه وهو بقاء الکفالة بالنفس [1]۔	اگر طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کردیا اور اس نے ادائیگی نہیں کی تو کفیل پر مال دینا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط یعنی کفالت نفس کی بقاء فوت ہوگئی ہے۔(ت)

حواشی ہدایہ میں ہے:

الکفالة بالنفس اذا سقطت وجب ان یسقط ما یترتب علیها من الکفالة بالمال لکونها کالتاکید لها ولیست بمقصودة ولهذا لو ابرأ الکفیل الطالب عن الکفالة بالنفس قبل انقضاء المدة بطلت الکفالة بالمال [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جب کفالت بالنفس ساقط ہوجائے تو اس پر مرتب ہونے والی کفالۃ بالمال کا ساقط ہونا واجب ہے کیونکہ وہ تو کفالت نفس کی تاکید ہے مقصود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر مدت گزرنے سے پہلے طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کردیا کفالت بالمال باطل ہوجائے گی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۲:　　ازریاست رامپور مسئولہ حاجی نوشہ علی وشیداعلی وچھنو　　۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجراء ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر وخالد وحامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلاتعین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضامنان اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کریں گے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شامل مسل ہوکر مدیون سپرد ضامنان کیا گیا ہر سہ ضامنان

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱، ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[2] حواشی ہدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۵

اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں، یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضامنان ان کے مکانوں پر آویزان ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوئی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گزر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضامنان نے مدیون کو میعاد مقررہ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفاء ضامنان سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی ونیلامی جائداد ضامنان زرڈگری وصول کرایا جائے اور ضامنان کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنہوں نے بحلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکمنامہ مجریہ عدالت پر ہم نے ضامنان کو اسی شہر میں جوان کا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکم قرقی مال احد الضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسب قاعدہ عمل میں آئی ہے قرقی سے دوسرے روز ہر سہ ضامنان نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجہ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضامنان اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجراء حکم عدالت کی نہیں ہوئی بہ یوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بہ مجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کردیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضامنان وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بہ مساکن خودہا موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضامنان نے حلف نامہ جات اقراری خودہا عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضامنان سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضامنان کو بری کردیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضمان پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معین ومقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضامنان سے ہوئی ہے ضامنان کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اسی حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معین ومقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کاروائیات کے مقابلہ میں ضامنان بذریعہ حلف نامجات تاریخ اجراء حکمنامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خودہا وموجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر وثابت کرتے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً عائد وقائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی بمجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کردیا اور وہ جیل خانہ دیوانی

میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا یہ کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعا قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

الجواب:

دارالافتاء نے بیان سائل پر اکتفانہ کرکے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سال ۱۳ جمادی الاولٰی کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جن میں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلا مسموع نہیں لہذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) گمن خاں چپراسی مظہر نے بتاریخ ۱۸ دسمبر تین قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو شیدا علی ونوشہ خان چسپاں کردئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی مظہر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کرکے روپوش ہوگئے ہیں۔ ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں۔

(۲) جلن خان گواہ تعمیل نوٹس ۴ جنوری عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا مظہر اپنے کھیتوں پر جارہا تھا چھنو خان کے مکان پر شیدا علی نوشہ خاں کھڑے تھے مظہر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گمن خاں نے کاغذ کچہری کے چھنو خاں کے مکان پر وہ لگادئے مظہر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچہری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں

(۳) چھمن گواہ تعمیل نوٹس کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز مظہر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰، ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھٹن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کررہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گمن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگا رہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا۔

(۴) شرف الدین، عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھٹن خاں نوشہ ولد بنن خان بیٹھے کنوین کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کررہے تھے بس مظہر نے اتنا ہی دیکھا۔

(۵) لڈن خاں، کوئی ۱۹ دن ہوئے گمن خاں سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کئی آدمی تھے مذکوری نے کہا نوشد خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکوری نے نوشہ خاں ولد بنن خان کے گھر پر آواز دی کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں

گئے ہوں گے یا قلعہ کو، مذکوری نے سمن نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کردیا مظہر چلاگیا

(۶) امجد حسین، چپراسی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ۱۹ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر رہے تھے نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکوری نے نوشہ خان کے مکان پر سمن چسپاں کردیا، مظہر چلاگیا۔ مظہر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہنچانتا ہے، یہ تمام شہادتیں بوجوہ کثیرہ محض ناکافی ہیں۔

اول: چپراسی ۱۸ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھمن اور امجد حسین جمعہ کے دن ۱۸ دسمبر کو شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

ثانی: یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوئیں، حسب بیان چپراسی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن ہوئے تھے، امجد حسین ۱۹ دن کہتا ہے لڈن اور شرف الدین کوئی ۱۹ دن، اور اظہار چھمن کے باضابطہ نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں، جلن خاں ۱۸ یا ۱۹ کہتا ہے، یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔

ثالث: شہادت علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو، اور یہی صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشهادة علی المیت اوالغائب الی تسمیة الشهود اسم المیت والغائب وابیهما وجدهما وعلی قول ابی یوسف ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرة والصحیح ان النسبة الی الجد لابد منه کذا فی البحر الرائق [1]۔	میت اور غائب پر گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ میت اور غائب کا نام ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ذکر کریں اور امام ابویوسف کے قول پر صرف باپ کا ذکر کافی ہے ذخیرہ میں یوں مذکور ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، یونہی بحر الرائق میں ہے۔(ت)

یہاں بیان ولدیت درکنار جلن خان، چھنو وشیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خاں کی نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہے، نہ مشہور علیہم کو ان کے سامنے لاکر شناخت کرائی گئی ایسی مجہول گواہی ناقص و مختل ہے۔

رابع: چپراسی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

خامس: وہ بھی مجہول، کون گواہ کس کی زبانی

سادس: کہتاہے کہ عورات ضامنان نے کہا تھا چپراسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں

سابع: عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی، گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے۔

ثامن: جلن کا بیان کہ چھنو خان کی نسبت کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے

تاسع: وہ بھی مجہول

عاشر: لڈن خان ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے

حادی عشر: وہ بھی مجہولہ بلکہ بظاہر نابالغہ بھی

ثانی عشر: امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے

ثالث عشر: مجہول، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا

رابع عشر: شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ دسمبر کو ضامن شہر میں تھے خامس عشر ان چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں، چپراسی کے بیان میں چار یعنی ۴، ۵، ۶، ۷، جلن خاں کے بیان میں چار ۲، ۳، ۸، ۹۔ چھمن کے بیان میں دو ۲، ۱، شرف الدین کے بیان میں دو ۱۴، ۲۔ لڈن خان کے بیان میں تین ۱۱، ۱۰، ۲۔ امجد حسین کے بیان میں پانچ ۱۳، ۱۲، ۳، ۲، ۱۔

ان سب سے قطع نظر کرکے ان میں ایک شہادت بھی موافق دعوی نہیں، سماعی و مجہول بیان چپراسی کی تائید میں جتنی گواہیاں گزریں سب مدعا کے اجنبی وبے علاقہ ہیں، مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھا یا مضمون نوٹس پر اطلاع پائی اور وقت اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسب شرائط مطالبہ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کون سا حرف ہے، دو دن پہلے ۱۶ دسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن وامجد حسین میں ہے اس سے تو خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اس قدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اس دن ضامن شہر میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت شید اعلی جنگل کو بھینس لے گیا چھنو خان کو سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں، نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون

نوٹس پر اطلاع ہونے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجو با مستلزم ہے کہ پلٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو، جاتے وقت چھنوں خان بابو سے ملا، نوشہ خاں قلعہ میں گیا، شیدا علی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا، اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں، کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے، اور جب یہ یقیناً ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعوی کب ہوئیں لہٰذا واجب الرد ہیں، **الشھادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والالا** (شہادت اگر دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ت) اگر یہ کہئے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی واطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، ہوا ہو سے دعوی ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ **الظاھر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق** (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہے نہ استحقاق کے لئے۔ت) پھر کس بناپر اسے استحقاق مال کی حجت بناسکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانت نفس وضمانت مال دونوں سے مطلقاً بری ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳تا۲۸۶: از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انوار حسین صاحب بذریعہ مرزا نظر بیگ سابق نائب تحصیلدار بریلی ۹ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نالش بربنائے کفالت بالمال یعنی اس بناء پر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حقیت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا خواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دے دیا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا؟

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلاف معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر نہج پر روپیہ دائن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں؟ صورت کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجری میں لیا

اور عمرو نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کارہ جائے اور وہ ادانہ کرے تو جائداد مکفولہ سے نیلام جائداد مالک موضع وصول کرلے مجھ کو نیلام جائیداد مکفولہ میں کوئی عذرنہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمرو مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقیماندہ ذمگی زید عمرو نے قبل نیلام مالک موضع کو دے دیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلاف دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) کفالت بالمال تو یقینا جائز ہے مگر شرعا اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمرو پر ہو اسے اپنے ذمہ پر لے یوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمرو وبکر دونوں کے ذمہ پر ہو، نقایہ میں ہے:

الکفالۃ اما بالنفس وینعقد بکفلت بنفسہ اوعلی اوالی واما بالمال فتصح وان جھل المکفول بہ اذ صح دینہ نحو کفلت بمالك علیہ اوبمایدرکك فی ھذا البیع[1] (ملتقطا)	کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہوجاتی ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلا یوں کہے کہ جو تیرا مال فلاں پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا ضامن ہوں۔ (ملتقطا) (ت)

یہ جدید ومحدث طریقہ کہ جہاں میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائداد کسی کے مطالبہ میں کہ اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے، اور اس جائداد کو مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور باآنکہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اس میں تصرفات انتقالیہ بیع وہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس لینے کا اختیار بتاتے ہیں یہ سب محض بدعت واختراع فی الشریعۃ وہوس باطل ومردود ہے شرعا اس جائداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا، نہ مالک اس بیع وہبہ سے ممنوع ہوسکتا ہے شرع مطہر نے توثیق دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں، کفالت ورہن، اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ (النقایہ) کتاب الکفالۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۔۱۲۳

کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شے نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

وصف سبحنه وتعالٰی الرهن بکونه مقبوضه فیقتضی ان یکون القبض شرطا فیه صیانة لخبره تعالٰی عن الخلف ولانه عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسه کسائر التبرعات ولو تعاقد اعلی ان یکون الرهن فی ید صاحبه لایجوز الرهن حتی لو هلك فی یده ولایسقط الدین ولو اراد المرتهن ان یقبضه من یده لیحبسه رهنا لیس له ذٰلك[2]۔	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رھن کو مقبوض ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ قبضہ رھن میں شرط ہو تاکہ اللہ تعالٰی کی خبر خلاف واقع ہونے محفوظ رہے اور اس لئے بھی کہ یہ تبرع واحسان ہے لہٰذا باقی تبرعات کی طرح یہ خود مفید حکم نہ ہوگا، اور اگر وہ دونوں اس شرط پر عقد کرے کہ رہن مالک قبضہ میں رہے گا تو رہن جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو دین ساقط نہ ہوگا، اور اگر مرتہن ارادہ کرے کہ وہ اس کو مالک کے قبضہ سے لے کر بطور رہن محبوس رکھے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔(ت)

یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے بھی باطل تر ہے کفالت بے کفیل محال اور س عقد مخترع میں نفس جائداد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد اکثر یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا کہ کفالت ہے۔

ضم الذمة الی الذمة[3] کما فی البدائع والهدایة وعامة الکتب۔	ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانا جیساکہ بدائع، ہدایہ اور عام کتابوں میں ہے۔(ت)

یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو، ولہٰذا شرح جامع الصغیر لشیخ الاسلام علی الاسبیجابی پھر فصول استروشی پھر فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا قال المطلوب للطالب ان لم اوافک	جب مطلوب طالب سے کہے کہ اگر میں کل اپنے آپ کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[2] بدائع الصنائع کتاب الرهن فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۵

[3] الهدایه کتاب الکفالة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

بنفسی غد افعلی المال الذی تدعی فلم یواف لا یلزمه شیئ[1]۔	تیرے پاس حاضر نہ کروں تو جس مال کا تو دعوی کر رہا ہے وہ مجھ پر لازم ہوگا پھر وہ پانے آپ کو حاضر نہ کرے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ (ت)

اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی اپ اپنا ضامن نہیں ہو سکتا لاجرم جائداد کو ذمہ دار مانتے ہیں، اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدیون کے عوض جائداد مستغرق کرنے میں ولہذا جائداد ہی پر مطالبہ عائد مانتے ہیں اور اس میں مالک کے تصرفات انتقال ناجائز جانتے ہیں لیکن جائداد جماد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تو کوئی خاص ذمہ رکھتا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العجماء جبار[2] رواہ مالك واحمد والستة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جانوروں پر ضمان نہیں۔اس کا مالک، امام احمد اور ائمہ ستہ نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

نہ کہ سنگ وخشت، جامع الرموز میں ہے:

الذمة لغة العهد وشرعا محل عهد جری بینه وبین اللہ تعالٰی یوم المیثاق اووصف صاربه الانسان مکلفا[3]۔	ذمہ لغت میں عہد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس عہد کے محل کو کہتے ہیں جو یوم میثاق کو اللہ تعالٰی اس محل عہد کے درمیان جاری ہوا یا اس وصف کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان مکلّف ہوا۔ (ت)

تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الذمة وصف شرعی به الاھلیة لوجوب ماله وعلیه وفسرھا فخر الاسلام	ذمہ میں وہ وصف شرعی ہے جس کے ساتھ مالہ، اور ماعلیہ کی اہلیت وجوب حاصل ہوتی ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۲۰۳ و کتاب الدیات ۲/ ۱۰۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۲۸

[3] جامع الرموز کتاب الکفالۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۱۹۵

بالنفس والرقبة لها عهد[1]۔	فخر الاسلام نے اس کی تفسیر یوں کی کہ وہ نفس یا وہ رقبہ جس کے لئے عہد ہے۔(ت)

تو جائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو و واجب الابطال، مخترعین اسے مکفول کہتے ہیں یہ بھی ان کا اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بیناوایضا ______ یہاں پانچ چیزیں ہیں، کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ، مکفول بمعنی مضمون بہ تو ذمہ کفیل ہے کما تقدم آنفا من کتب المذھب (جیسا کہ مذہب کی کتب کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے۔ت) اور کفالت دیون میں مکفول منہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین، درمختار میں ہے:

الدائن مکفول والمدیون مکفول عنه والنفس او المال مکفول به ومن لزمته المطالبة کفیل[2]۔	دائن کو مکفول لہ، مدیون کو مکفول عنہ، نفس یامال کو مکفول بہ اور جس پر مطالبہ لازم ہے اس کو کفیل کہتے ہیں۔(ت)

ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلّف کے لئے ہوتا ہے تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں، لاجرم کفیل ہے،، اور یہ باطل و مستحیل ہے، اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادت اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے۔

اقول اولاً: یہ بداہۃ غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم (جیسے پہلے گزرا۔ت)

ثانیاً: ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے، صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول نہیں کرتا، کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو، تو وہ کفیل کیونکہ ہوسکتا ہے جامع الفصولین پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین اور فتاوٰی نسفی پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے:

قال دینك الذی علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقبضه لایصیر کفیلا مالم یتکلم	کسی نے دوسرے کو کہا کہ تیرا جو فلاں پر دین ہے وہ میں تجھے دوں گا، میں تیرے حوالے کروں گا، میں اس کو وصول کروں گا، تو ان الفاظ کے

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۹

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

بلفظ یدل علی الالتزام [1]۔	ساتھ وہ کفیل نہ ہوگا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ بولے جو التزام پر دلالت کرتا ہو۔(ت)

ثالثًا: خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی، جو شخص اپنے خواہ پرائے دین میں جائداد کا استغراق کردے اور دائن ڈگری پاکر مطالبہ میں اسے حبس کرانا چاہے ہرگز نہ سنیں گے، اور یہی جواب دیا جائے گا کہ جائداد ذمہ دار ہے، اس کی ذات ذمہ دار نہیں صاف تصریح ہوئی کہ وہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔

رابعًا: بالفرض اگر یوں ہی کہتا کہ تیرا دین عمرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہوں جب بھی جائداد بلا شبہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع وہبہ سے کوئی نہ روک سکتا، کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں **کما اوضحناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کہ کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں، وجیز امام کردری پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ضمن الفاعلی ان یؤدیھا من ثمن الدار ہذہ فلو یبیعا لاضمان علی الکفیل ولایلزمہ بیع الدار [2]۔	کوئی شخص ہزار روپے کا ضامن بنا اس شرط پر کہ وہ اس گھر کے ثمن سے ہزار روپے ادا کرے گا پھر اس نے وہ گھر فروخت نہ کیا تو کفیل پر ضمان لازم نہیں اور نہ ہی گھر کو فروخت کرنا اس پر لازم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ کفالت واستغراق سراسر بطلان میں مستغرق و باطل وبے اثر وخلاف حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلا قائم نہیں ہوسکتا، اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات وجائداد دونوں آزاد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہرگز قابل سماعت نہیں ہم جواب سوال اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض تو باطل بنیاد پر دعوی بھی باطل اور دعوی باطلہ مسموع نہیں، نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] بحر الرائق کتاب الکفالۃ الباب الثانی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۱۸

در مختار میں ہے:

(یسأل القاضی المدعی علیه)عن الدعوی فیقول انه ادعی علیك کذا فما ذا تقول(بعد صحتها والا)تصدر صحیحة(لا)یسأل لعدم وجوب جوابه [1] والله تعالٰی اعلم۔	قاضی مدعاعلیہ سے دعوی کے بارے ہیں سوال کرے گا اور کہے گا کہ اس شخص نے تجھ پر یہ دعوی کیا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے بشرطیکہ دعوی صحیح ہوا ور اگر دعوی صحیح طورپر دائر نہ ہو تو قاضی سوال نہیں کریگا کیونکہ اس کا جواب دینامدعاعلیہ پر واجب نہیں، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) ہم ثابت کرآئے کہ یہ کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہانہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضا دی اگرچہ بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر کفول لہ پہلے رضا دے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلا استحقاق نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لوکفل بأمر المطلوب بشرط قوله عنی اوعلی انه علی رجع علیه بما ضمن وان ادی ارد أعینی وان بغیرہ لا یرجع لتبرعه الااذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیة [2] (ملتقطا)	اگر مطلوب کے امر سے کفیل بنا بشرطیکہ مطلوب نے کہا ہو کہ تو میری طرف سے ضامن بن یا اس شرط پر کہ وہ مجھ پر لازم الادا ہے تو ادا کردہ دین کے بارے میں مطلوب مطلوب کی طرف رجوع کرے گا اگرچہ اس نے مکفول بہ سے بدتر ادا کیا ہو (عینی) اور اگر مطلوب کے امر کے بغیر کفیل بنا ہو تو رجوع نہیں کرے گا، کیونکہ یہ اس کی طرف سے تبرع واحسان ہے، مگر جب مجلس کے اندر ہی مطلوب نے اس کو کفالت کی اجازت دے دی ہو تو رجوع کرسکتا ہے، (عمادیہ) (ملتقطا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای قبل قبول الطالب فلو کفل بحضر تهما بلاامرہ فرضی	یعنی طالب کے قبول کرنے سے پہلے (مطلوب نے اجازت دی ہو) اگر وہ دونوں (طالب و

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

المطلوب اولا رجع ولو رضی الطالب اولا لالتمام العقد به فلا یتغیر قهستانی عن الخانیة وقد منها ایضا عن السراج[1]۔	مطلوب) کی موجودگی میں بلاامر مطلوب کفیل بنا پھر مطلوب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو کفیل اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر طالب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ طالب کی رضامندی کے ساتھ عقد تمام ہوگیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی (قہستانی بحوالہ خانیہ) ہم سراج کے حوالے سے بھی اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عندالتحقیق قول طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبول طالب ناتمام مانتے ہیں قول مفتی بہ پر جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرعا واقع ہولیا تو اب متغیر نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

الکفالة رکنها الایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد وهو قول ابی یوسف اولا ثم رجع وقال تتم بالکفیل وحده کذا فی المحیط، ورضا الطالب لیس بشرط عنده وهو الاصح کذا فی الکافی وهو الاظهر کذا فی فتح القدیر وفی البزازیة وعلیه الفتوی کذا فی النهر الفائق، وهکذا فی البحر الرائق[2]۔	کفالت کا رکن طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ اکیلے کفیل سے ہی کفالت تام ہوجاتی ہے یونہی محیط میں ہے، اور طالب کی رضامندی شرط نہیں ہے، امام ابویوسف کے نزدیک اور وہی اصح ہے (کافی) اور وہی اظہر ہے (فتح القدیر) اور بزازیہ میں ہے کہ اس پر فتوٰی ہے، اسی طرح النہر الفائق اور البحر الرائق میں ہے۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جو امر و حکم مدیون کے بعد ہو و لہٰذا جملہ متون و عامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار رکھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقٰی و غرر میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

وان کفل بلا امرہ لایرجع علیه وان اجازها بعد العلم [1] اھ وھذا باطلاقه یشمل العلم فی المجلس و بعدہ۔	اگر کوئی حکم مطلوب کے بغیر کفیل بنا تو وہ مطلوب کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ مطلوب نے علم ہونے پر کفالت کی اجازت دے دی ہو اھ یہ عبارت اپنے اطلاق کے ساتھ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی مجلس کے اندر علم ہوا ہو یا بعد میں۔(ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

شل ما اذا اکفل بغیر امرہ ثم اجازها لان الکفالة لزمته ونفذت علیه غیر موجبة للرجوع فلا تنقلب موجبة له [2]۔	یہ حکم مطلوب کے بغیر کفیل بننے اور بعد میں مطلوب کے اجازت دینے کو شامل ہے کیونکہ کفالت اس حال میں لازم و نافذ ہوچکی ہے کہ وہ غیر موجب رجوع ہے لہٰذا اب موجوب رجوع ہونے کی طرف منقلب نہیں ہوگی۔(ت)

اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل کفل عن رجل بمال بغیرہ امرہ ثم اجاز المکفول عنه الکفالة فادی الکفیل شیئا لایرجع علی المکفول عنه [3]۔	ایک شخص بغیر حکم مطلوب کے اس کی طرف سے کفیل بالمال بنا پھر مکفول عنہ یعنی مطلوب نے کفالت کی اجازت دے دی اور کفیل نے اس کی طرف سے قرض ادا کردیا تو مکفول عنہ کی طرف رجوع نہیں کریگا۔(ت)

بہر حال یہ حکم کفالت واقعیہ کا ہے یہاں کہ شرعا کفالت نہیں کچھ مہمل و باطل لفاظ ہیں جن کا نام کفالت واستغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعوٰی نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر کیا تھا مثلاً فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہوجایا اس میں میری ضمانت کرلے، اور اسی نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہوں نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں، اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے قضائے دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار ملتاہے۔ ہدایہ میں ہے:

---

[1] غرر الاحکام متن الدرر الحکام کتاب الکفالۃ مطبعہ احمد کامل مصر ۲/ ۳۰۲

[2] بحر الرائق کتاب الکفالۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۲۴

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۷

ان کفل بامرہ رجع بما ادی علیہ لانہ قضی دینہ بامرہ [1]۔	اگر کوئی مکفول عنہ کے امر سے کفیل بناتو اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے مکفول عنہ کا قرض اس کے حکم سے ادا کیا۔ (ت)

ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا۔

ومن دفع شیئا ظانا انہ علیہ ولم یکن علیہ کان لہ ان یستردہ [2] کما فی العقود الدریۃ وغیرھا۔	اگر کسی نے دسرے کو یہ سمجھتے ہوئے کوئی شے دی کہ وہ دینا اس پر لازم ہے حالانکہ وہ لازم نہ تھی تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مدیون پر اس کو کوئی دعوی نہیں پہنچتا، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ ولیس بخلط لہ ادفع لایرجع الف درہم فدفع المامور لایرجع بہ علی الامر لکن یرجع بہ علی القابض لانہ لم یدفع الیہ علی وجہ یجوز دفعہ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص نے دوسرے کو جو اس کا شریک نہیں ہے کہا کہ فلاں کو ہزار روپے دے دو اور اس نے دے دئے تو آمر کی طرف رجوع نہیں کر سکتا البتہ قابض کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مامور نے اس کو ایسی وجہ سے ہزار روپے نہیں دئے جس وجہ سے دینے جائز ہوں اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۴) اگر یہ کفالت صحیح وجائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمرو اس رقم کو زید سے واپس لے سکتا ہے نیلام نہ ہونے دیتا، اور روپیہ ادار کر دینا کوئی خلاف قضیہ کفالت نہیں بلکہ عین اس کا مقتضا ہے کفالت توثیق دین کے لئے ہوتی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائداد کفیل کے لئے، رہن کے توعین سے حق مرتہن متعلق ہوتا ہے، ولہذا اس میں اور سب دائنوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے غرض یہی ہے کہ راہن سے دین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہو جائے پھر اگر دین کی میعاد

---

[1] الھدایہ کتاب الکفالہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۹

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۷ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندہار افغانستان

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن بادائے دین بلا شک فک رہن کراسکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کر آئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعوٰی پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وارد حال بریلی

کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کرکے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدنیتی سے سرکاری روپیہ ادانہیں کیااور جائدا دمکفولہ کے نیلام کی درخواست دے دی عمرو نے مجبور ہو کر بعذر داری منجملہ (الہ ما مہل ۰۲) زر ضمانت کہ بموجب پر تہ (ماسہ عہ) داخل سرکار کرکے جائداد مکفولہ اپنے نیلام سے واگزاشت کرالی اور عمرو کے نام عدالت دیونی میں زر ضمانت ادا کردہ (صمالہ /) کی بر بنائے ضمانت نامہ مصدقہ وداخلہ سرکاری کی نالش رجوع کردی زید مدعاعلیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ قانون مجریہ اور عملدرآمد ریاست یہ ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوٰی رجوع کرکے زر مدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعاً جائز ہوسکتا ہے یا کیا؟ اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت درمختار:

ولو امر السلطان بعدم سماع الدعوی فلا تسمع الدعوی[1] الخ	اگر سلطان دعوٰی کی عدم سماعت کا حکم دے تو دعوٰی نہیں سنا جائے گا الخ۔ (ت) ممنوع ہے کیا؟

الجواب:

کفالت بالمال بلاشبہ شرعاً جائز ہے مدعا علیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو مستاجری رائجہ دیہات کا شرعاً ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں، درمختار میں ہے:

صح ضمان الخراج وکذا النوائب ولوبغی حق کجبایات زماننا فانھا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقھا حتی لواخذت	صحیح ہے ضمان اخراج کا اور اسی طرح نوائب (حکام کی طرف سے مقررہ کردہ اموال) کا اگرچہ وہ نوائب ناحق ہو۔ جیسے ہمارے زمانے کے مظالم سلطانی، کیونکہ یہ مطالبہ میں دیون کی مثل ہیں بلکہ اس سے

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

من الاکار فله الرجوع علی مالك الارض و علیه الفتوی[1]۔	فوق ہیں یہاں تک کہ اگر کاشتکار سے ایسے اموال جبرا لئے جائیں تو وہ مالک زمین کی طرف رجوع کرسکتا ہے اوراسی پر فتوی ہے۔(ت)

اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورت سوال میں ہے تو بلاشبہہ کفیل کو اصیل سے وصول کرنے کا اختیار ہے تنویر الابصار میں ہے:

لوکفل بامرہ رجع بما ادی وان بغیرہ لاولا یطالب کفیل بمال قبل ان یؤدی عنه[2] (ملتقط)	اگر کوئی مطلوب کے حکم سے کفیل بناتو قرض ادا کرکے مطلوب کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگراس کے حکم کے بغیر کفیل بناتو رجوع نہیں کرسکتا اور مطلوب کی طرف سے قرض ادا کرنے سے پہلے کفیل اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔(ملتقطا)۔(ت)

اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعوی کرکے زرمدخلہ وصول کرنے کا اختیار ہے تو اصل منشأ سوال کہ حکم شرع و قانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از مراد آباد محلّہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست پور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع ورہن وہبہ نہیں کرسکتا زید نے اپنی جائداد کا جو ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھ دیااور قبضہ موھوب لہ کا کرایہ دیااور ہبہ نامہ میں یہ لکھ دیا کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موھوب لہ رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کرلیا تو یہ ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موھوب لہ اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہبہ جائز ونافذ تام ہوگیا **لصدورھا عن اھلھا فی محلھا وقد تمت بلحوق القبض** (کیونکہ وہ ہبہ کے اہل سے ہبہ کے محل میں صادر ہوااو قبضہ لاحق ہونے کے ساتھ وہ تام ہوگیا۔ت)او وہ کفالت اس کے لئے مانع نہیں ہوسکتی کہ جائداد کی کفالت اصلا کوئی چیز نہیں جب تک جائداد کسی دین موجود کے مقابل قبضہ دین میں نہ دی جائے تو جائداد جسے لوگ آج کل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعاآزاد محض ہوتی ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

مالک کو اس میں ہر گونہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہبہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل و بے اثر رہتی ہے اور موہوب لہ کا اس ہبہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطور خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہبہ قطعاً صحیح وتام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موہوبہ لہ دونوں مطالبہ ریاست بری وآزاد، تو ضیح مقام یہ ہے کہ شرح میں کفالت کے معنی ہیں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے، ہدایہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

قیل هی ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة و قیل فی الدین والاول اصح [1] انتهی، اقول والمراد اعم عن مطالبة حاضرة کما علی مدیون او متوقعة کما فی ضمان الدرك وغیره ففی الهندیة عن محیط السرخسی لو قال لرجل مابایعت فلانا فهو علی جاز لانه اضاف الکفالة الی سبب وهو مبایعة والکفالة المضافة الی وقت فی المستقبل جائزة لتعامل الناس فی ذٰلك [2] اھ وفیها عن الکافی یصح تعلیق الکفالة بالشروط کمالوقال مابایعت فلانا فعلی وما ذاب لك علیه فعلی وما غصبك فلان فعلی [3]۔	ایک قول یہ ہے کہ کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور قول اول زیادہ صحیح ہے انتہی میں کہتا ہوں مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمان درک وغیرہ میں، ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلان پر بیچوں وہ مجھ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب وجوب یعنی مبایعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ، اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو تم فلاں کے ساتھ بیع کرو وہ مجھ پر لازم ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر لازم ہے۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

[3] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۱

اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمرو کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغرق کردینا بے معنی ہے عمرو خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو وہ کون سا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہوا اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمرو پر ہوا نہ کہ جائداد پر ولہٰذا اگر کفیل کی کل جائداد تلف ہوجائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئے گا مطالبہ ممکن ہوگا۔ بخلاف رہن اس میں حق مرتہن خاص شے مرہون سے متعلق ہوجاتا ہے حتی کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو بقدر اس کی قیمت کے دین ساقط ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اگر روز قبضہ مرتہن مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شے مرہون اس کے پاس تلف ہوگئی تو کل دین جاتا رہا، ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

اذا هلك المرهون فی ید المرتهن او فی ید العدل ینظر الی قیمته یوم القبض والی الدین فان کانت قیمته مثل الدین سقط الدین بهلاکه وان کانت قیمته اکثر من الدین سقط الدین وهو فی الفضل امین وان کانت قیمته اقل من من الدین سقط من الدین قدر قیمة الرهن ویرجع المرتهن علی الراهن بفضل الدین ۔[1]	اگر مرہون شے مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی یا عادل کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو قبضہ والے دین اس شی کی قیمت اور قرض کو دیکھا جائے گا اگر اس شے کی قیمت قض کی مثل ہے تو قرض ساقط ہوجائے گا اور اگر قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہوجائے گا جو زائد ہے اس میں مرتہن امین ہوگا، اور قیمت قرض سے کم ہے مرہون کی قیمت کے برابر ساقط ہوجائے گا اور باقی قرض کے سلسلہ میں مرتہن راہن کی طرف رجوع کرے گا۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شے دائن کے قبضہ میں دے دی جائے اور دین موجود و متحقق ہو نہ کہ موہوم و متوقع،

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ"[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت)

کافی وہندیہ میں ہے:

لایصح الرهن الابدین واجب ظاهرا وباطنا اوظاهرا، فامابدین معدوم فلایصح[3]۔	نہیں صحیح ہے رہن مگر دین واجب کے بدلے میں، چاہے ظاہر ہو یا باطن لیکن دین موہوم کے بدلے میں صحیح نہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرهن الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۴۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرهن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱

اس کفالت واستغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دی جاتی اور بارہا کوئی دین بالفصل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکہ اس کے حق میں محبوس ہوسکتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجبور وممنوع کردیں حالانکہ خود وہ مدیون بھی نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلا وجود ہی نہیں اور شرعا خود مدیون بھی، اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق ومحیط ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتی کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اگر قرضخواہ نالشی ہو (کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے، ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے) اور قاضی ان کی نالش قبول کرکے ممانعت کا حکم قطعی صادر کردے جب بھی وہ اصلاً ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہوجائے گا بیع کرے گا بک جائے گا، وقف کرے گا وقف ہوجائے گا، قرضخواہوں کو جو حق حبس وملازمت کا دیا گیا وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشئ ہیں کسی کے روکے نہ رکیں گے، اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوسکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو محیط ہوجائے مگر کب؟ جبکہ بعد نالش قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کردے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ پائے اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی طرح سے ممنوع نہیں۔ محیط وعالمگیری میں ہے:

الحجر بسبب الدین ان یرکب الرجل دیون تستغرق امواله اوتزید علی مواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولا یتصدق به ولا یقربه لغریم آخر فالقاضی یحجر علی عندهما، وعند ابی حنیفة لا یحجر علیه ولا یعمل حجره حتی تصح منه هذا التصرفات کذا فی المحیط، ویصح هذا الحجر عندهما وان کان المحجور المدیون غائب ولکن یشترط علم	قرض کی وجہ سے تصرفات سے روک دینا اس طرح ہے کہ کسی شخص پر اتنے قرض ہوگئے جو اس کے تمام اموال کو محیط ہوگئے یا اس سے زیادہ ہوگئے اور قرضخواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر پابندی لگائے تاکہ وہ اپنے مال کو نہ تو ہبہ کرے، نہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور قرضخواہ کا اقرار کرے تو صاحبین کے نزدیک قاضی اس پر پابندی عائد کردے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پابندی عائد نہیں کرے گا اور نہ اس پر پابندی نافذ ہوگی یہاں تک کہ اس کے تصرفات مذکورہ صحیح ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر یہ پابندی صحیح ہوگی اگرچہ وہ مدیون جس پر پابندی لگائی گئی غائب ہو بشرطیکہ پابندی کے بعد اس کو

المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ بع الحجر قبل العلم به یکون صحیحا عندہما [1]۔	پابندی کا علم ہوجائے یہاں تک پابندی کے بعد اس کا علم ہونے سے پہلے جو تصرف اس نے کیا وہ صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

انما یحجر بعد الحکم لا قبله [2]۔	بیشک مدیون قاضی کے فیصلہ کے بعد ہی تصرفات سے پابند ہوگااس سے پہلے نہیں۔(ت)

یہاں دین محیط ہونا درکنار یہ شخص خود مدیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی نہیں، نہ نالش نہ قضاء اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا، یہ محض باطل وبے اصل وبے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پر مطالبہ ہو یا ہوگا، اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پھر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کررہا ہے یہاں کون سادوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملا یا گیا ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلا قابل التفات نہیں ہوسکتی، اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے، کہ آج کل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہوگئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں، پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائیداد دوسرے کو ہبہ کردینا قطعاً صحیح ونافذ تھا اور مکفول ہونے سے اس پر اصلا کوئی اثر نہ آسکتا تھا، رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے،

اولاً: شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلا شرط خود لازم ہوجاتی ہے نہ اس کے ملائم ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے، ایسی شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی خود باطل ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدہما الخ [3]۔	فساد عقد میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا تقاضہ عقد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ عقد کے ملائم ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحجر مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط و معنی کونه ملائما ان یؤکد موجب العقد کذا فی الذخیرة[1] ۔	بحر میں کہا کہ شرط کے مقتضائے عقد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو کہ شرط لگائے بغیر ہی عقد کے ساتھ واجب ہو اور اس کے ملائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ موجب عقد کی تاکید کرے، یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

تنویر البصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد و یلغوا الشرط القرض والهبة والصدقة[2] الخ۔	وہ جو صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتی بلکہ خود شرط لغو ہو جاتی ہے وہ قرض، ہبہ اور صدقہ ہے۔ الخ۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

الهبه والصدقة والکتابة بشرط متعارف وغیر متعارف یصح ویبطل الشرط[3] ۔	ہبہ، صدقہ اور کتابت شرط متعارف اور غیر متعارف کے ساتھ صحیح ہو جاتے ہیں اور شرط باطل ہو جاتی ہے۔(ت)

موھوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اس شرط کا پابند نہ کرے گا ورنہ شرط باطل نہ ہوئی بلکہ موثر ٹھہری حالانکہ باطل ولغو تھی، شرح اسبیجابی وفتاوٰی تاتارخانیہ وفتاوٰی عالمگیرہ میں ہے:

رجل وهب لرجل هبة اوتصدق علیه بصدقة علی ان یرد علی ثلثها اوربعها اوبعضها فالهبة جائزة ولایرد علیه ولایعوضه بشیئ[4] ۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ دیا اس شرط پر کہ وہ اس کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا بعض حصہ اس کو لوٹا دے گا تو ہبہ جائز ہے اور موھوب لہ واہب کو واپس نہیں لوٹائے گا اور نہ ہی اسکے عوض کوئی شے دے گا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸، درمختار شرح تنویر الابصار باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

ثانیاً: اس سب سے قطع نظر ہو تو اس نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہوا اپنے ذمہ لینا اور ہم سب ثابت کرآئے کہ ایسی صورت میں جائداد پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے ایک امر محال کو قبول کیا قبول نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات کو قبول کرتا تو باطل ہی ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہو جاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات وجائداد دونوں ایسے مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں کہ بلکہ اگر فرض کرلیں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود وہ مطالبہ کہ واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ) خود مستقل طور پر قبول کیا ہوتا جب بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل وبے اثر رہتی، ہم اگرچہ ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ میں دی جاتی ہے قطعہ باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج المؤظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا[1]۔	اجارہ جب اعیان کو قصدا ہلاک کرنے پر واقع ہو تو وہ باطل واقع ہوتا ہے چنانچہ اجارہ مذکورہ جب کھیتی سے انتفاع پر واقع نہیں ہوا بلکہ اخراج کی دونوں نوعوں یعنی مؤظف ومقاسمہ سے حاصل ہونے والی پیداوار لینے اور کچھ درختوں پر ہے بصورت رائج درہموں کے اس کی اجرت لینے پر واقع ہوا ہے اور یہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے باطل ہے اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ باطل کا کوئی حکم نہیں۔ (ت)

توجس سال جس قدر نشتت ہو اسی قدر تمام وکمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے گھر سے اس کا پورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت کے لئے رکھی جاتی ہے جب مستاجر سے پوری رقم مقررہ شدہ وصول نہ ہوا گر مستاجر خود نہ کھا گیا بلکہ فی الواقع کمی ہوئی تو اس سے پوری رقم لینی حرام ہے اور مطالبہ باطل، مگر از انجاکہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے، اور قانونی طور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵۔۳

سے اس پر جبر پہنچتا ہے اور بزور کچہری حاصل کر لیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مالیس بحق کالجبایات الموظفة فی زماننا علی الخیاط والصباغ وغیرھما للسلطانی فی کل یوم اوشھر فانما ظلم ،اختلف المشائخ فی صحة الکفالة بھا کذا فی فتح القدیر ،والفتوی علی الصحة کذا فی شرح الوقایه،ومن یمیل الی الصحة الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الھدایة،وقال النسفی وشمس الائمه قاضیخاں مثل قول فخر الاسلام لانھا فی حق توجه المطالبة فوق سائر الدیون والعبرة فی باب الکفالة للمطالبة لانھا شرعت لالتزامھا ولھذا قلنا ان من قام بتوزیع ھذہ النوائب بالقسط یؤجر وان کان الاٰخذ فی الاخذ ظالما کذا فی المعراج الدرایة[1]۔	وہ جو ناحق ہے جیسے ہمارے زمانے میں بادشاہ کے لئے درزی اور رنگساز وغیرہ پر یومیہ ماہانہ مقرر کردہ ٹیکس یہ ظلم ہے، ان کی کفالت صحیح ہونے کے بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، فتح القدیر میں یوں ہی ہے اور فتوی صحیح ہونے پر ہے، شرح وقایہ میں یونہی ہے اور صحت کی طرف میلان کرنے والوں میں سے شیخ الاسلام علی البزدوی ہیں یونہی ہدایہ میں ہے نسفی، شمس الائمہ اور قاضی خاں نے فخر الاسلام کے قول کی مثل کہا کیونکہ یہ توجہ مطالبہ میں تمام دیون سے فوق ہے اور کفالہ کے باب میں اعتبار مطالبہ کا ہے کیونکہ یہ اس کے التزام کے لئے مشروع ہوا اسی وسطے ہم نے کہا کہ جو کوئی ان ٹیکسوں کی عادلانہ تقسیم کے لئے کمر بستہ ہوا ماجور ہوگا اگرچہ لینے والا ان کو لینے میں ظالم ہو معراج الدرایہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تو اس مطالبہ مشتبہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجہ اولٰی صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت میں تنہا کفیل کے قبول والتزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہو جاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی، ولہٰذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہو جاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتوی یہاں مختلف ہے اور فتوی جب مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۱

کما نص علیه فی البحر الرائق والخیریة و غیرہما و قد بیناہ فی النکاح من فتاوٰنا	جیسا کہ بحر الرائق اور خیریہ وغیرہ میں ہے اور اہم اس کو اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں بیان کرچکے ہیں۔(ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

اما رکنها فالایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی وهو قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی اولا حتی ان الکفالة لاتتم بالکفیل وحده سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول له او قبول اجنبی عنه فی مجلس العقد اوخطاب المکفول له اوخطاب اجنبی عنه اما اذا لم یوجد شیئ من ذٰلك فانها لاتتقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح[1]۔	امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک کفالہ کا رکن ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا پہلا قول بھی یہاں تک اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہونا چاہئے وہ مال کی کفالت کرے یا نفس کی جب تک مکفول لہ یا اس کی جانب سے کسی اجنبی شخص کا قبول یا خطاب نہ پایا جائے اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پایا گیا تو یہ ماورائے مجلس پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب تک خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی ہے: الفتوی علی قولهما[2] (فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی الدرر والبزازیة وبقول الثانی یفتی و فی انفع الوسائل وغیرہ الفتوی علی قولهما[3]۔	درر اور بزازیہ میں ہے کہ امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے اور انفع الوسائل وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت رئیس کی طرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہوسکتے کہ اس میں مطالبہ باطلہ ذمگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ ذمگی واہب کا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] درمختار بحوالہ الطرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واہب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضولی سے پایا گیا کفالت منعقد ہو کر اجازت ریاست پر موقوف رہی، محیط و ہندیہ میں ہے:

قال اجنبی لغیرہ اکفل بنفس فلان اوبمال عن فلان لفلان فیقول ذٰلك الغیر کفلت تصح الکفالۃ و تقف علی ماوراء المجلس علی اجازۃ المکفول لہ و للکفیل ان یخرج عن الکفالۃ قبل ان یجیز الغائب کفالتہ[1]۔	اجنبی نے غیر سے کہا کہ تو فلان کے نفس کا یا فلاں کے لئے فلاں کے مال کا کفیل بن جاؤں اور وہ غیر کہے کہ میں کفیل بن گیا تو کفالہ صحیح ہوگا اور مجلس کے بعد مکفول لہ، کی اجازت پر موقوف رہے گا اور کفیل کو اختیار ہوگا کہ مکفول لہ کے کفالہ کی اجازت دینے سے پہلے خود کو کفالہ سے خارج کرلے۔(ت)

مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے پھر یہ کفالت بے اثر رہی، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق** (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۸۹: مرسلہ سید مقبول عیسٰی صاحب سادات نو محلّہ از ریاست جاورہ ملک مالوہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے اس نے مسماۃ بنت پیاری سے مہر شرعی پر عقد برضامندی خود بہ اقرار کہ علاوہ نان ونفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خورد ونوش کے تکلیف ہوگی تو میں ان کے خورد ونوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لوں گا اور گھر میں صفر خورد ونوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری کا نہ دوں تو خدا بخش ضامن جس کے اقرار نامہ ہذا پر دستخط ہیں دے گا اب مسماۃ پیاری کو خورد ونوش واقعہ ہوئے تو جمعہ اور اس کا ضامن بالاصالہ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خورد ونوش دینے سے حجت وحیلہ حوالہ کرتے ہیں، چنانچہ نقل دستاویز بھی بناپر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے از روئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

الجواب:

پیاری کا نفقہ شرعاً ذمہ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھ دینا کہ اگر میری خوشدامن کو کبھی خورد ونوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خورد ونوش کا بھی صرفہ اپنے پاس سے دوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا۔

فقد صرحوا قاطبۃ ان لاجبر علی المتبرع وقال اللہ تعالٰی "مَاعَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ "[1]۔	تحقیق تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی کہ احسان کرنے والے پر کوئی جبر نہیں ہوگا اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ (ت)

اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدا بخش جس نے ضمانت کی اور اقرار نامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرار نامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدا بخش ضامن ہوں مجھ کو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل وبے اثر ہوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا۔

کما ھوا فی ردالمحتار عن البحر عن البدائع اما شرائط المکفول بہ فالاول ان یکون مضمونا علی الاصل الخ[2]۔	جیسا کہ ردالمحتار میں بحر سے بحوالہ بدائع منقول ہے کہ مکفول بہ کی شرطوں میں سے پہلی یہ کہ وہ اصل پر قابل ضمان ہو۔ الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا فی الدین کونہ صحیحا لاضعیفا کبدل کتابۃ فمالیس دینا بالاولی نھر[3]۔	دین میں کفالہ کی شرط یہ ہے کہ وہ دین صحیح ہو ضعیف نہ ہو جیسے بدل کتابت اور جو دین ہی نہیں اسکی کفالت بدرجہ اولٰی صحیح نہیں نہر (ت)

البتہ جمعہ کے حق میں اولٰی یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پورا کرے **فان الوفاء من مکارم الاخلاق** (کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا اعلٰی خلاق کریمانہ میں سے ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندر کی حال مقیم ریاست رام پور ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بحضرت اقدس علامہ محقق وفہامہ مدقق فاضل بریلی فیضھم العالی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

علی کافۃ المسلمین، السلام علیکم، بصد ادب حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطافرمائے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ بربنائے کفالت مستاجری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی مستاجری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہٰذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعا ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا، عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتوی پیش کردہ مدعا علیہ صحیح ولائق پابندی ہیں پس ایسی حالت میں جبلہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخل سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعا نہیں ہوسکتا اور دفعہ ۷۱، ۷۹، قانون حامدیہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے غیر متعلق ہے) چھمی نرائن مدعی ناکامیاب نے بناراضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتوی حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعا جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کرکے جناب والا سے فتوی حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلاف واقعہ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اس اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زر مدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۷۹ آئین حامدی کا ہرگز نہیں ہے بلکہ دفعہ مذکور تابع دفعہ ۷۷، ۷۸ کے ہے، دفعہ ۷۷ کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد مستاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذرداری مابین میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہوجائے تو حسب منشا دفعہ ۷۹ بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذرداری بارجاع نالش کسی عدالت میں قابل سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگزاری کے عذردار مجازی دعوی ہرجہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہوسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مستاجر کسی شخص کی جائداد بلا اسکی مرضی کے خود مکفول کردے تو مالک جائداد بعد منظوری واگذاشت کی نالش نہیں کرسکتا بلکہ ہرجہ کی نالش کرسکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیساکہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ متعلق نہیں۔

(۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کرایا ہے کفالت نامہ

کی نقل شامل عرضداشہ ہذا ہے اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ جائداد کو مکفول کرایا ہے،

(۳) تیسرا مضمون سوال میں یہ غلط ظاہر کیا ہے کہ زید کا یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعا ناجائز ہے مجھ مدعا علیہ کا ہرگز عذر نہیں ہے بلکہ میرا عذر یہ ہے کہ کسی مطالبہ کی بابت جائداد کو مکفول کرانا شرعا ناجائز ہے یعنی ضمانت میں جائداد کا استغراق کرانا شرعا ناجائز ہے۔

(۴) چوتھا مضمون سوال میں یہ بھی خلاف درج کیا ہے کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کی، یہ واقعہ بالکل غلط ہے، مفتی صاحب نے اس واقعہ کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا ہے اس غلط اور غیر مطابق سوال کی بنیاد پر حضور نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ کفالت بالمال شرعا ناجائز ہے لہٰذا حضور والا! میں نقول ہر سہ فتوٰی حضور جو سادہ کاغذ پر ہے اور نقل فیصلہ جناب مفتی صاحب دیوانی اور نقل فتوٰی آخر جو باضابطہ عدالت سے حاصل کیا گیا ہے اور نقل اقرار نامہ کفالت اور قانون آئین حامدیہ معطوفہ عرضہ داشت ہذا درگاہ والا میں پیش کرکے امیدوار ہوں کہ حضور ہر سہ فتوی سابق وفتوی مابعد نظر ثانی فرماکر اور فیصلہ مفتی صاحب دیوانی اور نقل اقرار نامہ کفالت ودفعہ ۷۷ لفایت ۷۹ قانون مذکورہ ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمائیں کہ ہر سہ فتاوٰی سابق پیش کردہ انوار حسین مدعاعلیہ مطابق نالش مدعی ہیں یا فتوٰی آخر پیش کردہ کچھمی نرائن مدعی متعلق مقدمہ ہے اور عذر مدعاعلیہ کا شرعا قابل منظوری ہے یا عذر مدعی کا؟ زیادہ حد ادب

الجواب:

دارالافتادہ دارالقضاء نہیں یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی، صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے، سوال اخیر کے حضور احمد خاں رامپوری ملازم کچہری بریلی منصرم نقل نے پیش کیا (جسے اس سوال حال وملاحظہ تجویز مفتی صاحب ودیگر کاغذات مدخلہ سائل نے بتایا کہ ہندومدعی کا سوال تھا اور اسی مقدمہ سے متعلق جس کی نسبت کئی سوال منشی سید انوار حسین مدعی رامپوری نے بوساطت مرزا نظیر بیگ صاحب سابق نائب تحصیلدار بریلی دارالافتاء میں پیش کئے اور ۹ ربیع الاخر ۱۳۳۶ھ کو جواب دئے گئے تھے) اس میں یہ تھا کہ زید وعمرو سے درخواست ضمانت کی اور عمرو نے اس کی درخواست پر اس کی ضمانت کی اور زید کفالت بالمال کو ناجائز کہتا ہے اس میں حکم کیا ہے، اس کا جواب یہی تھا کہ کفالت بالمال یقینا صحیح ہے اور جبکہ کفیل حسب درخواست مکفول عنہ ضامن ہوا تو بلاشبہ مطالبہ زرادہ کردہ کرسکتا ہے اپنی جائداد سے دو لفظ سوال میں فضول تھا کہ جب عمرو زید کی درخواست پر ضامن ہوا یعنی اپنا ذمہ زید سے ضم کیا ضمانت مکمل ہوگئی خواہ زر نقد سے کی ہو یا جائداد سے یا صرف زبانی، تینوں طریقے رائج ہیں، اور اصل وہی ضم ذمہ ہے اس کے

بعد نہ زر نقد داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی خلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں، ہندو مدعی نے سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلا پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گزشتہ کی نسبت دارالافتاء سے فتوٰی جاچکا ہے نہ سوالات سابقہ وسوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصومت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علمائے کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال ذکر ہو اسے صحت پر محمول کرکے جواب دیا جائے، وجیز امام کردری میں ہے:

لوسئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذالمطلق یحمل علی الکمال الخالی عن موانع الصحة[1]۔	اگر کسی عقد کی صحت سے متعلق سوال کیا جائے تو تمام شرائط کے پائے جانے پر محمول کرتے ہوئے اس کی صحت کافتوٰی دیا جائے گا کیونکہ مطلق کو ایسے کمال پر محمولکیا جاتا ہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔(ت)

دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہوجانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا، فتاوٰی خیریہ میں ایسے ہی اختلاف سوال کے بارے میں کہ علامہ رملی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا:

لاشك فی ان المفتی انما یفتی بما الیه السائل ینهٰی[2]۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی اسی پر فتوٰی دیتا ہے جو خبر سائل اس کے پاس پہنچائے۔(ت)

نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا:

السوال الاول لم یذکر لنا فیه ان الاجارہ وقعت علی تناول الخراج ونحوہ من الاعیاب ومسئلتنا فیه عن الاجارة مطلقًا فانصرفت الی تملك المنفعة وقسمنا الاحکام علی الصحیحة والفاسدة	پہلے سوال میں ہمارے لئے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ اخراج یا اس کی مثلی اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو وہ تملک منفعت کی طرف لوٹا اور ہم نے احکام کو دو قسموں یعنی صحیح اور فاسد پر تقسیم کیا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ البزازیہ کتاب الصلح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲۔۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوکالۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹

اما حیث کان الواقع انہا علی اتلاف الاعیان فھی باطلة[1]۔	مگر جب وہ اعیان کے اتلاف پر واقع ہوا ہے تو وہ باطل ہے۔(ت)

اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے:

قدیختلف الجواب باختلاف المرضوع المرفوع لاہل الفتوٰی فلا اعتراض علی المجیب فی الجواب[2]۔	کبھی فتوٰی پوچھنے والوں کو موضوع مرفوع میں اختلاف کی وجہ سے جواب مختلف ہوجاتا ہے اس لئے اس جواب میں مجیب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ایک چوتھے واقعہ پر ہے۔

قد استفتی فی ہذہ الحادثة بماہو مختلف الموضوع فی السوال فاختلف الجواب بسبب ذٰلك فلا یتوھم معارضة الافتاء فیہ[3]۔	تحقیق اسی حادثہ میں سوال میں مذکور موضوع سے مختلف صورت میں فتوٰی پوچھا گیا تھا لہٰذا اسی سبب سے جواب مختلف ہوا چنانچہ اس میں افتاء کے معارضہ کا وہم نہ کیا جائے۔(ت)

ان سب ارشاد شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کئے گئے تھے پچھلے سوال ان کی خلاف تھے لہٰذا جواب مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتوٰی دے گا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اس سے کوئی فتووں میں تعارض کا وہم نہ کرے، ہاں اگر اسی وقت معلوم ہوتا کہ یہ سوال مدعی اس مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کا خلاف واقع ہونا معلوم ہوجائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ عقود الدریہ میں ہے:

اذاعلم المفتی حقیقة الامر ینبغی له ان لایکتب للسائل لئلایکون معیناله علی الباطل[4]۔	جب مفتی کو معاملہ کی حقیت معلوم ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (جھوٹے) سائل کے لئے فتوٰی نہ لکھے تاکہ وہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔(ت)

ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر ہے کہ سوال مدعی محض غلط وفریب ہے اس میں ضمانت اپنی جائداد

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[4] العقود الدریۃ فوائد فی آداب المفتی قبل کتاب الطہارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۳

سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمرو ضامن ہوا اور زیادت وثوق کو اپنی جائداد پیش کی جس کا حکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہ صحیح ہوگئی کہ ذکر جائداد نہ ہونا فضولی ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ میں روشن کردیا گیا مدعی نے کفالت بالمال کو پوچھا اس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے، اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ اس کی غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمان شرع سمجھتے ہیں کہ مالمکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت المال باضافت الی الفاعل تھی یعنی خود مال وجائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعاً باطل ہے اور وہ قطعاً صحیح، لاجرم فتوی کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیا ہرگز متعلق مقدمہ نہیں، متعلق مقدمہ وہی فتاوٰی سابقہ مدخلہ مدعا علیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعا علیہ صحیح وواجب القبول۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب الحوالہ

(حوالہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۱: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میانسرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب اوائل رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید سنی و حنفی المذہب ہے اور نسبت حرام وناجائز ہونے لین دین سودی و جملہ کاروائی متعلقہ معاملہ سود کے اپنے ملت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے کہ اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت وحرمت معاملہ سودی مبلغ پانچ ہزار روپیہ بحساب ۱۲ فیصدی ماہواری سود زید نے مسمّٰی منو سنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار سود ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے ششماہی وہ زر سود شامل اصل ہو کر سود در سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سلا کا لیا جاوے گا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچ ہزار روپیہ زر اصل وچھ سو نواسی روپیہ ایک آنہ زر سود ڈیڑھ سال جملہ (صمہ سمالعہ لہ /) اصل وسود دے کر منو سنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لے لے مگر زید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف ایک ماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سود صرف (مہ سہ ۴./) ہوتے ہیں بجائے اس کے (سمالعہ لہ ۱/) دے کر (سمامہ ۱۲./) کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی

پریشانی کی کیفیت مسمیان محمود قوم سیدوبدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی، مسمّٰی محمود نے یہ صلاح دی کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یا تجارت کی جائے اور بعد انقضائے ایک سال وپانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کرکے اور منوسنگھ مہاجن کا قرضہ ادا کرکے دستاویز واپس کرلی جائے امید ہے کہ ٹھیکہ داری یا تجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان (سما۱۲عہ) سے زائد منفعت حاصل ہوجائے گی مسمّٰی بدری پرشاد مہاجن یہ مشورہ دیتا ہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یا تجارت قائم کرنے میں احتمال نفع ونقصان دونوں قسم کا ہے نقصان کی صورت میں جائداد موجود کے جو ظاہری ذریعہ ہے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دے تو مبلغ پانچ ہزار زراصل اور (معہ ۰۴/) زرسودیکماہہ جملہ (صمہ معہ ۰/) جواس وقت آپ کے واجب الادا ہیں مجھ کو دے کر قرضہ کی اتروائی مجھ پر کرادیجئے اب منوسنگھ میرے ذمہ عائد ہوجائے گا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ (صمہ معہ ۰۴/) جو آپ سے ملیں گے اس کو سودی قرضہ میں لگا کر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ (صمہ سمالعہ) پورا کرکے اور منوسنگھ کو دے کر دستاویز واپس کرلوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہوجائے گی اور جائداد موجودہ کا بھی کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگا کہ آپ جس قدر دینے (سما ۰۱۲/) زرسود کے مواخذہ میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمّٰی بدری پرشاد مناسب اور موجب منفعت دینی ودنیوی معلوم ہوتی ہے لہٰذا استصواب ہے کہ مسمّٰی زید کو بروئے ملت حنفیّہ وشریعت غرامشورہ بدری پرشاد پر عمل کرنا جائز ہے یا اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سودخوری مبتلا ہونا ہوگا، جواب تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیّہ بہت جلد ارقام فرمایا جائے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایا جائے کہ اگر زید کو صرف دوہزار روپیہ مل جائے اور موافق مشورہ بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دوہزار روپیہ کے قرضہ کی اُترائی بدری پرشاد پر کردی جائے تو اس صورت میں وہی حکم ہوگا جو کل قرضہ کہ اُترائی میں ہوگا یا اس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا؟

الجواب:

قرض تحویل کرادینے کی رائے بالکل خیر ہے زید اس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس خالص قرض کی نیت سے دے پانچ ہزار سے جتنا زیادہ دیتا ہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر پہلے ہندو سے کہہ کر اس کا قرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کرلے کہ دھوکا نہ پائے یوں بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گا چالیس پچاس روپیہ جو زیادہ جائے گا وہ یوں ہوگا کہ قرض دیا تھا اور مارا گیا یا قرض دار پر چھوڑدیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کا فعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ لے تو اس کا الزام زید پر نہیں

آسکتا ہے،

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

انما المعصیة بفعل المستاجر وھو مختار فیه فقطع نسبته عنه [2]۔	بیشک گناہ تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ مختار ہے (مکروہ نہیں) لہٰذا اس کی نسبت مالک مکان سے منقطع ہو گئی۔ (ت)

یوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کرسکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۲: از خیر آباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

شریعت بے استعدادی کو مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی ہے لہٰذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہو کر نہایت ادب سے معافی کا مترصد ہوں استفتاء منسلک عریضہ ہذا والا حضور اقدس میں بھیجا تھا دیر رسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل رامپور بھی بھیجی تھی پیش گاہ والا سے جواز صورت مسئولہ کا حکم پا کر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی گئی تھی کہ۔

قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند

دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ رامپور سے جواب خلاف حکم والا ملا، یہ امر میرے عرض کرنے کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر واصلاح کار میں بھی کچھ وساوس وابلیس آدم رو وموانع پیش آتے ہیں صاحب معاملہ کے خیالات وجوابات رامپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تک رامپور کی تردید میں براہین قاطعہ ودلائل مستحکم از روئے ملت حنفیّہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کرسکتا مجھ ہیچمدان کو بجز اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہٰذا نقل جوابات مرسلہ علمائے رامپور

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

ارسال خدمت کرکے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے۔

پناہ جو بدرت آمدم بعجز و نیاز — کہ آستانِ تو حاجت روائے من باشد

(پناہ ڈھونڈتے ہوئے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے دروازے پر آیا ہوں تاکہ تیرا آستانہ میرا حاجت روا بن جائے۔ ت)

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں، عریضہ ادب کمترین فخر الحسن عفاعنہ از خیر آباد ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

(جواب علمائے ریاست رامپور)

الجواب:

واللہ سبحٰنہ موفق للصدق والصواب (اللہ سبحانہ، وتعالٰی سچائی اور درستگی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ت) ایسی صورت میں زید کو بروئے ملت حنفیّہ مشورہ بدری پرشاد عمل ناجائز وحرام ہے بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے سے مواخذہ سودخوری میں مبتلا ہونا ہے، تفصیل یہ ہے کہ زید کا مبلغ (صمہ معہ) بدری پرشاد کو دے کے منوسنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردینے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ زید مبلغ (صمہ معہ۴/ ۰) بدری پرشاد کو اس شرط پر قرض دے کہ وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ (صمہ سالعہ لہ ا/) ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پرشاد پر حوالہ کردے،

قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالۃ ھی نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1] **انتھی۔**	تنویر الابصار میں حوالہ کی تفسیر میں کہا کہ وہ دین کو محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے انتہی۔ (ت)

تو بدری پرشاد کا (صمہ معہ۴/ ۰) لے کے اور (سامعہ ۱۲/ ۰) بڑھا کے (صمہ سالعہ لہ) ادا کرنا زید کو (سا ۱۲/ ۰) سود دینا ہے کیونکہ یہ (سامعہ ۱۲/ ۰) جو بدری پرشاد زید کی طرف سے منور سنگھ کو ادا کرے گا یہ رقم کسی مال کے عوض میں ثابت نہیں ہوئی تو بالضرور زید کے (صمہ معہ۴/ ۰) قرض دئے ہوئے روپوں کا نفع ہوگا،

وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام انتھی در مختار[2]**، فی جواھر الفتاوٰی اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ**	اشباہ میں ہے کہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے انتھی (درمختار) جواہر الفتاوٰی میں ہے کہ اگر وہ مشروط ہو تو ایسا قرض ہوگا جس میں نفع ہو اور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۵

وھو ربًا انتھی شامی[1]۔قال فی الکفایۃ الربٰو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال[2] انتھی۔	وہ سود ہے انتہی (شامی)، کفایہ میں کہا سود شرع میں اس مالی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو جبکہ یہ مالی معاوضات میں ہو انتہی (ت)

اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ توظاہر ہے کیونکہ (سالعہ/) جو منجانب زید منو سنگھ کو پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کرکے بدری پرشاد پر حوالہ کئے، غایت یہ ہے کہ زید نے خود نہیں دیئے دلوائے اور چونکہ برتقدیر صرف دوہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دوہزار کے سود بھی بدری پرشاد اپنے پاس سے ادا کرے گا تواس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت میں تھی لہذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں، ھذہ صورۃ الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

المجیب فقیہ الدین عفاعنہ

اصاب من اجاب	ذٰلك كذٰلك	ذلك کذالک
محمد معزاللہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور	محمد منور علی (مہر)	محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح والرای نجیح واللہ تعالٰی اعلم	الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد لطف اللہ مہر	ابوالافضال محمد فضل حق

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء: برضمیر معدلت پیرائے ارباب شریعت غرا مخفی مبادکہ ایک سوال کے دوجواب متضاد موصول ہوئے یعنی حضرات دارالافتاء اہل سنت وجماعت بریلی نے جواز صورت مسئولہ کا حکم دے کر بنظر عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو ناجائز وحرام تحریر فرمایا ہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا کچھ چارہ کار نہیں بتلایا حالانکہ بفحوائے الدین یسر پیرو ملت اسلام کے واسطے آسانی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ ہر دوجوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں براہین قاطعہ

---

[1] ردالمحتار فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربائ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۴۷

سے ثابت کی جائیں اور بعد قائم ہوجانے امر حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، بملاحظہ مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب **اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،**

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا اہالی دارالافتاء بعزم آرہ شاہ آباد جلسہ مدرسہ فیض الغربا پابرکاب ہیں اجمالی جواب فوری گزارش ہے کہ تکلیف انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا ہے مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی اور تفصیل کردی جائے گی وباللہ التوفیق۔

مولٰنا آپ نے بنظر عجلت سوال وہاں ارسال فرمایا اگر یہ جواب لکھ کر بھیجتے تو مامول تھا کہ ان صاحبوں کی نظر لغزش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الا من عَنَدَ وھواہ عَبَدَ (سوائے اس شخص کے جو عناد اختیار کرے اور اپنی نفسانی خواہش کی پرستش کرے۔ت) ان صاحبوں کا بڑا منشاء غلط یہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو مدیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کررہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پرشاد منوسنگھ والے قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے نیز لکھتے ہیں یہ (سامہ ۰۱۲/) بدری پرشاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں (سالعہ ا/) منجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے ان کے سارے خیالات کا منبع بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ کی اترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دَین سے بری ہوجاتا ہے دَین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہوجاتا ہے جس نے اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو جسے محتال ومحتال لہ کہتے ہیں دیتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

الحوالۃ نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1]۔	حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔(ت)

نہر الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: **ھو الصحیح**[2]

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہر الفائق نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۵

تنویر میں ہے:

برئ المحیل من الدین بالقبول [1]۔	محتال علیہ کی طرف سے قبول کے بعد محیل قرض سے بری ہوجاتا ہے۔(ت)

فتح القدیر و در مختار میں ہے:

ھل توجب البرأۃ من الدین المصحح نعم [2]۔	کیا حوالہ دَین صحیح سے براءت کا موجب ہے، جواب ہاں۔ (ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اما احکامھا فمنھا برأۃ المحیل عن الدین [3]۔	حوالہ کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ محیل قرض سے بری ہوجاتا ہے۔(ت)

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دَین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دَین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتال علیہ کو معاف کردے معاف ہوجائے گا۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

فلوابرأ المحتال المحیل عن الدین او وھبه له لا یصح علیه الفتوی [4]۔	اگر محیل کو محتال علیہ قرض سے بری کرے یا قرض اس کو ہبہ کرے تو صحیح نہیں، اسی پر فتوٰی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اجماع علی ان المحتال لو ابرأ المحتال علیه من الدین اووھبه منه صح ولو ابرأ المحال علیه من الدین او وھبه منه صح ولو ابرأ المحیل او وھبه لم یصح [5]۔	اس پر اجماع ہے کہ اگر محتال، محتال علیہ کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض ہبہ کردے تو صحیح ہے اور اگر محیل کو بری کیا یا اس کو قرض ہبہ کیا تو صحیح نہیں۔(ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار بحوالہ فتح القدیر کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظھیریہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۹۶

[5] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

وللہذا اب اگر اصل مدیون اس اترے ہوئے دَین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دَین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کاہے کے عوض رکھتا ہے، کافی شرح وافی پھر عالمگیریہ میں ہے:

لواحال بدینہ فرھن لایصح[1]	اگر محیل نے قرض پر کسی کا حوالہ کردیا پھر دائن کے پاس کچھ رہن رکھا تو صحیح نہیں۔(ت)

اور اگر پہلے سے اس دَین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے لے گا کہ اب دَین اس پر نہ رہا محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

اذا احال الراھن المرتھن بالدین علی غیرہ یسترد الرھن[2]۔	جب راہن نے مرتہن کاقرض کسی اور پر حوالہ کردیا تواب رہن واپس لے سکتا ہے۔(ت)

حوالہ کے بعد دائن کو اصلاً اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مکر جائے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مرجائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے، نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہو کر دَین پھر اصل مدیون پر عود کرتا ہے، عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دَین نہ رہا تھا، تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق للامام الزیلعی میں ہے:

لم یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقہ فاذا توی علیہ عاد الدین الی ذمۃ المحیل والتوی عندابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احدالامرین اما ان یجحد المحتال علیہ الحوالۃ ویحلف ولابینۃ للمحیل ولاللمحتال لہ اویموت مفلسا بان لم یترك مالا عینا لادینا ولا کفیلا[3]۔(ملخصا)	محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا مگر اس وقت کرسکتا ہے جب اس کا حق ہلاک ہوجائے، ہلاکت کی صورت میں دَین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے، اور ہلاکت کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دوصورتیں ہیں یا یہ کہ محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھا جائے جبکہ محیل اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے نہ کوئی عین چھوڑے نہ دَین اور نہ ہی کوئی کفیل۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الکافی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الحوالہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۱۷۲۔۷۳

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لایرجع المحتال علی المحیل الابالتوی و ھوباحد امرین ان یجحد المحال علیه الحوالة ویحلف ولا بینة له اویموت مفلسا بغیرعین ودین وکفیل وقالا بھماوبان فلسه الحاکم [1]۔	ہلاکت کی صورت کے علاوہ محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور ہلاکت دومیں سے ایک امر کے ساتھ ہوتی ہے یامحتال علیہ حوالہ کاانکار کرکے قسم کھاجائے اور محتال لہ،کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہوکر مرجائے اور کوئی عین، دَین یا کفیل نہ چھوڑے،اور صاحبین نے کہا ان دو صورتوں سے بھی اور ہلاکت متحقق ہوتی اور حاکم کے اس (محتال علیہ) کو مفلس قرار دینے سے بھی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاھرکلامھم متوناوشروحا تصحیح قول الامام ونقل تصحیحه العلامة قاسم ولم ارمن صحح قولھما [2]۔	متون وشروح میں فقہاء کے کلام سے ظاہر امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح ہے اور علامہ قاسم نے امام صاحب کے قول کی تصحیح کو نقل کیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے صاحبین کے قول کی تصحیح کی ہو(ت)

ان تصریحات و تصحیحات وھوالصحیح وعلیه الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ت) کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پرشاد زید کی طرف سے اداکرے گا وہ سود زید کی طرف سے منوسنگھ کو دیاجائے گا کیسی فاحش غلطی ہے، سبحان اللہ! جب نہ یہ مدیون رہانہ اس پر مطالبہ، نہ یہ دیتاہے نہ دائن اب اس سے لے سکتاہے تو یہ سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا، طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبارت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ دَین سے مشغول ہے یااس کی طرف سے اداکرے گا جس کے ذمہ پر دَین نہیں اور اس صورت میں زید کو سودخور ٹھہرانا اور بھی عجیب ترہے، بفرض غلط ہوتا تو اتناہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیاکہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے، نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا، تفصیل کے لئے عرض کرچکاہوں کہ ضرورت ہوئی تو پھر گزارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۳

مسئلہ ۲۹۳تا۲۹۷: از کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کرکے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمہیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہوگی لے لوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کانوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کانوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہہ دیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کرلو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ہزار کانوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کرلی کہ سو روپے نقدا بھی لوں گا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے ہزار کانوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فوراً ادا کردیئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کردیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہوجائے۔

الجواب:

(۱) جائز ہے **فانه توکیل بالقبض وتسویغ للقرض** (کیونکہ یہ قبض کے لئے وکیل بنانا اور قرض دینا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جائز ہے، **لانه حوالة ومقابلة الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کما فی فتح القدیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیونکہ یہ حوالہ ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ ہے اور یہ سب جائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجّل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس وقدر یہ سب جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز وگناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نرا سود حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے

یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمر کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہو جائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھر والے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپے کا دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]۔	قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے:

صورتھا ان یفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعه الی دیقه و انما یدفعه قرضا لا امانة لیستفید به سقوط خطر الطریق وقیل ھی ان یقرض انسانا لیقضیه المستقرض فی بلد یریده المقرض لیستفید به سقوط خطر الطریق کفایة[2]۔	اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو کچھ مال قرض دے تاکہ وہی اس کے دوست کو دے دے تو بلاشبہ یہ مال اس کو بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض دیتا ہے اور اس سے راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے، اور ایک قول میں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض دے تاکہ مقروض وہی قرض اس شہر میں قرض دہندہ کو واپس کرے جس شہر میں وہ لینا چاہتا ہے تو اس سے وہ راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ (کفایہ)۔ (ت)

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ فصل فی لواحق کتاب الدین موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سو کا نوٹ ننانوے کو بیچیں خواہ ایک سو ایک کو۔ کما حققناہ فی کفل الفقیه (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیه میں کردی ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

باع بشرط ان یحیل علی المشتری بالثمن غریمالہ ای للبائع بطل ولو باع بشرط ان یحتال بالثمن صح لانہ شرط ملائم کشرط الجودۃ بخلاف الاول[1]۔	اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی ثمن کے بدلے میں بائع اپنے کسی قرضخواہ کا حوالہ مشتری پر کرے گا تو بیع باطل ہے اور اگر اس شرط پر بیع کی مشتری ثمن کا حوالہ کسی اور شخص پر کرے گا تو جائز ہے کیونکہ یہ شرط عقد کے مناسب و ملائم ہے جیسے کہ جودت کی شرط بخلاف پہلی صورت کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانہ شرط ملائم لانہ یؤکد موجب العقد اذا الحوالۃ فی العادۃ تکون علی الاملاء والاحسن قضاء فصار کشرط الجودۃ درر[2]۔	ماتن کا قول کہ بیشک یہ شرط عقد کے ملائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موجب عقد کو پکا کرتی ہے کیونکہ حوالہ عام طور پر صاحب ثروت اور بہتر ادائیگی کرنے والوں پر کیا جاتا ہے، تو یہ شرطِ جودت کی مثل ہوگیا، درر۔ (ت)

ہاں اس شرط پر بیچنا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ومنہ (ای الشروط الفاسدۃ للبیع) ان یدفع الثمن فی بلد اٰخر او یھب البائع منہ کذا بخلاف ان یحط من ثمنہ کذا، لان الحط ملحق بما قبل العقد بحر[3] اھ مختصراً۔	بیع کو فاسد کرنے والی شروط فاسدہ میں سے یہ ہے کہ شرط لگائی جائے کہ مشتری کسی دوسرے شہر میں ثمن ادا کرے گا یا بائع ثمن میں سے اتنے مشتری کو ہبہ کرے گا۔ بخلاف اس کے کہ بائع ثمن سے اتنے گھٹائے گا کیونکہ گھٹانا عقد کے ماقبل کو لاحق ہوتا ہے، بحر اھ مختصراً (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۹۵۔۲۹۴

[3] ردالمحتار باب بیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہو کر حرام میں وقوع نہ ہو جائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۲۹۸: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ

زید نے پانچ سو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کئے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کردیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے، خالد ساہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا لہذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجا جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجا کالینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں، تجارت تو کتاب وسنت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء ودانشمند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز ہے رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو دوطرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے **فقط۔**

الجواب:

ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے متون میں **السفنجۃ حرام** (ہنڈی حرام ہے۔ت) حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربا**[1] (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔ت) اور پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کیہ یہی مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلاغدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ:

سترھویں جلد کتاب الحوالہ پر ختم ہوئی،

اٹھارھویں جلد کا آغاز کتاب الشھادۃ سے ہوگا۔

---

[1] کنزالعمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸